ہزار سال پہلے

از

علامہ مناظر احسن گیلانی

نفیس اکیڈمی کراچی

Marfat.com

Marfat.com

ہزار سال پہلے!

جزیرہ نمائے پاک و ہند اسلامی ممالک اور چین کے تہذیبی و تمدّنی
حالات کا مجموعہ جو چوتھی اور پانچویں صدی کے سیّاحوں نے
مشاہدہ کیے اور اپنے سفرناموں اور تالیفات میں ہمیشہ کیلیے محفوظ کردیے

مصنّفہ

علامہ مناظر احسن گیلانی
سابق صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ

نفیس اکیڈمی
اسٹریچن روڈ ـــــــ کراچی

Marfat.com

جملہ حقوق بحق چوہدری محمد اقبال سلیم گاہندری
مالک نفیس اکیڈمی کراچی محفوظ ہیں

طبع اوّل۔ نفیس اکیڈیمی کراچی۔ سنہ ۱۹۶۴ء

طبع دوم۔ نفیس اکیڈیمی کراچی۔ سنہ ۱۹۷۰ء

طبع سوم۔ نفیس اکیڈیمی کراچی۔ سنہ ۱۹۷۵ء

فون نمبر ——— ۲۱۳۳۰۳

باہتمام ——— طارق اقبال گاہندری

قیمت ——— ۱۸ روپے

مطبوعہ: شیخ شوکت علی پرنٹرز۔ کراچی

Marfat.com

فہرست عنوانات

مقدمہ ۱۰

ہندوستان ۲۰

سندھ کا شہر منصورہ ۲۴
ملتان ۲۵
ساحلی علاقوں میں بسنے والے مسلمانوں کی سیاسی حیثیت ۳۰
اہلِ ہند کی مسلمانوں سے عقیدت ۳۵
مسلمان سیاحوں کی بے تعصبی اور راست بیانی ۴۴
مسلمانوں میں اجنبی زبانیں سیکھنے کا شوق ۴۸
جانوروں کی بولی کا علم ۵۰
فصل خصوصات کا حیرت انگیز طریق ۵۳
ہندوستانی رسم ورواج ۵۶
شراب سے پرہیز ۶۱
چوری کی سزا ۶۲
شادی کا طریقہ اور تعداد ازدواج کی اجازت ۶۳
بدکاری کی سزا ۶۴

Marfat.com

عدالتی نظام ۶۴

رفاہ عام کے کاموں کا رواج ۶۵

سیلون کی ایک عجیب رسم ۶۵

ہندوستانیوں اور چینیوں کا تقابل ۶۷

ہندوستانیوں کی پارچہ بافی ۶۸

وِدّیالوں کا رواج ۶۹

اہلِ ہند کی اصنام پرستی ۷۰

علیحدہ علیحدہ کھانے کی رسم ۷۳

ہندؤں کے سمندری سفر نہ کرنے کے عام خیال کی تردید اور
چھوت چھات۔ ۷۴

قدیم ہند میں گوشت خوری کا رواج ۷۹

گوشت سے موجودہ احتراز کا سبب ۸۵

اہلِ ہند کا اظہارِ تفاخر ۸۷

سرزمینِ ہند کی زرخیزی اور موسموں میں اعتدال ۹۰

آم کی دلچسپ تعریف ۹۵

ہندوستان میں سواری کے جانور ۹۸

ایک ہاتھی کے دلچسپ واقعات۔ ۹۹

ہندوستان کے جنگی ہاتھی ۱۰۲

ہندوستانی حکمرانوں کی معاشرت ۱۰۵

Marfat.com

پیشہ ور عورتوں کا رواج ۱۰۶
قدیم ہندوستان میں پردے کا دستور ۱۰۸
جوئے کا عام رواج اور اس کے حیرت انگیز واقعات ۱۱۲
ستی کی رسم ۱۱۵
خودکشی کا رواج ۱۱۶
کالی پر انسانی قربانی ۱۲۲
ناگے فقیروں کی ہیئت کذائی ۱۲۳
لیٹروں کی چیرہ دستیاں ۱۲۸

چین ۱۳۴

ہندوستان اور چین کا تقابل ۱۳۴
دونوں ملکوں کا اختلاف مذاق ۱۳۵
چین میں حصولِ علم کا مذاق ۱۳۶
اہلِ چین کے تہذیبی و معاشرتی خصوصیات ۱۳۷
پتھر کے کوئلے کا استعمال ۱۴۲
چین میں نوٹ کا رواج ۱۴۲
چینی تہذیب کا یورپی اقوام پر اثر ۱۴۳
چینیوں کی آدم خواری ۱۴۴
بدکاری کی اجازت اور اس کے اڈے ۱۴۶

Marfat.com

عام اسلامی ممالک

	۱۵۲
جنّات و انہار کا مذاق عام اور اس کا عجیب منشاء	۱۵۲
بصرہ کی نزہت گاہیں	۱۵۵
بخارا اور ماوراء النہر وغیرہ کی زرخیزی	۱۵۷
صحرائے افریقہ میں آبپاشی کے ذرائع	۱۶۰
شہروں میں آب رسانی کے طریقے	۱۶۲
اپنے شوقِ سیاحت کی نسبت ابنِ حوقل کا بیان	۱۶۴
عربوں کی چاول سے واقفیت کا عجیب واقعہ	۱۶۷
زراعت و باغبانی میں مسلمانوں کی حیرت انگیز ترقی	۱۷۰
اشیاء کی ارزانی اور عام فراغبالی	۱۷۶
مسلمانوں کی مہمان نوازی اور تعمیری مذاق کی خصوصیت	۱۹۱
پانی پلانے کا انتظام اور رفاہ عام کے اوقات	۲۲۹
طرابلس میں سنوسیوں کے زاویے	۲۳۷
برّی اور بحری راستوں کی حفاظت کا انتظام	۲۴۰
سرحدوں کی فوجی چھاؤنیاں	۲۴۶
مسلمانوں کا علمی شغف اور امراء کی فیاضیاں	۲۵۳
اس زمانہ کے لباس اور کھانے پینے کی تفصیلات	۲۶۲
کپڑے کی حیرت انگیز پائیداری	۲۸۸

Marfat.com

کابل اور بصنیٰ کی پارچہ بافی	۲۹۳
مسلمانوں میں شراب سے بے رغبتی	۲۹۵
سسلی کے مسلمانوں کی عاداتِ قبیحہ	۲۹۹
خراسانی مسلمانوں کا دینی جذبہ	۳۰۳
مسلمانوں کے زوال کے آثار	"
اسلامی ممالک میں غیر مسلموں کے حقوق	۳۰۹
ایران اور پارسی قوم	۳۱۳
فرغانہ کی معدنیات اور پتھر کا کوئلہ	۳۱۵
بندرگاہ عمان کی ایک اسٹرائک	۳۱۷
مختلف ممالک اسلامیہ کی لسانی خصوصیات	۳۱۹
ناموں میں تصرّف کی عادت	۳۲۰
مختلف علاقوں کے خصوصی نام	"

Marfat.com

تاریخی یادداشتیں

از محمد اقبال سلیم گاہندری

جزیرہ نمائے پاک و ہند، اسلامی ممالک اور چین کے تہذیبی و تمدنی حالات کا مجموعہ جو چوتھی اور پانچویں صدی کے سیاحوں نے مشاہدہ کیے اور اپنے سفرناموں اور تالیفات میں ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیئے۔

یہ کتاب ایک ایسا آئینہ ہے جس میں آج سے ہزار سال پہلے کے سیاسی تمدنی اور تہذیبی حالات دکھائی دیتے ہیں، مولانا سید مناظر احسن گیلانی مرحوم نے ابن حوقل، بشاری مقدسی، سلیمان تاجر، ابن خرداذبہ، مورخ مسعودی اور علامہ قلقشندی کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہوئے جو یادداشتیں مرتب کی تھیں، یہ کتاب ان ہی یادداشتوں سے بن کر تیار ہوئی ہے۔ مولانا مرحوم کی یہ خصوصیت اس کتاب میں بھی پوری طرح ظاہر ہے کہ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں سے بڑے عمدہ اور معلومات افزا نتائج پیدا کر لیتے ہیں، متفرق اجزاء سے ایک پوری تصویر تیار کر لینے میں انہیں کمال حاصل تھا اور ان کا یہ کمال اس کتاب میں بھی پوری شان دلربائی کے ساتھ جلوہ افروز ہے۔

عام طور پر یہ قدیم مصنفین شہروں اور علاقوں کا مختصر طور پر ذکر کرتے ہوئے

Marfat.com

واقعاتی انداز میں وہاں کے کچھ نہ کچھ حالات بیان کر جاتے ہیں۔ مثلاً فلاں قسم کا غلہ دیکھا، فلاں طرح کا پھل نظر آیا۔ پکارنے میں فلاں نام کو یہ لوگ اس طرح بگاڑ کر تلفظ کرتے تھے۔ وغیرہ وغیرہ، مولانا مرحوم نے اس قسم کے بیانات سے اس زمانہ کی زرعی ترقی، فن باغبانی اور لب ولہجہ پر استدلال کر کے اس وقت کی پوری تصویر تیار کر دی، اور ایسی عمدہ تصویر بنا دی کہ سارے خط وخال واضح نظر آنے لگے۔

یہ کتاب بے انتہا دلچسپ اور بہت ہی معلومات افزا کتاب ہے ایک مرتبہ ضرور پڑھنا چاہیئے۔

Marfat.com

مقدمہ

ماقدرہ اللہ فسوف یکون کے تجربات سے تو ساری زندگی ہی بھری ہوئی ہے۔ مگر اس قانون کے ظہور کی نوعیت بعض دفعہ عجیب ہوتی ہے۔

بعض تعلیمی ضرورتوں کے لیے مسلمان جغرافیہ نویسوں کی کتابوں کا مطالعہ کرنا پڑا، ان کتابوں میں بعض دلچسپ چیزیں نظر آئیں۔ وہ خود بھی دلچسپ تھیں۔ اور قیل و قال[1] چون و چرا کی مشق مدرسوں میں جو کرائی جاتی ہے۔ اسی مشق کا شاید نتیجہ یہ ہے کہ مختلف نتائج کی طرف ان کو پڑھ کر دماغ منتقل ہوتا چلا جاتا ہے۔ بغیر کسی ترتیب کے بطور یادداشت کے ان معلومات کو بھی اور جن نتائج کی طرف ان معلومات سے ذہن منتقل ہوتا تھا۔ دونوں کو خاکسار قلم بند کرتا چلا گیا۔ یادداشتوں کا

---

[1] پرانی تعلیم کی خوبی یا عیب کچھ بھی اسے سمجھیے "قال اقول" نام کی کتاب ہی مشہور ہوئی میر باقر نے ملاؤں کے نام ہی "لم لایکون" یعنے لم لایکونیون کذا (ایسا نہیں ہو سکتا) رکھ دیا تھا ۱۲ منہ

Marfat.com

یہ مجموعہ کئی سال سے پڑا ہوا تھا۔ حیدر آباد کے ایک ناشر[1] کی نظر سے گذرا تو انہوں نے شائع کرنے کا ارادہ بھی کیا مگر اس کے اس ارادے کے کچھ ہی دن بعد حیدر آباد تاریخ کے ایک ایسے دور میں داخل ہو گیا کہ نہ ناشر صاحب کا وہاں پتہ تھا اور نہ ان کے تجارتی کتب خانہ کا،

خود کتاب کیا ہے، کیسی ہے، متفرق یادداشتوں کے کسی مجموعہ کی جو حالت ہو سکتی ہے وہی حال اس کا ہے، تاہم میں خیال کرتا ہوں کہ معلومات اور معلومات سے بھی زیادہ ان سے نکالے ہوئے نتائج پڑھنے والوں میں انشاء اللہ تعالیٰ کچھ نہ کچھ اثر اپنا ضرور چھوڑیں گے۔ اگر میرا یہ حسنِ ظن پورا ہوا تو جواز اشاعت کی اسے ایک اچھی افادی وجہ قرار دوں گا۔ مرتب و ضخیم کتابیں تو لوگ پڑھتے ہی رہتے ہیں کیا ہوا اگر مذاق بدلنے کے لیے کسی پراگندہ دفتر پر بھی نظر ڈالی جائے ؎

دربانِ عقل تخم بہ ترتیب کاشتند
صحرائے عشق بیں کہ چہ ناراستہ رستہ است

زیادہ تر اس میں مسلمان جغرافیہ نویسوں اور سیاحوں کے معلومات و مشاہدات ہی ملیں گے، لیکن ان یادداشتوں کو قلم بند کرتے ہوئے کسی دوسری کتاب کی وقت پر کوئی مناسب بات اگر یاد آ گئی تو اس کو بھی میں نے درج کیا ہے، ابن سعد یا قشقلندری وغیرہ کی کتابوں سے جو چیزیں لی گئی ہیں ان کی نوعیت یہی ہے،

---

[1] محمد اقبال سلیم گاہندری مالک نفیس اکیڈمی حیدر آباد حال کراچی مراد ہیں۔

Marfat.com

آخر میں کتاب کے پڑھنے والوں سے یہ عرض کرنا ضروری خیال کرتا ہوں کہ اس کتاب کی تصنیف جس شخص کی طرف منسوب کی گئی ہے وہ بیچارا نہ تو کوئی پیشہ ور مصنّف ہے اور نہ تاریخ و جغرافیہ کا باضابطہ طالب العلم پرانے قسم کے عربی مدارس کے دقیانوسی ملّاؤں میں سے ایک ملّا ہونے کے سوا اس کی کوئی دوسری حیثیت نہیں ہے، انہی مدارس میں طالب العلمی کی زندگی پوری ہوئی، اور طالب العلمی کے بعد معلّمی کا کام جامعہ عثمانیہ میں انجام دیتا رہا وہاں بھی وہی قرآن فقہ و حدیث کلام وغیرہ کی کتابیں شعبۂ دینیات میں پڑھاتا رہا۔ اس لیے عصری خصوصیتوں سے اگر اس کا کام عاری اور خالی نظر آئے تو اس پر نہ تعجب کرنا چاہیئے اور نہ اس کو موردِ شناعت و طعن بنانا چاہیئے قوم نے جس قسم کی تعلیم دلوائی یہ اسی کا نتیجہ ہے۔

تعارف کی ان سطروں کے بعد جی چاہتا ہے کہ ایک خاص مسئلہ کے ذکر پر اپنے اس مقدمہ کو ختم کردوں۔

جس زمانہ میں یادداشتوں کا یہ مجموعہ قلم بند ہوا ہے، اس وقت ملک کے دو بڑے طبقوں کے درمیان ان زہرگداز، جاں سوز اور روح گسل واقعات کا ظہور نہیں ہوا تھا۔ جنہیں شاید کبھی سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا مگر ان ہی کو دیکھنا پڑا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسے سلجھے ہوئے تعلقات جو صدیوں سے دونوں قوموں میں قائم تھے، اچانک ان ہی کو کس الجھانے والے نے الجھا دیا۔

آپ کو اس کتاب میں بھی مشاہدات و معلومات کا ایک ذخیرہ ملے گا۔

Marfat.com

جن سے سمجھا جا سکتا ہے کہ آج ہی نہیں ہمیشہ سے مسلمانوں نے سرزمین ہند اور اس کے باشندوں کو کتنی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا۔ اس ملک کی عام مروجہ بت پرستی جو شاید سب سے زیادہ مسلمانوں کے لیے باعثِ گرانی ہو سکتی تھی، مگر حضرت عبداللہ بن مسعود صحابی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے خاندان سے تعلق رکھنے والے ایک مورّخ کی وہ توجیہہ خاص طور پر قابلِ توجہ ہے جس کا ذکر ہندوستان کی بت پرستی کے متعلق انہوں نے کیا ہے۔

واقعہ تو یہ ہے کہ اپنی آسمانی مقدس کتاب قرآن کے متعلق شروع سے مسلمانوں کے اہلِ علم طبقہ میں اس دعویٰ کو حسنِ قبول حاصل ہو رہا ہے کہ منجملہ دوسری زبانوں کے قرآن میں ہندی زبان کے بعض الفاظ بھی پائے جاتے ہیں، اتقان وغیرہ کتابوں میں ان ہندی الفاظ کی آپ کو فہرست بھی مل سکتی ہے، یہ الگ بحث ہے کہ واقع میں ہندی الفاظ یا ہندوستان میں بولی جانے والی زبانوں میں سے کسی زبان کے وہ الفاظ ہیں بھی یا نہیں لیکن اس سے مسلمانوں کی اس پاک ذہنیت کا تو اندازہ ہو سکتا ہے جو ہند اور ہند کی چیزوں کے متعلق ابتدا ہی سے وہ رکھتے تھے۔

کیا ایسی زبان جسے وہ ناپاک یا ملیچھوں کی زبان سمجھتے ہوں۔ اس کے الفاظ کی گنجائش اپنے مقدس قرآن میں ان کا دل پیدا کر سکتا تھا؟ بخاری جیسی کتاب جس کا درجہ تقدس و احترام میں قرآن کے بعد ہی مسلمانوں میں مانا جاتا ہے۔ اس میں آپ کو ایسی روایتیں مل سکتی ہیں کہ ہندوستان کی نسبت کی تصریح کے ساتھ یعنے ہندوستان کی فلاں دوا کو چاہیئے کہ لوگ

Marfat.com

استعمال کریں۔ یہ حکم ان کے پیغمبر نے اپنی امّت کو دیا ہے اور آثار و اخبار کی عام کتابوں میں جو ذخیرہ اس باب میں پایا جاتا ہے ان کے لیے تو ایک مستقل مضمون ہی میں گنجائش نکل سکتی ہے، اس سے زیادہ آخر آپ کیا چاہتے ہیں کہ کعبہ کی دیوار کا جو پتھر "حجرِ اسود" کے نام سے موسوم ہے اس کے متعلق مسلمانوں کی کتابوں میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ عرب میں یہ پتھر ہندوستان سے آیا تھا[1] (دیکھو عینی شرح بخاری وغیرہ) واقعہ کی نوعیت سے مجھے بحث نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کے ان احساسات کو دکھانا چاہتا ہوں، جو ہندوستان کے متعلق عموماً ابتداء ہی سے ان میں پائے جاتے تھے۔

اور میں تو کہتا ہوں کہ مقیم بن حماد کے حوالے سے ہمارے ہاں کی عام کتابوں مثلاً عقد الفرید وغیرہ میں ہندوستان کے ایک راجہ کا جو خط بنام سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالےٰ عنہ نقل کیا جاتا ہے جس کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ اپنا تعارف کراتے ہوئے اس ہندی حکمران نے لکھا تھا کہ:۔

> یہ خط راجہ راجگان (ملک الاملاک) کی طرف سے ہے جو ایک ہزار راجگان کا بیٹا ہے (یعنے ہزار پشتوں سے راجہ ہے) اور ہزاروں راجواڑوں کی لڑکیاں اس کے عقد ازدواج میں ہیں

---

[1] یہ نتیجہ اس بنیاد پر نکالا گیا ہے کہ جنّت سے حضرت آدمؑ ہندوستان میں سب سے پہلے اس پتھر کو اپنے ساتھ لائے اور وہاں سے عرب پہنچا ۱۲

Marfat.com

اور اس کے فیل خانے میں ہزار ہاتھی ہیں اور وہ ایسے دو دریاؤں کا مالک ہے جن کے پانی سے عُودِ اَلُوہ (خوشبو جلانے کی لکڑیاں) اور جائے پھل، کافور وغیرہ جیسی چیزوں کی پیدائش ہوتی ہے جن کی خوشبو کی لپیٹ بارہ میل تک پہنچتی ہے"۔

(عقد الفرید جلد ۱ صفحہ ۱۴۰)

خدا جانے اس خط کی نوعیت کیا ہے۔ لیکن کم از کم اس سے اس کا تو پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان اور اس کے حکمرانوں کی شان و شوکت اور عظمت و دولت کے متعلق اسلام ہی میں مسلمانوں کے اندر عقیدت کے کیسے عجیب و غریب جذبات و خیالات پائے جاتے تھے۔

اور یہی کیا جمال الدین القفطی نے اپنی کتاب تاریخ الحکماء میں بھی اس لطیفہ کا جو ذکر کیا ہے کہ دنیا کے پانچ بادشاہوں یعنی چین[1]، ہند[2]، ترک[3]، ایران[4]، روم[5]، ان کے متعلق سمجھا جاتا تھا کہ ساری دنیا کے حقیقی حکمران بس یہی پانچوں ہیں باقی ان کے سوا جو بھی ہیں وہ انبالہم ان ہی پانچوں میں سے کسی ایک کے تابع اور طفیلی ہیں،

پھر ان عالمی سلاطین کی خصوصیتوں کو بتاتے ہوئے جمال الدین نے نقل کیا ہے کہ:۔

وکانوا یسمعون	اور ہندوستان کے بادشاہ کی خصوصیت یہ
ملك الهند ملك	سمجھتے تھے کہ وہ حکمت و دانش کا بادشاہ ہے
الحكمة لفرط عنا	کیونکہ علوم و فنون کی طرف غیر معمولی اور حد سے

Marfat.com

گذری ہوئی توجہ ہند کے بادشاہوں کو ہے۔ انتھویا العلوم ص۱۷۵

واللہ اعلم بالصواب تاریخ کے کس دور کا یہ قصہ ہے لیکن مجھے تو یہ بتانا ہے کہ ہندوستان کے متعلق مسلمانوں کا سینہ کتنا کھلا ہوا تھا۔ اس کی یہ کتنی کھلی دلیل ہے۔ کرہ زمین کے پانچ بادشاہوں میں ایک بادشاہ ہندوستان کا بھی بادشاہ تھا، صرف یہی نہیں بلکہ انسانیت کا سب سے بڑا امتیاز یعنی "علم" اس کی قیادت بھی اسی ملک کے حکمرانوں کو حاصل تھی۔ بتایا جائے کہ اعتراف فضل وکمال کی اس سے بہتر شہادت اور کیا ہو سکتی ہے۔ قفطی نے اسی کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے:۔

دنیا کی تمام پرانی قوموں نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ حکمت ودانش اور مختلف علوم وفنون میں ہندوستان کے لوگ آگے بڑھے ہوئے تھے (ص۱۷۵)

پھر جس زمانہ میں اپنی یہ کتاب قفطی لکھ رہا ہے یعنی ساتویں صدی ہجری (بارہویں عیسوی) میں ہندوستان کے متعلق جو مسلمانوں کا عام احساس تھا اس کا اظہار ان لفظوں میں کرتا ہے:۔

ہر زمانہ میں یہ ماننا چاہیئے کہ ہندوستان کو حکمت ودانش کے سر چشمہ ہونے کی حیثیت حاصل رہی ہے اور عدل وانصاف کا بھی، نیز سیاست کا بھی مرکز یہ ملک بنا رہا ہے۔

اس کے بعد اس ملک کے خصوصی فنون مثلاً ریاضیات، موسیقی وغیرہ کا تذکرہ کر کے ہندی طریقہ حساب کی تعریف کر کے اپنے ذاتی تاثر کو ان

Marfat.com

لفظوں میں درج کیا ہے۔

یہ حساب کرنے کا مختصر ترین طریقہ ہے ایسا طریقہ جسے بہت آسانی کے ساتھ سیکھ لیا جاسکتا ہے بآسانی گرفت میں آجاتا ہے۔

آخر میں لکھتا ہے:۔

اور یہ دلیل ہے اس بات کی کہ ہندوستان کے لوگوں کی طبیعت کتنی تیز اور ذکاوت سے لبریز ہیں، بات سے بات پیدا کرنے اور مختلف چیزوں میں سے سب سے اچھی چیز کے انتخاب کا کتنا اچھا سلیقہ ان میں پایا جاتا ہے۔

ص ۱۷۵

خواہ کچھ بھی سمجھا جائے لیکن مسلمانوں کی علمی کتابوں کے پڑھنے کا موقعہ اب تک مجھے ملا ہے، ان میں زیادہ تر اسی قسم کی شہادتیں اور مسلمانوں کے اعترافات پائے جاتے ہیں۔ ابوالفداء کی تاریخ میں ہندوستان کے مختلف طبقات اور مذاہب وملل کا ذکر کر کے آخر میں "البراہمہ" کا عنوان قائم کرتے ہوئے ان کی خصوصیتوں کا اظہار ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

ان لوگوں کے نزدیک فکر (دھیان وگیان) کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے، ان کا خیال ہے کہ محسوس اور غیر محسوس (غیب و شہادت) کے درمیان واسطہ کا کام فکر (دھیان وگیان)

Marfat.com

سے لیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں یہ بڑی محنت، ریاضت و مجاہدے سے کام لیتے ہیں۔ تا آنکہ محسوسات سے منتقل ہو کر غیر محسوس (غیب) سے تعلق پیدا کر لیتے ہیں۔ اور اس نادیدہ عالم کا ان پر انکشاف ہوتا ہے، بسا اوقات وہ اسی لیئے غیب کی خبریں بھی دیتے ہیں، یا ارادے میں اتنی قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ کسی زندہ کے قتل کا ارادہ اس کے قتل کے لیئے کافی ہو جاتا ہے (ص ۹۴)

اور بھی اسی قسم کی باتیں اس نے نقل کی ہیں۔

ہندوستان پہنچنے اور اس کو وطن بنا لینے کے بعد ہندوؤں کے مذہب و دین کے متعلق مسلمانوں کی جہاں تک میں جانتا ہوں کوئی تنقیدی یا مناظراتی کتاب نہیں پائی جاتی، یہ قصہ اس وقت شروع ہوا جب ہندوستان کی حکومت ایک ایسی قوم کے قبضہ میں چلی گئی، جس کی حکمرانی کی بنیاد ہی فرق و احکم (بانٹو اور حکومت کرو) پر قائم تھی تحفۃ الہند کے جواب و سوال کا سلسلہ اسی کے بعد شروع ہوا۔

اسی سے اندازہ کیجئے کہ مہاراجہ پٹیالہ کے پاس جب مسٹر جارج فریڈرک کمشنر انبالہ بطور مہمان کے تشریف لائے اور بہادر گڑھ کے قلعہ میں مہاراجہ نے ان کو اتارا تو عین محل کے پاس ایک "مسجد" کو دیکھ کر کمشنر صاحب نے فرمایا کہ اورنگ زیب تو مسجدوں کو ڈھواتا تھا آپ نے اپنے محل کے

Marfat.com

پاس اس مسجد کو کیسے قائم رہنے دیا۔

مہاراجہ نے جواب میں کہا کہ جس ڈھنگ سے اس وقت آپ نے اورنگ اورنگ زیب کا ذکر کیا میں نہیں چاہتا کہ میرے بعد میرا ذکر بھی لوگ اسی طرح کریں۔ ص ۴۶۲ تاریخ ریاست پٹیالہ مؤلفہ خلیفہ محمد حسن وزیر ریاست۔

اگرچہ یہ جزئی واقعہ ہے لیکن یہ بیسیوں کلیات کو جن میں آج ہندوستان پھنسا ہوا ہے آپ حل کر سکتے ہیں۔ فقط والسلام

مناظر احسن گیلانی

۲۶ رمئی ۱۹۵۰ء گیلان (بہار)

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہندوستان

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

ہندوستان کے لحاظ سے یہ وہ زمانہ ہے کہ دارالسلام بنا کر مسلمانوں کے بسانے کے لیے اس ملک کا فاتح ابھی کفر کی آغوش اور کفر کے اصلاب میں محوِ خواب تھا۔ میری مراد سلطان شہاب الدین محمد سام الغوری انار اللہ برہانہ، سے ہے۔ ابن حوقل جو میرے اس مضمون کا سب سے بڑا ماخذ بلکہ محرک ہے۔ ۳۳۶ھ میں پیدا ہوا۔ یعنی چوتھی صدی ہجری کا یہ مصنف اور سیاح ہے وہی سلطان مرحوم کے مرز و بوم غور کے متعلق لکھتا ہے:۔

امّا الغور فانہا دار کفر تذکرھا فی الاسلام لان بہا مسلمین (ابن حوقل)

باقی غور تو یہ ابھی کفر ہی کا علاقہ ہے، اسلامی ممالک کے سلسلے میں اس کا ذکر میں اس لیے کر رہا ہوں کہ کچھ مسلمان اس علاقہ میں بھی پائے جاتے ہیں۔

اور گو مہم سندھ کے نام سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے پندرہ سال بعد ہی ایک مہم ہندوستان کی طرف مسلمانوں کی روانہ ہو چکی تھی۔ لیکن باوجود اس کے ابن حوقل کے زمانہ تک ہندوستان کے متعلق مسلمانوں کے معلومات اور تاثرات کا حال یہ تھا، جیسا کہ ابن حوقل ہی نے سندھ اور

Marfat.com

اطراف سندھ، کچھ، ملتان، اور اس کے آس پاس کے قصبوں اور شہروں کا ذکر کر کے جن کے نام اب قریب قریب محو ہو چکے ہیں، یہ لکھا ہے، کہ :-

وهذه مدن الهند	یہ ہیں ہندوستان کے شہر جنہیں میں جان سکا
التی عرفتها ولها	ہوں ۔ ان کے سوا ملک کے اندرونی علاقے
بواطن واماکن	بھی ہیں مثلاً فرزان، قنوج جو ریگستانوں کے
کفرزان وقنوج	اندر ہیں۔ ان کی حالت بجنسہ مغربی افریقہ
فی المفاوز وهی	کے دور دست علاقوں کی ہے۔ یعنے لمط
کلمطه وادغشت	وادغشت وغیرہ۔ ہندوستان کے ان
فی اقطارنا نائیة	اندرونی شہروں میں کوئی تاجر نہیں پہنچ
اماکن سحیقه	سکتا۔ البتہ اگر خود ان ہی ہندوستانیوں
لا یصل الیها	میں سے ہوا تو اس کی رسائی ہو سکتی ہے۔
تاجر الامن اهلها	وجہ یہ ہے کہ (اسلامی ممالک سے) ہندوستان
لانقطاعها وکثرة	کے یہ اندرونی شہر بالکل منقطع ہیں۔ اور
الآفات المقطعة	راستہ میں بکثرت ایسی آفتوں سے ان
لقاصدها	لوگوں کو دو چار ہونا پڑتا ہے جو اندرون
(ابن حوقل ص۲۲۷)	ملک کے ان شہروں کا ارادہ کرتے ہیں۔

فرزان کے متعلق تو نہیں کہہ سکتا کہ کس شہر کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ واللہ اعلم اب اس نام کی کوئی آبادی کہیں موجود بھی ہے یا نہیں۔ البتہ قنوج کو ابن حوقل جانتا ہے مگر کیا جانتا ہے "المفاوز" یعنے صحرائے سندھ کے درمیان

Marfat.com

کا ایک شہر اس کو بتاتا ہے۔ خیال گذرتا ہے کہ سندھ تک مسلمان یلغار کر کے پہنچ گئے تھے۔ حالانکہ یہاں تک بھی پہنچنا آسان نہ تھا۔ کرمان سے مکران تک عظیم "مفازہ" یعنے صحرائے ریگ کو عبور کر کے وہ یہاں تک پہنچے تھے مگر کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے اندلس پہنچ کر موسےٰ بن نصیر فاتح اندلس نے بحرِ محیط کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ "تیری موجیں اجازت نہیں دیتیں ورنہ اللہ کا کلمہ بلند کرتے ہوئے میں آگے ہی بڑھتا چلا جاتا۔ لیکن مجبوراً واپس ہوتا ہوں" کچھ اسی طرح جنوب میں بحرِ عرب اور بحرِ ہند کی موجیں شمال میں ہمالہ کی بلند چوٹیاں، سامنے ایک لق ودق ریت اور بالو کا غیر آباد صحرا، اسی کو دیکھ کر آگے بڑھنے کی ہمت مدتوں ان میں پیدا نہیں ہو سکی ماسوا اس کے جیسا کہ ابن حوقل نے بھی اشارہ کیا ہے۔ کہ اس ملک میں وہی تاجر داخل ہو سکتا ہے جو انہی میں سے ہو۔ چھوت چھات، جات پات کے مسئلہ نے ہندوستان میں مسافروں کے لیے کوئی گنجائش باقی نہ چھوڑی ہو گی بلکہ الھمدانی جو تیسری صدی ہجری کا مصنف ہے اس کے بیان سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یاروں نے بعض عجیب وغریب ڈراؤنی باتیں بھی مشہور کر رکھی تھیں، اس نے ایک موقع پر لکھا ہے۔

وبین خراسان دارض الہند	خراسان اور ہندوستان کے درمیانی راستہ
نمل مثل الکلاب السلوقیہ	میں ایک قسم کی چیونٹیاں ہیں جو تازی کتوں

لے ہندوستان کے متعلق جہاں تک سننے میں آیا ہے، اس وقت تک یورپ کے عوام

Marfat.com

کے برابر بڑی ہوتی ہیں۔ (ابن الفقیہ الہمدانی صـ۳۲۵)

پھر ان کی تفصیل بھی لکھی ہے کہ کس طرح لوگوں پر حملہ کرتی ہیں اور ان کے حملے سے بچنے کی تاجروں نے کیا صورتیں اختیار کر رکھی ہیں۔

بہرحال ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابن حوقل کے زمانہ تک سندھ و ملتان

میں اسی قسم کی باتیں مشہور ہیں، مختلف حضرات جو یورپ سے تعلیم پاکر واپس آئے ہیں اُن سے معلوم ہوا کہ عام طور پر لندن تک کے عوام عموماً دریافت کرتے ہیں کہ آخر ہندوستانی سانپوں اور شیروں کے درمیان کیسے رہتے ہیں؟ میرے ایک دوست جو جامعہ عثمانیہ میں سائنس کے استاد تھے، وہ کہتے تھے میں بھی ان کو باور کراتا تھا کہ شام ہوتے ہی ہم لوگ اپنے دروازے بند کر لیتے ہیں۔ اتفاقاً کسی دن دروازہ کھلا رہ جائے تو شیر ہمارے بچوں کو اٹھا کر لے بھاگتے ہیں۔ اور سانپوں کا یہ حال ہے کہ ہم لوگ پلنگ پر لیٹے نہیں کہ بکثرت سوراخوں سے سانپ نکل نکل کر اِدھر اُدھر صحن میں ٹہلنے لگتے ہیں۔ سر راس مسعود مرحوم بھی اپنا ایک قصّہ کہتے ہیں غالباً لندن ہی کا، کہ عورتوں اور مردوں کا ایک مجمع تھا مجھے خدا جانے کیا سوجھی۔ کسی کے پوچھنے پر میں نے کہا کہ جس حال میں مجھے آپ لوگ دیکھ رہے ہیں اس پر میرے بزرگوں کو قیاس نہ کیجئے۔" واللہ اعلم، ان کا بیان تھا کہ میں نے جب ان کو باور کرایا کہ پہلے آدمی جو درخت سے اتر کر زمین کی زندگی گذارنے کے عادی ہوئے وہ میرے دادا تھے۔ ورنہ ان سے پہلے سب درختوں ہی پر رہتے تھے۔ تو لوگ چاروں طرف سے جمع ہو کر بطور تماشا کے مجھے دیکھنے لگے۔ یعنی ایک ایسے آدمی کو دیکھ رہے تھے جس کی کل دو پشت زمین پر رہنے کی عادی ہوئی ہے ۱۲

Marfat.com

اور اس سے بھی جو بالائی علاقے ہیں، نیز ساحلِ سمندر کی بندرگاہیں، اور ساحل سے قریب کے شہروں سے تو مسلمان خوب واقف تھے۔

سندھ کا شہر منصورہ

وہ سندھ کے مرکزی شہر منصورہ (جس کا نام سندھیوں کی زبان میں برہمن آباد تھا، کا ذکر تفصیل سے کرتا ہے، وہاں کے امیر کا، عام باشندوں کا، ان کے طرزِ رہائش کا، موسم کا، پیداوار کا، سب ہی کا تذکرہ اس نے کیا ہے۔ مسلمانوں کا جو خاندان اس کے زمانہ میں منصورہ کا امیر تھا اس کے متعلق ابن حوقل نے لکھا ہے کہ:

وملکھم من قریش من ولد ھبار بن الاسود قد تغلب علیھا اجداده وساسوھم سیاسۃ اوجبت رغبۃ الرعیۃ فیھم وایثارھم علی من سواھم غیر ان الخطبۃ لبنی العباس

(ابن حوقل ص ۲۲۸)

ان کا بادشاہ قریشی نسل سے ہی یعنی ہبّار بن اسود کی اولاد ہے۔ اس شہر پر اسی قریشی بادشاہ کے بزرگوں نے قبضہ جمالیا تھا۔ اور پھر وہاں کے باشندوں پر ایسی حکومت ان لوگوں نے کی جس کی وجہ سے رعیت ان کی طرف مائل ہوگئی اور دوسروں پر ان لوگوں کو وہاں کے باشندے ترجیح دینے لگے۔ البتہ خطبہ اس شہر میں عباسیوں ہی کے نام سے پڑھا جاتا ہے۔

یہ بھی لکھا ہے کہ مسلمانوں کا عام لباس تو اس ملک میں وہی ہے جو عام عراق

Marfat.com

والوں کا لباس ہے۔ لیکن صرف شاہی خاندان کے لوگ۔

یقارب زھیم زی ملوک الھند	بال اور کرتے ان کے ہندوستان کے راجگان
فی الشعور و القراطق (ابن حوقل ص۲۲۸)	کی وضع کے قریب ہیں۔

ملتان

اسی طرح سے ملتان کا تذکرہ بھی بڑی تفصیل سے کیا ہے۔ لکھا ہے۔ کہ مسلمان اس شہر کو "فرج بیت الذہب" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یعنی سونے کے گھر کا شگاف" گو وجہ تسمیہ اس کی ابن حوقل نے یہ بتائی ہے کہ:۔

لانھا فتحت فی اول	ملتان اس زمانہ میں فتح ہوا تھا، جب اس
الاسلام وکان	ملک میں اسلام ابتداءً داخل ہوا تھا۔ اُس
بالمسلمین ضیق	وقت مسلمان سخت تنگی میں مبتلا تھے اور
وقحط فوجدوا فیھا	قحط کے شکار ہو گئے تھے۔ ملتان جب
ذھبا کثیرا	فتح ہوا تو سونے کا ایک بڑا ذخیرہ ہاتھ آیا
فاتسعوا۔	جس سے فراغبالی پیدا ہو گئی۔

"ہندوستان سونے کی چڑیا ہے"، شاید اسی کا ترجمہ مسلمانوں نے ان الفاظ میں کر لیا ہو۔ اسی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے زمانے تک اس تمام علاقے میں یعنے سندھ، ملتان وغیرہ میں زیادہ تر بدھ مت کے پیرو آباد تھے۔ وہ بھی چند مجہول الاسم شہروں کے نام لے کر لکھتا ہے کہ:

فمن میمور وفاھل من بلاد	میمور اور فاھل جو ہندوستان کے

Marfat.com

القصدار من تامهل الى مكران قالب) هة والكفار فى حدود السند هم البدهه... والبدهة قبائل مفترشة مابين حدود طوران ومكران والملتان ومدن المنصورة۔ (ابن حوقل ص۲۳۱)	(ساحلی) شہر ہیں۔ قامہل سے مکران تک بدھ لوگ آباد ہیں۔ اسی طرح سندھ کے علاقوں میں بدھ ہی آباد ہیں۔ اسی طرح طوران اور مکران وملتان میں بدھ قبائل کے لوگ پھیلے ہوئے ہیں۔

طوران مکران ہی کے قریب بلوچستان کے کسی علاقہ کا نام تھا، لکھا ہے کہ اس کا امیر بھی الگ ہے جس کا نام ابوالقاسم البصری ہے، اسی طرح وہ ملتان کے حالات میں لکھتا ہے کہ:۔

امیرهم قرشی من ولد اسامة بن لوی قد تغلب علیها اولوه (ابن حوقل ص۲۳)	ملتان کا امیر بھی ایک قریشی ہے اسامہ بن لوی کی اولاد میں ہے۔ ملتان پر اس کے بزرگ قابض ہو گئے تھے۔

پنجاب میں قریشی یا قرشی کی نسبت اپنے ناموں کے پیچھے استعمال کرنے والے حضرات کیا ان ہی سندھی وملتانی سلاطین وامراء سے کوئی نسبی تعلق رکھتے ہیں؟ واللہ اعلم بالصواب۔

اسی ملتان کے سلسلے میں ابن حوقل نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہاں ایک عظیم اور بہت بڑا بت خانہ ہے جس میں ایک دیو ہیکل مورتی ہے غالباً یہ بدھ ہی کا بت ہے۔ ابن اثیر میں ہے کل مایعبد فهو عندهم بُدٌّ ہر وہ چیز جو پوجی جاتی ہے ہندوستانیوں کے یہاں "بد" کہلاتی ہے)

Marfat.com

بعضوں کا خیال یہ کہ بُت کا لفظ اسی "بدھ" ہی کا ایک تلفظ ہے میرے خیال میں بھی قابل قبول ہے۔ مگر دلچسپ قول اس ملتانی "بد" کے متعلق ابن اثیر نے یہ نقل کیا ہے کہ بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ حضرت ایوب علیہ السلام کی مورتی یعنی صنم یا مجسمہ ہے۔

دوسری کتابوں میں بھی "البد العظم" کے نام سے مورخین نے ملتان کے اس بت کو موسوم کیا ہے۔ اس بت کا پورا نقشہ اور حلیہ بھی ابن حوقل نے کھینچا ہے۔ دلچسپ دو باتیں لکھی ہیں۔ ایک تو وہی جو سلاطین اسلام کا ہندوستان کے باشندوں کے ساتھ دوامی سلوک[1] رہا یعنی اس بت کا ذکر کر کے رقمطراز ہے۔

وامیر الملتان ینفق علی السدنہ منہ (ابن حوقل ص ۲۲۹)

جو آمدنی امیر ملتان کو ہوتی ہے اس میں سے وہ اس بت خانہ کے پجاریوں پر بھی خرچ کرتا ہے۔

اور دوسرا لطیفہ جو اس نے لکھا ہے وہ یہ ہے کہ گو ہندوستان کی لامحدود مخلوق کے مقابلہ میں اس امیر ملتان کے پاس کوئی ایسی فوجی قوت نہیں ہے جس سے حملہ کرنے والوں کی وہ مدافعت کر سکتا ہو لیکن ترکیب یہ اس نے اختیار کر رکھی ہے کہ:

---

[1] وہی دوامی اور عام سلوک جسے یاد کر کے بے ساختہ میری زبان پر شاعر کا یہ شعر جاری ہو جاتا ہے ؎

ہم نے جب ہوش سنبھالا تو سنبھالا تم کو
تم نے جب ہوش سنبھالا تو سنبھلنے نہ دیا

Marfat.com

اذا قصدھم الھند للحرب وانتزاع ھذا الصنم منھم اتوا الصنم فاظھروا کسرہ واحراقہ فیرجعون ولولا ذلک لخربوا الملتان

جب ہندوستان کے باشندے ملتان کے اس مسلمان امیر کی طرف جنگ کے ارادے سے حملہ کرتے ہیں اور اس مورتی کو (جو ملتان میں تھی) اس سے چھین لینا چاہتے ہیں تو مسلمان اس مورتی کے پاس آکر کچھ ایسی حرکتیں کرتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ (بڑھنے والے اگر آگے بڑھے تو) ان کے اس بت کو وہ توڑ پھوڑ کر رکھ دیں گے اور جلا دیں گے (اس حال کو دیکھ کر) نرغہ کرنے والے واپس ہو جاتے ہیں۔ اگر ایسی صورت نہ ہوتی تو ملتان کو ہندوستان والے تباہ و برباد کر چکے ہوتے۔

(ابن حوقل)

پھر آگے پیچھے خدا جانے کتنے شہروں کے نام اس نے لیے ہیں مثلاً قلری بلّری، انّری، مسودھی، بانیہ وغیرہ۔ اور عجیب بات یہ لکھی ہے کہ:

وملتان اھل المنصورۃ والملتان ونواحیھا العربیۃ والسندیۃ

منصورہ اور ملتان اور جو علاقے ان کے آس پاس ہیں ان کی زبان عربی اور سندھی ہے۔

(ابن حوقل صـ۲۳۲)

گویا یوں سمجھنا چاہیئے کہ عربی زبان ہندوستان کے سندھی خطہ تک پہنچ چکی تھی۔ پھر مکران کا تذکرہ کر کے بتایا ہے کہ وہاں بھی ایک الگ امیر ہے جس کا

Marfat.com

عیسٰی بن معدان ہے۔ پایۂ تخت کا نام اس کے کیز ہے۔ شاید اسی کو آج کل کوئٹہ کہتے ہوں۔ پھر آگے قندابیل وغیرہ نامی شہروں کا ذکر کر کے یہاں بھی یہی بتایا ہے کہ "فیہ مسلمون وکفار من البلدہ" (یعنے اس علاقہ میں بھی مسلمان اور بدھ متی والے رہتے ہیں۔) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ چوتھی صدی ہجری تک یہ سارا علاقہ بدھ مذہب والوں سے بھرا ہوا تھا اور غالب قرینہ بھی یہی ہے کہ بتدریج ان ہی بدھوں نے اسلام قبول کیا ہے۔[1]

---

[1] بدھ مذہب والوں کا اسلام سے عجیب تعلق ہے، واقعہ یہ ہے کہ وسط ایشیا کا سارا علاقہ کابل، قندھار، سندھ، سرحد، اسلام سے پہلے ان کے باشندے عموماً بدھ متی کے پیرو تھے، پھر بالکل سمجھ میں نہیں آتا کہ اسلام کے آنے کے ساتھ ہی بغیر کسی کشمکش کے اچانک انہوں نے اسلام قبول کر لیا آج تک دنیا کو اس پر حیرت ہے۔ البلاذری نے تو تصریح کی ہے کہ کچھ نہیں معلوم کہ یہ کیسے مسلمان ہوئے، گو بعض جستہ جستہ واقعات تاریخوں میں ملتے ہیں۔ لیکن بالکل ناکافی، مسٹر آرنلڈ نے بھی یہاں پہنچ کر اپنی مشہور کتاب "پریچنگ آف اسلام" میں سپر ڈال دی ہے۔ میرا اس باب میں ایک خاص نظریہ ہے جس کی طرف اپنی کتاب "النبی الخاتم" میں میں نے بعض اجمالی اشارے بھی کئے ہیں۔ کاش کوئی اس مضمون کو اپنی تحقیقاتی جدوجہد میں موضوع بناتا۔ بڑے بڑے اسرار اس پر فاش ہو سکتے ہیں۔ تاتاری بھی عموماً بدھسٹ تھے میں تو خیال کرتا ہوں کہ چین اور خصوصاً جاپان کے بعد بودھوں میں کام نہیں کیا گیا۔ اس وقت بڑا نادر موقع ہاتھ آگیا ہے۔ انانیت کا بت جاپان کا ٹوٹ چکا ہے۔ انگریزی زبان سے وہ اتنے قریب ہو چکے ہیں کہ اسی زبان کو ذریعہ بنا کر

Marfat.com

ساحلی علاقوں میں بسنے والے مسلمانوں کی سیاسی حیثیت

غرض کہ چوتھی صدی ہجری تک مسلمان اس ملک کے متعلق بہت ہلکی سی واقفیت رکھتے تھے، البتہ ساحلی علاقوں میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مدت سے مختلف ہندو راجاؤں کے علاقوں میں بسنا شروع ہو گئے تھے لیکن حیرت ہوتی ہے کہ اس زمانہ میں بھی مسلمان ہندوستان میں جس شرط کے ساتھ بستے تھے وہ عجیب وغریب ہے ابن حوقل سواحلِ ہند کے شہروں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

"کھمبایت سے صیموز تک بلھرا کا علاقہ ہے۔ جو کتاب الامثال کا مصنّف ہے اور اپنے علاقے کے نام کی نسبت سے مشہور ہے جیسے (افریقیہ میں) غانہ (گھانا) کہتے ہیں، حالانکہ وہ علاقہ کا نام ہے، اسی طرح کانغہ (کانگو) وغیرہ کا بھی یہی حال ہے۔"

ان کو اس آڑے وقت میں اسلام کی دعوت دے کر آدمی بنایا جا سکتا ہے بلاشبہ وہ آدمی بننے کا حق رکھتے ہیں۔ وسط ایشیا کے متعلق یہ خیال کہ فوجی حملوں سے وہ مسلمان ہوئے مختلف وجوہ سے غلط ہے۔ ابھی غور کا حال آپ پڑھ چکے کہ چوتھی صدی تک کفر پر وہ مصر رہا لیکن اسلام کی تلوار نے مسلمان ہونے پر اس کو چار سو سال تک مجبور نہیں کیا۔ حالانکہ چاروں طرف ان کے مسلمان ہی مسلمان تھے۔ ۱۲

بہرحال اسی بلھرا کے علاقہ میں جو مسلمان آباد تھے۔ ان کے متعلق ابن حوقل کا اور اس کے علاوہ دوسرے بعض مورخین کا بھی یہی بیان ہے کہ :۔

وفیہا مسلمون ولا یلی	بلھرا کے علاقہ میں کچھ مسلمان بھی آباد ہیں
علیہم من قبل بلھرا الذی	ان مسلمانوں پر بلھرا کی طرف سے اس زمانہ
فی زماننا ھذا الا مسلم	میں وہی آدمی حاکم ہو سکتا ہے جو مسلمان ہو
یستخلفہ علیہم	بلھرا کا وہ حاکم ان مسلمانوں پر نمایندہ ہوتا ہے۔

(ابن حوقل ص۲۲۷)

جس کا مطلب یہی ہوا کہ حکومت کی جانب سے اس زمانہ میں بھی ہندوستان کے ان گنے چُنے مسلمانوں کو اپنے اوپر خود مسلمانوں کی حکومت قائم کرنے کا اختیار دیا جاچکا تھا۔ بلکہ ابن حوقل ان مسلمانوں کے متعلق جو اس زمانہ میں غیر اسلامی حکومتوں کے علاقوں میں آباد تھے سب ہی کا یہی حال بتاتا ہے اس کے الفاظ ہیں :۔

وکذلک العادۃ وجدتہا فی	اور یہی حال دیعنے مسلمانوں پر خود مسلمان
کثیر من بلدان الاطراف التی	حکمران ہیں) یہ بات میں نے بہت سے
تغلب علیہا الکفر کالخزر و	ان ممالک میں پائی جن پر کفر کا غلبہ ہے۔ مثلاً
السریر واللان وغانۃ وکوغہ	خزر، سریر، لان، غانہ، کوغ وغیرہ ہیں۔

لہ معلوم نہیں کتاب الامثال سے ابن حوقل کی کیا مراد ہے شاید کلیلہ ومنہ کی داستان جس میں گیدڑوں کا ذکر بطور مثال کے کیا گیا ہے اور سارے قصے جانوروں ہی کی زبان سے ادا کئے گئے ہیں واللہ اعلم بالصواب۔ جدید تحقیقاتی مضامین میں تو ثابت کیا گیا ہے کہ

Marfat.com

پھر اسی کی کچھ اور تفصیل ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:۔

لا یقبل المسلمون فی جمیع هذه الضیاع حکم وان یحکم علیه الا مسلم منهم ولا یتولی حدودهم ولا یقیم علیهم شهادة الا المسلمون وان قلّوا۔

(ابنِ حوقل ص۲۲۸)

ان تمام علاقوں میں مسلمان کسی حکم اور فیصلہ کو اس وقت تک تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے جب تک کہ ان پر خود مسلمان ہی حاکم نہ ہو۔ ان پر حدود اور سزاؤں کے نفاذ کا یا ان پر شہادۃ اور گواہی دلانے کا حق مسلمانوں کے سوا کسی دوسرے کو نہیں ہے۔ خواہ اس علاقے میں مسلمانوں کی تعداد کم ہی کیوں نہ ہو۔

جس کا مطلب اور کیا ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں پر مسلمانوں کے سوا کسی دوسرے طبقہ کی حکمرانی کو ان علاقوں میں بھی مسلمان قبول نہیں کرتے تھے، جہاں انتہائی اقلیتِ قلیلہ میں وہ ہوتے تھے۔ اسی نے اس کے بعد یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

وبلاد بلهرا مساجد یجمع فیها الجمعات ویقام بسائرها الصّلوات بالاذان علی المنائر والاعلان بالتکبیر والتهلیل۔

(ابنِ حوقل ص۲۲۸)

بلھرا کے علاقہ میں مسلمانوں کی مسجدیں بھی ہیں جن میں جمعہ کی نماز بھی ہوتی ہے اور دوسری معمولی نمازیں بھی پڑھی جاتی ہیں نماز کے لیے میناروں پر اذان بھی ہوتی ہے اور تکبیر و تہلیل اعلان کے ساتھ ادا کی جاتی ہے۔

اصل نام اس کتاب کا "ہیدیشا" یا "اپدیش" یا "پندنامہ" تھا۔ ۱۲

Marfat.com

اور اسی نوعیت کی دوسری کتابوں میں مثلاً بزرگ بن شہر یار کی کتاب "عجائب الہند" میں لکھا ہے کہ بلھرا کی حکومت میں مسلمانوں کا جو مسلمان افسر ہوتا تھا اس کا لقب ہزمن تھا۔ بزرگ ابن شہریار جس زمانہ میں اس علاقہ میں پہنچا ہے اس وقت وہاں ہزمنی کے اس عہدے پر جو سرفراز تھا اس کا نام عباس بن ماہان بتایا ہے عجائب الہند ص۱۴۳ اسی کتاب میں دوسری جگہ الہزمن[1] کے متعلق یہ الفاظ لکھے ہیں:۔

والھزمن ھو مثل القاضی فی بلاد الاسلام ولا یکون الھزمن الا من المسلمین۔
(عجائب الہند ص۱۶۱)

اسلامی علاقوں میں جو حیثیت قاضی کی ہوتی ہے وہی حیثیت ہزمن کو دبلھرا کے علاقہ میں حاصل ہے لیکن ہزمن مسلمانوں کے سوا کسی دوسرے طبقے سے نہیں ہوسکتا۔

اسی نے لکھا ہے کہ ہندوستانی قوانین کی رو سے کسی جرم کی خواہ کچھ بھی سزا مقرر ہو، لیکن مسلمان جب اُس جرم کے مرتکب ہوتے تھے تو ان کو ہزمن کے سپرد کر دیا جاتا تھا۔ اس لیے سپرد کر دیا جاتا تھا، تاکہ

یعمل بما یوجبہ حکم الاسلام۔
(عجائب الہند ص۱۶۱)

اسلامی قوانین کی رُو سے اُن پر حکم لگائے۔

---

[1] بظاہر "ہزمن"، ہنرمند کی بگڑی ہوئی شکل معلوم ہوتی ہے۔ خیال گذرتا ہے کہ مسلمانوں کی جو اخلاقی عظمت ہندوستانی حکمرانوں کے قلوب قائم ہوگئی تھی شاید اسی سے متاثر ہوکر انہوں نے اپنے مذہبی پیشوا یعنے "برہمن" کے وزن پر مسلمانوں کے پیشوا کو "ہزمن" کے

Marfat.com

کیا زمانے کا انقلاب ہے کہ جس زمانے میں مسلمان ہندوستان میں انگلیوں پر بھی بمشکل گِنے جا سکتے تھے اس وقت تو انہوں نے اس ملک میں یہ اختیار اور اقتدار حاصل کر لیا تھا کہ مسلمانوں پر مسلمانوں ہی کی حکومت قائم ہو گی، اور مسلمانوں پر ان کے دین ہی کا قانون نافذ ہو گا۔ لیکن آج جب ان کی تعداد اسی ملک میں کروڑوں سے بھی متجاوز ہو چکی ہے۔ اس مسئلہ کے خیال کو بھی اپنے دماغ میں لانے کی ہم جرأت نہیں کر سکتے۔ دوسروں سے منوانا تو دور کی بات ہے خود مسلمانوں میں بھی اس پر اتفاق و اجماع ہونا آسان نہیں ہے۔ یہی طے ہونا مشکل ہے کہ اس قسم کے اختیارات کا مطالبہ حکومت کے سامنے مسلمانوں کو پیش کرنا بھی چاہیئے یا نہیں۔ دلوں میں کمزوری ہے۔ محسوس کرتے ہیں کہ ہمارے اس مطالبہ کو کون تسلیم کرے گا۔ اور سچ پوچھیئے تو اصلی کمزوری دلوں ہی کی کمزوری ہے لیکن باوجود قلّتِ تعداد اور مادّی ضعف کے جن مسلمانوں نے ان حقوق کو حاصل کیا تھا ان کی اندرونی قوّت کا اندازہ ابن حوقل ہی کی اس چشم دید شہادت سے ہو سکتا ہے۔ وہ لکھتا ہے:۔

> ان ہی علاقوں میں سے بعض علاقوں میں ایسے مسلمانوں سے بھی میری ملاقات ہوئی ہے جن کی پارسائی اور اخلاقی برتری کا یہ حال ہے کہ اپنے مقدمات میں غیر مسلم طبقات کے افراد بھی عموماً ان کو اپنا گواہ مقرر کر کے حکومت کے سامنے پیش کرتے ہیں، اور مقدمہ

لفظ کا خطاب دیا ہو۔ واللہ اعلم بالصواب ۱۲

Marfat.com

کا فریق ثانی بھی عموماً ان کی شہادت کے ساتھ اپنی رضامندی کا اظہار کرتا ہے۔ کبھی کسی خاص گواہ کی گواہی پر فریق ثانی کو اگر اعتراض بھی ہوتا ہے تو اس کی جگہ گواہی میں پھر مسلمان ہی کو پیش کر دیا جاتا ہے۔ اور اسی کے بیان پر مقدمہ کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔"

(ابنِ حوقل ص ۲۲۸)

لیکن آج ان ہی حقوق کے حاصل کرنے کا ذریعہ مسلمان جن چیزوں کو بنا رہے ہیں اب ان کے متعلق کیا بیان کروں کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ جو چیز دیکھی جا رہی ہے اسے سنایا کیا جائے۔ غیر بھی اعتماد کرتے تھے ایک حال اسی قوم کا اسی ملک میں یہ تھا اور آج اسی قوم کا اسی ملک میں یہ حال ہے کہ ہر مسلمان دوسروں کی دھجیاں بکھیر رہا ہے۔ عزّت و ناموس، خود مسلمانوں کی مسلمانوں کے ہاتھ برباد ہو رہی ہے۔ باطنی قوّت کے اس افلاس کے بعد ظاہر میں طاقت پیدا کرنے کی کوشش قطعًا ایک غیر منطقی کوشش ہے۔

اہلِ ہند کی مسلمانوں سے عقیدت

جن دنوں کا میں ذکر کر رہا ہوں۔ مسلمانوں کے ساتھ اس ملک کے غیر مسلم باشندوں کی عقیدت کا یہ حال تھا کہ جن چیزوں میں خصوصیت کے ساتھ ہند والوں کو دعویٰ تھا۔ مثلاً سانپ کے زہر کا ازالہ، جھاڑ پھونک، منتر، جنتر وغیرہ بزرگ بن شہریار نے کولم ملی (جنوبی ہند کے ایک ساحلی شہر) کے تذکرے میں ناگ سانپ کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:۔

Marfat.com

ان بکولم بلی رجل مسلم یسمّی بالھندیۃ بنجی وھو صاحب الصّلوٰۃ - یرقی نھشہ ھٰذہ الحیۃ۔

کولم بلی میں ایک مسلمان ہے جسے ہندوستانی زبان میں بنجی (یعنی بانگی) کہتے ہیں۔ یہ ان کی نماز سے تعلق رکھتا ہے (یعنے مؤذن ہے) وہی ناگ سانپ کے زہر کا ازالہ اپنے جھاڑ پھونک سے کرتا ہے۔ (عجائب الہند)

پھر یہ لکھ کر زہر جب مار گزیدہ کے جسم میں اچھی طرح سرایت کر جاتا ہے تو اس وقت گو اس بنجی یعنے مؤذن کی جھاڑ سے نفع نہیں ہوتا لیکن عام حالات میں مریض عموماً شفایاب ہو جاتا ہے۔ آخر میں بیان کیا ہے کہ گو اس ملک میں بکثرت ایسے لوگ ہیں جو اس خاص سانپ (النا غران) یعنے ناگ اور اس کے سوا دوسرے سانپوں کے زہر کا ازالہ جھاڑ پھونک سے کرتے ہیں۔

الا ان رقیّۃ عذا المسلم لا تکاد تخطی۔ (عجائب الہند صلا)

لیکن اس مسلمان مؤذن کا جھاڑ بہت کم خطا کرتا ہے۔

واللہ اعلم واقعہ کی صحیح نوعیت کیا تھی لیکن اس قصّہ سے اتنا تو ضرور معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کے مؤذنوں تک کے متعلق اس ملک کے باشندوں کا یہ اعتقاد تھا کہ ان کا عمل ان کے جھاڑنے والوں کے عمل سے زیادہ مؤثر اور مفید ہے۔

اور اس سے بھی زیادہ دلچسپ بیان سلیمان تاجر کا ہے۔ مسلمانوں نے اپنے دین اور اپنے اخلاق کا کتنا وزن اہل ہند کے قلوب میں ڈال دیا تھا اس قصّے سے اندازہ کیجئے، بلھرا جس کا ذکر ابھی گذرا ہے۔ سلیمان اسی

Marfat.com

راجہ کا تذکرہ ان الفاظ میں کرنے کے بعد جس کا ترجمہ یہ ہے کہ:

"بلھرا کا راجہ اس ملک کا سب سے بڑا بادشاہ ہے اور تمام راجگانِ ہند اس کے نفس و شرف کو مانتے ہیں اگرچہ ہندوستان کا ہر راجہ اپنے علاقہ کا مستقل حکمران ہے لیکن بلھرا کی سیادت سب تسلیم کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بلھرا کے سفیر جب کسی راجہ کے پاس پہنچتے ہیں تو سفیر کے سامنے راجہ ڈنڈوت کرتے ہیں۔ یہ عظمت کے اظہار کا طریقہ ہے۔"

پھر بلھرا کے متعلق اور مختلف باتیں یعنے اس کا سکہ کس قسم کا ہے۔ سن کی ابتدا کس زمانہ سے ہوئی ہے لکھنے کے بعد آخر میں لکھتا ہے کہ:

"بلھرا خاندان کے راجگان کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ بسا اوقات پچاس پچاس سال تک ایک ایک راجہ کو حکومت کرنے کا موقعہ اس گدی پر مل جاتا ہے۔"

اور یہ برکت ان حکمرانوں کو کس ذریعہ سے حاصل ہوئی ہے؟ سلیمان راوی ہے کہ:

تزعم اهل مملكة بلهرا	بلھرا کی حکومت والوں کا خیال ہے کہ ان
انما يطول مدة ملكهم	کی حکومت کی مدت اور ان کی عمر کی درازی
واعمارهم في الملك لمحبتهم	کا سبب یہ ہے کہ عرب سے یعنی مسلمانوں

لہ سلیمان کی کتاب میں "صلوا رسله تعظيما" کے الفاظ ہیں میں نے ڈنڈوت صلوٰۃ کا ترجمہ کیا ہے ۱۲

Marfat.com

للعرب (سلیمان ص۲۷) سے وہ محبت کرتے ہیں۔

سنا ہے آپ نے اس ملک والوں کا عقیدہ ؟ چونکہ عرب یعنی مسلمانوں کے ساتھ بلھرا خاندان کے راجگان محبت کرتے ہیں۔ اس لیے اللہ ان کی عمروں کو بڑھا دیتا ہے یہ تھا محبوبیت کا وہ مقام جو مسلمان اپنے اخلاق کی بدولت ان ممالک میں حاصل کر لیتے ہیں۔ جہاں وہ بے چارے صرف مسافروں اور تاجروں کی حیثیت سے پہنچتے تھے کہ نہ صرف وہی بلکہ ان کی قوم تک دوسروں کی محبوب بن جاتی تھی اور کیسی محبوب کہ خدا کی ساری مہربانیوں کو اسی محبّت کا نتیجہ قرار دیتی تھی۔ کیا بجائے مغربی طریقوں کے مسلمان دوسری قوموں کی محبت کو اپنی پرانی راہوں سے نہیں حاصل کر سکتے!

میں نے جیسا کہ عرض کیا کہ یہ حال کچھ ایک بلھرا اور اس کے ملک کے باشندوں ہی کا نہیں تھا۔ ابن حوقل کے حوالے سے یہ بات گذر چکی ہے کہ جہاں کہیں بھی اس زمانہ میں مسلمان پہنچتے تھے کچھ ایسا اثر اس ملک کے باشندوں اور حکمرانوں پر ڈال دیتے تھے کہ بخوشی و رضا وہاں کے حکمران مسلمانوں پر حکومت کرنے کا اختیار خود مسلمانوں کے سپرد کر دیتے تھے۔ سلیمان تاجر ہی نے چین کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ:

”شہر خانفو جو چین کے مسلمان تاجروں کا مرکزی مقام تھا یہاں بھی چین کے بادشاہ نے مسلمانوں پر حکومت اور ان کے متعلق فصلِ خصومات کے اختیارات کو ایک مسلمان ہی کے سپرد کر رکھا ہے۔“

Marfat.com

اس کے بعد لکھا ہے کہ یہی مسلمانوں کا "والی"

اذا کان فی العید صلی بالمسلمین وخطب ودعاء لسلطان المسلمین وان التجار العراقیین لا ینکرون من ولائتہ شیئاً فی احکامہ وعملہ بالحق و فی کتاب اللہ عزوجل و احکام الاسلام۔

(سلیمان ص۱۴۷)

عید کے دن مسلمانوں کو وہی نماز پڑھاتا ہے اور خطبہ پڑھاتا ہے۔ اور مسلمانوں کے سلطان (خلیفہ) کے لیے دعا کرتا ہے۔ عراق کے مسلمان تجار چینی حکومت کے اس "مسلم والی" کی حکومت اور اس کے احکام کا انکار نہیں کرتے اور حق پر اس کا عمل ہے۔ اللہ کی کتاب کے مطابق اور اسلامی قوانین کے مطابق وہ فیصلہ کرتا ہے اس پر بھی کسی کو اعتراض نہیں ہے۔

جنہوں نے یورپ سے سیاست کا علم سیکھا ہے وہ کہتے ہیں کہ سیاست کا علم صرف انہی کی ذاتِ قدسی صفات میں منحصر ہے۔ ان کو سننا چاہیئے کہ وہی عید کی نماز اور جنازوں کی نماز پڑھانے والے، خطبہ دینے والے، مسجد کے ملّانے، بے تیغ و تفنگ، اقلیت کی انتہائی شکلوں میں بھی وہ کچھ حاصل کر لیتے تھے۔ جسے آج شاید سوچا بھی نہیں جا سکتا۔

اس سلسلہ میں بزرگ بن شہریار نے یہ بھی لکھا ہے کہ بعض ایسی رعائیتیں ان ممالک میں مسلمانوں کو حاصل تھیں جن سے خود اس ملک کے باشندے محروم تھے۔

اس نے لکھا ہے کہ:

Marfat.com

"ذہب[1] (سونے) والے ملک اور جاوہ کے بادشاہوں کا قاعدہ ہے کہ ان کے سامنے کوئی بھی ہو ایک خاص شکل ہی کے ساتھ بیٹھ سکتا ہے۔ اس نشست کا نام ان کی اصطلاح میں برسلا ہے چار زانو ہو کر لوگوں کو ان بادشاہوں کے سامنے بیٹھنا پڑتا ہے حتیٰ کہ خود ان کے ملک کے لوگ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ خواہ وہ کسی درجے کا آدمی ہو۔ نشست کے اس خاص طریقہ کو ترک کر کے راجہ کے سامنے بیٹھنے کی اگر کوئی جرأت کرے تو سخت سزا کا متوجب ہوتا ہے۔"

لیکن اسی کے ساتھ اسی کا بیان ہے کہ:

الی الیوم رسمان	اس وقت تک یہ دستور چلا آرہا ہے کہ
یجلس المسلمون	ان غیر مسلم راجگان کے سامنے مسلمان

---

[1] بظاہر اس سے مراد ہندوستان ہی ہے، پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ مسلمان ہندوستان کو "سونے کے گھر کا شگاف" اور کبھی "خانہ زر" بھی کہتے تھے۔ بزرگ بن شہریار کے دوسرے بیانوں سے معلوم ہوتا تھا کہ کبھی کبھی اس لفظ کا اطلاق بلھرا کے ملک پر کرتے تھے۔ ممکن ہے کہ اس زمانہ میں سونا اس علاقے سے نکلتا ہے۔ اب بھی ہندوستان میں سونے کی کانیں ریاست حیدرآباد میں اور ریاست بلسور میں پائی جاتی ہیں۔ جاوہ کا لفظ ترجمہ میں، میں نے لکھا ہے اصل کتاب میں "بلاد الزابج"، ہے لیکن دوسرے قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ عربی تجار جاوہ کا لفظ زابج سے کرتے ہیں۔

Marfat.com

بین ایدیھم کما یشتھون و یجلس غیرھم علی الرسم الاوّل برسلا فان غیر جلسۃ کانت علیہ الغرامۃ۔

(عجائب الہند صہ ۱۹۶)

جس طرح چاہیں بیٹھ سکتے ہیں لیکن مسلمانوں کے سوا دوسرے لوگ مذکورہ بالا قاعدہ کے مطابق بیٹھنے پر مجبور ہیں۔ جس کا نام برسیلا ہے۔ نشست کے اس خاص طریقہ کے خلاف راجہ کے سامنے اگر کوئی بیٹھنے کی جرأت کرے تو اسے جرمانہ ادا کرنا پڑتا ہے۔

اور میرا خیال تو یہ ہے کہ اس عہد کے یہی مصنفین جن کی کتابوں سے اخذ کر کے ہیں ان معلومات کو پیش کر رہا ہوں اس زمانہ کے مسلمانوں کے عام اخلاقی معیار کی بہترین شہادتوں کا کام دے سکتے ہیں۔

میرا مطلب یہ ہے کہ عموماً لوگوں کا عام حال یہ ہے کہ دوسری قوموں کا یا دوسروں کے اوطان و اقالیم کا جب ذکر کرتے ہیں تو بہت کم انصاف سے کام لیتے ہیں۔ دیکھا یہی جاتا ہے کہ لوگ اپنے ملک پر مشکل ہی سے دوسرے ممالک کو ترجیح دیتے ہیں اور اس کی ایک وجہ بھی ہے۔ اصل واقعہ تو یہ ہے کہ اپنا ملک ہو یا دوسرے کا، اپنا دیس ہو یا پردیس۔ جب سب ہی کا حال یہ ہے کہ جہاں بھی جو جلایا جاتا ہے مرنے ہی کے لیے جلایا جاتا ہے، یورپ ہو، یا امریکہ، ایشیا ہو یا افریقہ، ہند ہو یا سندھ، چین ہو یا جاپان، جہاں کہیں بھی زندگی کا بخار، عناصر کے کسی خاص بر بزے یا مادے کے کسی خاص ٹکڑے پر چڑھتا ہے تو ظاہر ہے کہ دم ہی لے کر اترتا ہے۔ ایسی زندگی

Marfat.com

جس کی ہر بہار کے پیچھے خزاں کے دھکےّ ہوں، اور ہر شادی کے نقاّرے کے ساتھ غم کا نوحہ شروع ہو جاتا ہو، ہر صحت کو مرض کی دھمکیاں دے رہا ہو۔ الغرض جہاں ہر بقا کا انجام فنا ہو وہاں یہ سوال کہ اس دنیا کا کونسا خطہّ اچھا ہے اور کونسا برا۔ تھوڑی دیر کی غفلت کا ذریعہ تو بن سکتا ہے۔ لیکن حقیقت جب سامنے آتی ہے تو سوئٹزرلینڈ یا کشمیر کے مرغزاروں اور صحرائے افریقہ کے واحستانوں[1] میں سچ پوچھیے تو کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔

تاہم آدمی جس خطہّ میں پیدا ہوتا ہے یا پیدا کر دیا جاتا ہے۔ چاہتا ہے کہ جتنے دنوں بھی یہاں جینا ہے کسی نہ کسی طرح ان دنوں میں اس علاقے کے ماحول کو حتی الوسع اپنے اندرونی احساسات کے مطابق بنا لیا جائے۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ آدمی کی اسی نفسیانی کاریگری کا نام حب الوطن وغیرہ ہے اور حب الوطن کے اس خود آفریدہ جذبہ کی تسکین کے لیے دوسرے ممالک اور اقالیم کے مقابلہ میں اپنے وطن کی ترجیح و تفضیل کے وجوہ تلاش کرتا رہتا ہے پھر جیسا کہ اس دنیا کا کوئی شہر ایسا نہیں ہے جس میں شر کا پہلو نہ پیدا ہوتا ہو۔ یہی حال اس عالم کے شرور اور برائیوں کا بھی ہے۔ کہ غور کرنے کے بعد کسی نہ کسی حیثیت سے کچھ خیر کے پہلو بھی ان میں نکل ہی آتے ہیں۔ عام قاعدہ یہ

---

[1] ریگستانی صحراؤں کا قاعدہ ہے کہ کہیں کہیں بیچ بیچ میں ان کے نخلستان پیدا ہو جاتے ہیں۔ عربی میں ان کو "واحات" کہتے ہیں۔ میں نے اسی سے "واحستان" کا لفظ بنا لیا ہے ۱۲

Marfat.com

ہے کہ شہر کے پہلوؤں سے قطع نظر کر کے بنجر ہی کے پہلوؤں سے اپنے وطن کے متعلق آدمی تسلّی حاصل کیا کرتا ہے۔ اسی قسم کے مصنّفین جن کی کتابوں میں اپنی اس تصنیف میں کام لے رہا ہوں ایک مصنّف علاّمہ مقدسی بھی ہیں۔ ان کی مشہور کتاب اس سلسلے میں "احسن التقاسیم" نامی ہے۔ ایک پر بلوچستان و مکران کے مفازہ کا تذکرہ کرتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے کہ یہ بڑا خطرناک مفازہ (ریگستانی ٹاپو بیابان) ہے بلوچی اور قفص قوم کے ڈاکو عموماً یہاں قافلوں پر چھاپے مارتے ہیں۔ آیندہ کسی موقعہ پر ان ظالموں کے مظالم کا شاید ذکر بھی آئے۔ اس وقت کہنا یہ ہے کہ مقدسی کی ملاقات اسی مفازہ کے خاص اس مقام پر جہاں ڈاکو جمع ہو کر قافلوں پر حملوں کی تیاریاں کیا کرتے تھے۔ ایک شخص سے ہوئی جو صرف توت کے چند درخت اور انگور کی چند بیلوں کی پرورش میں وہاں مشغول تھا۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ میں نے پوچھا کہ "میاں تمہارا دل یہاں نہیں گھبراتا؟ بوڑھا آدمی تھا۔ بولا کہ چند سال ہوئے میں نیشاپور گیا تھا۔ تقریباً ایک ماہ میرا قیام بھی وہاں رہا۔ لیکن لوگوں کی گھما گھمی۔ آمد و رفت غل غپاڑے سے میرا دل اتنا پریشان ہوا کہ وحشت کے اس حال پر زیادہ دن تک صبر نہ کر سکا اور سکون کی زندگی گذارنے کے لیے پھر میں اسی ریگستانی گوشے میں پناہ گزین ہو گیا ہوں۔

لیجئے! ایک ایسے وحشت کدہ میں بھی آدمی کا جب جی چاہتا ہے تو سکون و عافیت کا پہلو پیدا کر لیتا ہے۔

Marfat.com

مسلمان سیّاحوں کی بے تعصّبی اور راست بیانی

بہرحال سچ پوچھیے تو اس جذبہ کا شعوری یا غیر شعوری تقاضا ہوتا ہے کہ عموماً اپنے ملک کے مقابلہ میں دوسرے ممالک کی خوبیوں کا اعتراف آدمی دل کھول کر نہیں کرتا لیکن اسلام کے ان مصنّفین کی کتابوں کو پڑھ کر میں تو حیران ہو کر رہ گیا کہ خلافِ دستور انہوں نے انتہائی فیاضیوں سے کام لیتے ہوئے ایسے ممالک کی تعریفیں کی ہیں جن کے باشندوں سے نہ ان کا کوئی دینی تعلق تھا، نہ نسلی، اور تعلق کیا معنے؟ ان کے مذہب کی رو سے جہاں کے باشندے کافر اور بے دین تھے لیکن بایں ہمہ کوئی ملک ہو، اس کے باشندوں کا مذہب و دین کچھ ہی ہو۔ کسی نسل کے لوگ ہوں، جو بھلائیاں اس ملک میں ان کو نظر آئی ہیں بغیر کسی جنبہ داری اور عصبیت کے دل کھول کر ان کا اظہار ان مصنّفین نے کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ واقعات کے اظہار کے سلسلہ میں ان کے قلم سے جہاں ایسی باتیں نکل گئی ہیں۔ جنہیں ان ممالک کے نقائص و عیوب ہم قرار دے سکتے ہیں۔ ان کی واقعیت میں بھی شک و شبہ کی بہت کم گنجائش پیدا ہوتی ہے۔

چونکہ اس وقت ہندوستان کا ذکر چھڑا ہوا ہے اس لیے جی چاہتا ہے کہ اس سلسلہ میں اسی کے متعلق بعض خاص چیزوں کا تذکرہ کروں۔

اس سلسلہ میں سب سے پرانی کتاب سلیمان تاجر کی سمجھی جاتی ہے یعنی دوسری ہجری صدی کے کل سینتیس ۳۷ سال بعد کی یہ کتاب معلوم ہوتی ہے۔

Marfat.com

عرض کر چکا ہوں کہ چوتھی صدی ہجری تک کے تجار اور سیاحوں کو اندرون ہند میں گھسنے کے مواقع باآسانی جب میّسر نہیں آتے تھے تو دوسری اور تیسری صدی کے ابتدائی سالوں میں اس کی کیا توقع کی جا سکتی ہے مگر پھر بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان سیاحوں نے ہندوستان کے متعلق صحیح معلومات کا ذخیرہ کسی نہ کسی طرح جمع ہی کر لیا تھا۔ اور زیادہ تر یہ معلومات ان کے مشاہدات ہی سے ماخوذ ہیں۔ جس کا پتہ خود ان کے بیانات سے ملتا ہے۔ مثلاً سلیمان تاجر ہندوستانی جوگیوں اور نفس کشی کے واقعات کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک موقعہ پر لکھتا ہے کہ:۔

"بلادِ ہند میں رہتے جوگیوں کا ایک طبقہ پایا جاتا ہے یہ سیلانی لوگ ہوتے ہیں۔ پہاڑوں اور جنگلوں میں گھومتے رہتے ہیں انسانوں سے ان کا میل جول بہت کم ہوتا ہے۔ عموماً یہ جنگل کی جڑی بوٹیاں یا جنگلی پھلوں کو کھا کر گذارہ کرتے ہیں، اپنے نسلی عضو میں لوہے کا ایک چھلّا ڈال لیتے ہیں تاکہ عورتوں کے کام کے باقی نہ رہیں۔ بعض ان میں بالکل ننگ دھڑنگ رہتے ہیں۔ کچھ لوگ ان میں سے ایسے بھی ہوتے ہیں جو دھوپ میں ننگے کسی کپڑے کے بغیر کھڑے ہونے کا ارادہ کر لیتے ہیں۔ البتہ کبھی کبھی شیر کی کھال بدن پر ڈال لیتے ہیں۔"

الغرض اسی قسم کی باتوں کو بیان کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ:۔

نقد رأیت رجلا منہم جیسا کہ میں نے بیان کیا اسی قسم کے ایک

Marfat.com

كما وصفت ثم انصرفت	آدمی کو میں نے خود دیکھا تھا۔ پھر سولہ سال
وعدت بعد ست عشرة سنة	بعد جب میں واپس ہوا تو اس شخص کو بجنسہ
فرئيته على ملك الحال.	اسی حال پر میں نے پایا۔ مجھے حیرت ہوئی
نتعجبت كيف لم تسل عينيه	کہ اس کی آنکھ اس عرصے میں دھوپ کی
من حر الشمس (سلیمان ص۵۱)	حرارت سے بہہ کیوں نہ گئی۔

جس سے معلوم ہوا کہ سلیمان خود ہندوستان آیا تھا اور واقعات کا مشاہدہ اس نے خود کیا ہے۔ بلکہ اس فقرے سے تو اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ آمد و رفت کا سلسلہ ان عربی تاجروں کا ملکِ ہند میں جاری تھا۔ سولہ سال کے بعد پھر وہ اس ملک میں واپس ہوا ہے۔ اور بھی دوسرے مقامات پر اسی قسم کی باتیں اس نے لکھی ہیں۔ یہ تو سب ہی بیان کرتے ہیں جیسا کہ میں نے پہلے بھی لکھا ہے کہ ہندوستان میں کسی ایک راجہ کی حکومت قائم نہیں ہے۔ سلیمان کے الفاظ ہیں کہ:۔

بل كل واحد ملك بلاده (سلیمان ۵۱)	بلکہ ہر راجہ اپنے علاقے کا حکمران ہے۔

صرف سواحلِ ہند کے راجاؤں کی سلیمان نے ایک طویل فہرست دی ہے جس میں بعض الفاظ تو سمجھ میں آتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جن کے متعلق پتہ نہیں چلتا کہ اس کی مراد کیا ہے۔ بلھرا کا ذکر تو خیر گذر ہی چکا ہے۔ سلیمان نے لکھا ہے کہ بلھرا کے علاقے کو کم کم کہتے ہیں شاید کوکن کی یہ خرابی ہو۔ لکھا ہے کہ:۔

وحوله ملوك كثيرة يقاتلونه	بلھرا کے اردگرد اس پاس میں بہت سے
(سلیمان ص۲۸)	راجہ ہیں جو اس سے جنگ کرتے رہتے ہیں۔

Marfat.com

پھر ان ہی ملوک میں ملک الجزر کا نام لیتا ہے۔ جس سے غالباً گجرات کا راجہ مقصود ہے۔ پھر ایک ملک الطافق کا تذکرہ کیا ہے۔ واللہ اعلم اس سے کیا مراد ہے۔ دریائے تاپتی جس علاقے میں بہتا ہے یعنی خاندیس مقصود ہے یا کیا ہے اتنا پتہ دیا ہے کہ اس راجہ کے علاقہ کی عورتیں تمام ہندوستان کی عورتوں کے مقابلہ میں سب سے زیادہ حسین ہیں۔ پھر رُہمی نامی راجہ کا ذکر کیا ہے لکھا ہے کہ رُہمی میں اور ملک الجزر میں برابر جنگ ٹھنی رہتی ہے اور یہ کہ بلھرا سے بھی رُہمی کا مقابلہ ہوتا رہتا ہے۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ رُہمی غالباً کاٹھیاواڑ کے خطہ کی تعبیر ہے۔ بہرحال کچھ ہی ہو۔ ان مورخین کے بیان سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ اور یوں بھی دنیا جانتی ہے کہ ہندوستان بے شمار حکومتوں اور ریاستوں کی شکل میں لپٹا ہوا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ ہندوستان جو کچھ تھا آج اس کا صحیح اندازہ کرنا مشکل ہے۔ جنوبی ہند کی تاریخ مولوی محمود خاں بنگلوری نے جو لکھی ہے اس میں میسور کی ایک مستند تاریخ سے یہ نقل کیا ہے کہ :۔

"جب میسور کے راجہ نے سرنگا پٹم گڈھ کی تیرتھ کو جانا چاہا تو اس کو راستے میں دو دوسرے راجاؤں سے اجازت لینی پڑی۔"

(بحوالہ تاریخ میسور صـ۲۲ تاریخ جنوبی ہند صـ۳۰۰)

اور اس راستہ کا فاصلہ کتنا تھا۔ مولوی محمود خان کا بیان ہے۔

"میسور اور سرنگا پٹم گڈھ کا درمیانی فاصلہ کل سولہ میل کا ہے۔"

سمجھا آپ نے کل سولہ میل کے اندر اندر دو دو راجدھانیاں واقع تھیں۔

Marfat.com

مجھے بتلانا یہ ہے کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ ان مسلمانوں سیاحوں کی نظر واقعات کی تحقیق میں کتنی گہری تھی۔

مسلمانوں میں اجنبی زبانوں کے سیکھنے کا ذوق و شوق

ان ہی مؤرخین کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں قریب کے نہیں بلکہ ہندوستان سے دور اندلس تک کے مسلمان ہندوستانی زبان سیکھتے تھے اور اس میں گفتگو کرتے تھے۔ بزرگ بن شہریار نے ابوالزہرالبرختی ناخدا کا جو پہلے ایک ایرانی مجوسی تھا۔ اور بعد کو مسلمان ہو گیا تھا اسی کی زبانی ایک بڑا طویل قصہ نقل کیا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ ہمارا جہاز طوفان میں گھر گیا تھا۔ لوگ پریشان تھے۔ کپتان کی نگاہوں سے بچ کر ایک اندلسی مسلمان جو قادس کا رہنے والا تھا جہاز میں سوار ہو گیا تھا۔ اور مدتوں جہاز کے ایک گوشہ میں پڑا رہا۔ لوگوں کی پریشانی دیکھ کر باہر نکلا اور کپتان کے پاس پہنچا۔ بزرگ نے اس موقع پر لکھا ہے کہ:۔

فسلم علیه بالهندیة	ہندوستانی زبان میں اس اندلسی مسلمان نے کپتان کو سلام کیا۔ کپتان نے اسی
فرد علیه۔	زبان میں اس کا جواب دیا۔

(عجائب الہند ص ۲۴)

اجنبی زبانوں کے سیکھنے کے اس شوق ہی کا نتیجہ تھا۔ جیسا کہ بزرگ ہی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آج سے ہزار سال پہلے ہندوستان کی کسی زبان میں قرآن کا ترجمہ بھی ہو چکا تھا۔ بزرگ بن شہریار نے ابو محمد الحسن

Marfat.com

بن عمر بن حموریہ کے حوالہ سے ایک طویل روایت درج کی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ ہندوستان کا ایک راجہ جو کشمیر اعلیٰ اور کشمیر اسفل کے درمیانی علاقہ کا راجہ تھا اور مہروک بن رائق اس کا نام تھا۔ اس نے ۲۷۰ھ میں منصورہ کے امیر عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز کے پاس خط لکھا کہ اس کے پاس ایک ایسا آدمی بھیجدیا جائے۔

یفسر لہ شریعۃ الاسلام بالھندیۃ۔	جو شریعتِ اسلام کے احکام ہندی زبان میں بیان کر سکے۔

منصورہ کے امیر نے ایک مسلمان کو بھیجا جس کے متعلق لکھا ہے کہ:۔

عرف لغاتھم علی اختلافھا۔	ہندوستان کی مختلف زبانوں کو جانتا تھا۔

راجہ کے پاس یہی مسلمان چند سال رہا اور اسلام سے راجہ کو پورے طور پر اس نے واقف بنادیا۔ اسی سلسلہ میں اس کا یہ بیان بھی نقل کیا ہے کہ:۔

انہ سألہ ان یفسر لہ القرآن بالھندیۃ نفسرہ لہ۔ (عجائب الہند ص۳)	راجہ نے اس سے خواہش کی کہ ہندی زبان میں اس کے لیے قرآن کی تفسیر کرے۔

اسی کا بیان ہے کہ:۔

انتھیت من التفسیر الی سورۃ یٰسین۔	یعنی سورۂ یٰسین تک قرآن کی تفسیر ہندی زبان میں اس نے پوری کردی تھی۔

اگر یہ واقع صحیح ہے تو شاید قرآنی ترجمہ کے متعلق اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ ترجمہ کا سب سے پہلا فخر سرزمینِ ہندی کی کسی زبان کو حاصل ہے تو اس کا مشکل ہی سے انکار کیا جا سکتا ہے، غالباً اس کا نتیجہ یہ ہے کہ دوسری تیسری صدی

Marfat.com

کے ان سیاحوں کی کتابوں میں جو عربی زبان میں لکھی گئی ہیں ہندی زبان کے الفاظ کا ایک ذخیرہ پایا جاتا ہے گو خالص ہندی شکل میں وہ الفاظ باقی نہیں رہے ہیں۔ مثلاً تلاڈ کو تلاج، ڈینگی یعنے کشتی کو دونیج، ناگ کو ناغران، ہنڈول کو ہندول، پلنگ کو بلنج، وغیرہ وغیرہ۔ بیسیوں الفاظ ان کتابوں میں ملتے ہیں۔

جانوروں کی بولی کا علم

خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا میں یہ کہہ رہا تھا کہ ان مسلمان مورخین نے ہندوستان اور ہندوستان کے باشندوں کے متعلق جو باتیں بیان کی ہیں ان سے پرانے مسلمانوں کی وسعتِ قلبی کا عجیب ثبوت ملتا ہے۔ اگر حسنِ ظن سے کام نہ لیا جائے تو اسے ان مسلمانوں کی شاید خوش اعتقادی سمجھی جا سکتی ہے، ایک واقعہ نہیں۔ متعدد واقعات ان ہی کتابوں میں ایسے منقول ہیں جن کو پڑھ کر حیرت ہوتی ہے۔ مثلاً بزرگ بن شہریار نے بیان کیا ہے کہ ہندوستان میں بکثرت ایسے اہلِ کمال پائے جاتے ہیں جو علم زجر میں کمال رکھتے ہیں۔ یہاں پر علم زجر سے کیا مراد ہے۔ آئندہ جس واقعہ کو اس کے بعد بیان کیا ہے اس سے تو میری سمجھ میں یہی آتا ہے کہ جانوروں کی بولیوں کا علم خیال کیا جاتا تھا کہ ہندوستان والوں کو حاصل ہے کیونکہ آگے قصہ یہ بیان کیا ہے کہ :-

"سیراف (اس ایرانی بندرگاہ کا ذکر آئندہ مختلف مقامات پر آئے گا اس زمانہ کی بہ سبب سے بڑی تجارتی بندرگاہ تھی) بہرحال اسی سیراف کے ایک تاجر نے بیان کیا کہ صابور نامی مقام سے

Marfat.com

وہ دوبارہ براہِ خشکی جا رہا تھا۔ وہاں کے مقامی راجہ سے تاجر نے درخواست کی کہ اس کے ساتھ بطورِ بدرقہ کے حفاظت کا سامان کر دیا جائے۔ راجہ نے ایک آدمی اس تاجر کے ساتھ کر دیا۔ جو راجہ کے دریا کے پائک (پیادوں) میں تھا۔ تاجر کہتا ہے کہ ہم اور وہ دونوں جب روانہ ہوئے اور صیمور سے باہر نکل آئے تو ایک نلارج (تلاؤ) کے کنارے بیٹھے یعنے پانی کا تالاب تھا اور ایک گرام یعنے باغ بھی وہیں پر تھا۔ مطلب یہ تھا کہ کچھ کھا پی لیں۔ ہمارے ساتھ کھانے میں کچھ چاول بھی تھے۔ اتنے میں ایک کوّے کی آواز آئی۔ اس پر میرے ہندی رفیق نے کہا کہ جانتے ہو۔ یہ کوّا کیا کہہ رہا ہے۔ میں نے کہا کہ نہیں۔ ہندی رفیق نے کہا کہ کوّا کہہ رہا ہے کہ جس چاول کو تم لوگوں نے کھایا ہے اس میں میرا بھی کچھ حصّہ تھا۔ اور میں اس کو ضرور کھا کر رہوں گا۔

سیرافی تاجر کا بیان ہے کہ ہندی کے اس بیان پر مجھے تعجب ہوا کیونکہ ہم لوگ تو اس چاول کو کھا چکے تھے۔ کچھ بھی باقی نہ چھوڑا تھا۔ آخر ہم وہاں سے آگے روانہ ہوئے، چلے جا رہے تھے ابھی دو فرسخ بھی راہ طے نہ ہوئی ہو گی کہ اچانک ہمارے سامنے پانچ ہندوستانی آدمی آتے تھے، دکھائی دیئے یا شاید چھ تھے۔ ان لوگوں کو دیکھ کر میرا جو ہندی رفیق تھا، میں نے

Marfat.com

دیکھا کہ وہ پریشان ہو رہا ہے اور اضطراب کی حالت میں ہے اور مجھ سے کہنے لگا کہ ان لوگوں سے میں لڑوں گا۔ میں نے کہا کیوں؟ اس نے کہا کہ مجھ میں اور ان لوگوں میں پرانی دشمنی ہے ہم یہ گفتگو کر رہے تھے کہ ان آنیوالوں نے خنجر کھینچ لیے اور بے چارے میرے رفیق پر پل پڑے حتیٰ کہ اسے جان ہی سے مار ڈالا اور اس کے پیٹ میں جو کچھ تھا سب باہر نکل آیا۔ اس حال کو دیکھ کر میرے تو ہوش جاتے رہے۔ کچھ ایسا بدحواس ہوا کہ چلنے کی سکت مجھ میں باقی نہ رہی۔ بے ہوش ہو کر گویا میں گر پڑا۔ میری عقل بجا نہ تھی لیکن ان قاتلوں نے مجھے تسلّی دی اور سمجھایا کہ تم مت ڈرو کیونکہ ہماری دشمنی تو اس شخص سے تھی۔ تم سے ہمارا کیا تعلق، یہ کہہ کر جس راہ سے آئے تھے اسی پر واپس چلے گئے جب کچھ دور نکل گئے تب میں کیا دیکھتا ہوں کہ وہی کوّا اترا اور مقتول رفیق کے شکم سے جو چاول باہر نکل پڑے تھے۔ انہیں چُن چُن کر کھا رہا ہے"۔

(بزرگ بن شہر یار ص ۱۰۶)

اسی بزرگ بن شہر یار نے موسیٰ صندا پوری کے حوالے سے تقریباً اسی قسم کی ایک اور روایت نقل کی ہے کہ:۔

"میں صندا پور کے راجہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا دیکھا کہ راجہ کچھ ہنس رہا ہے۔ اس نے مجھ سے دریافت کیا میرے ہنسنے

Marfat.com

کی وجہ کیا ہے؟ میں نے کہا کہ مجھے کیا معلوم؟ راجہ نے کہا کہ دیکھو وہ سامنے دیوار پر گرگٹ بیٹھی ہوئی ہے۔ یہ مجھ سے کہہ رہی ہے۔ ایک پردیسی مسافر تمہارے پاس آرہا ہے۔ راجہ کی اس حماقت پر مجھے تعجب ہوا اور میں نے اسی وقت چاہا کہ اس کے پاس سے اٹھ جاؤں، لیکن اس نے اصرار کیا کہ بیٹھے رہو اور جو بات تم سے کہی گئی ہے اس کے نتیجہ کو بھی تو دیکھ لو اس کے اس کہنے پر میں بیٹھا رہا۔ ہم گفتگو کے دوران مشغول ہی تھے کہ اچانک راجہ کے آدمیوں میں سے ایک آدمی آیا اور اطلاع دی کہ صندابور کی خلیج میں عمان کا ایک جہاز ابھی پہنچا ہے اس کے بعد میں نے دیکھا کہ ایک جماعت تاجروں کی کپڑے اور عرق گلاب وغیرہ لیے ہوئے آرہی ہے"

(بزرگ بن شہریار ص۱۵۸)

فصلِ خصومات کا حیرت انگیز طریق

اور اس سے بھی دلچسپ تر بیان سلیمان تاجر کا ہے۔ یعنی ہندوستانی عدل وانصاف کی تعریف کرتے ہوئے اس نے اپنا ذاتی تجربہ بیان کیا ہے کہ:۔

"ہندوستان میں کسی ایسی بات کا کسی پر دعویٰ اگر کوئی کرتا ہے جس کے ثابت ہو جانے کے بعد مدعا علیہ کا قتل ہو جانا واجب

Marfat.com

کے قانون کی رو سے ضروری ہو تو مدعی سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا آگ والے امتحان میں اس کو ڈالنا تم پسند کرتے ہو؟ وہ جواب میں کہتا ہے کہ ہاں! تب لوہے کے کسی ٹکڑے کو آگ میں خوب گرم کرتے ہیں۔ جب وہ بالکل لال ہو کر خود آگ کا ایک انگارہ بن جاتا ہے تب مدعی علیہ سے کہا جاتا ہے کہ ہاتھ آگے بڑھا۔ اس کے ہاتھ پر ایک خاص قسم کے درخت کے سات پتّے رکھ دیئے جاتے ہیں اور پھر اس کے ہاتھ پر اسی گرم گرم دہکتے ہوئے کو رکھ دیا جاتا ہے۔ یعنے درمیان میں صرف وہی چند پتّے رہتے ہیں۔ پھر اس گرم لوہے کو ہاتھ پر رکھے ہوئے وہ آگے پیچھے دوڑتا ہے۔ اس کے بعد اس کے ہاتھ پر ایک تھیلی چڑھادی جاتی ہے اور راجہ اس پر اپنی مہر ثبت کرتا ہے پھر تین دن جب گذر جاتے ہیں تو تھیلی سے ہاتھ نکالا جاتا ہے اور ایسے چاول جن کے چھلکے ان سے الگ نہیں کیے گئے ہوں یعنے دھان اس کے حوالے کیے جاتے ہیں کہ ان کے چھلکوں کو اپنے ناخن سے اتارے۔ اگر لوہے کی آگ سے اس کا ہاتھ متاثر نہیں ہوتا تو باآسانی چھلکوں کو اتار دیتا ہے اور یوں قتل سے وہ بچ جاتا ہے۔ اور بجائے اس کے خود مدعی پر جرمانہ عاید کیا جاتا ہے۔ یعنے ایک من سونا ادا کرے جس پر راجہ خود قبضہ کر لیتا ہے۔ بسا اوقات بجائے اس ترکیب کے ہانڈی

Marfat.com

میں پانی گرم کرتے ہیں۔ خواہ لوہے کی ہانڈی ہو تو یا تانبے کی،
پانی کو اتنا گرم کرتے ہیں کہ آدمی اس کے قریب جانے کی بھی
ہمت نہیں کر سکتا۔ پھر اسی گرم پانی میں لوہے کی ایک انگوٹھی ڈال
دی جاتی ہے۔ اور مدعی علیہ سے کہا جاتا ہے کہ اسی کھولتے
ہوئے پانی میں ہاتھ ڈال کر اس انگوٹھی کو نکال لے۔"

(سلیمان ص۴۹)

اس قصّے کو بیان کرنے کے بعد سلیمان نے آخر میں لکھا ہے:۔

وقد رئیت من ادخل یدہ واخرجھا صحیحۃ۔ — میں نے اپنی آنکھ سے اس آدمی کو دیکھا ہے جس نے اس کھولتے پانی میں ہاتھ ڈالا، اور بالکل درست حال میں اپنے ہاتھ کو پانی سے باہر نکال لیا۔

(سلیمان ص۴۹)

اس سے بحث نہیں ہے کہ فصل خصومات کا یہ ہندی طریقہ واقعاً کسی حد
تک قابلِ اعتماد ہو سکتا ہے؛ کون کہہ سکتا ہے کہ ہاتھ ڈالنے والے کن تدبیروں
سے کام لیتے تھے یا کیا کرتے تھے۔ میں تو صرف یہ دکھانا چاہتا تھا کہ ان
مسلمان سیّاحوں کے بیانات کا ایک بڑا حصّہ دیدہ اور چشم دید شہادتوں کا
نتیجہ ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ سلیمان مدعی ہے کہ مجرموں کے ساتھ اس
طرزِ عمل کو اختیار کرتے ہوئے میں نے خود دیکھا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک
پردیسی اجنبی آدمی کے لیے یہ مشکل ہے کہ اندرونی حقائق سے وہ صحیح
واقفیت حاصل کرے۔ بہ ظاہر جو بات اس کے سامنے گذری اس کا

Marfat.com

کا اس نے اظہار کردیا ہے۔ اور یہ انصاف پسندی کے جذبہ کا کتنا اچھا معصوم ثبوت ہے۔ چاہتا تو بیسیوں شکوک کا اظہار کرسکتا تھا۔ خصوصاً مسلمانوں کے عام ائمہ کا خیال بھی جب یہ ہے کہ اس قسم کے طریقوں سے دعاوی کا فیصلہ صحیح نہیں ہے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تو قرعہ اندازی کے ذریعے سے بھی فصلِ خصومات کے طریقہ کا انکار کرتے تھے یا مباہلہ تک کے متعلق مشہور ہے کہ احقاقِ حق یا ابطالِ باطل کا ذریعہ عام لوگوں کے لیے اس کو نہیں قرار دیا جاسکتا۔ انبیاء یا خدا کے خاص بندوں کی اور بات ہے۔

ہندوستانی رسم ورواج

خیر یہ دوسری باتیں ہیں۔ ان خود اعترافی شہادتوں کے سوا جو معلومات ان مؤرخین کی کتابوں میں ملتے ہیں ان کی صحت کی ایک دلیل یہ بھی ہوسکتی ہے کہ گو انھوں نے آج سے ہزار برس پہلے کی باتیں ہندوستان کے متعلق بیان کی ہیں۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی بہت سی بیان کردہ ایسی باتیں اب بھی ہندستان میں پائی جاتی ہیں جن سے ان کے بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔ مثلاً سلیمان ہی نے بیان کیا ہے کہ ہندوستان کے لوگ دن کے کھانے سے پہلے غسل ضرور کرتے ہیں۔ اسی طرح ان کی عام عادت ہے کہ مسواک کیے بغیر کھانا نہیں کھاتے۔ وہ ایام کے دنوں میں عورتوں سے مقاربت جائز نہیں سمجھتے۔ اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ جیسے اس ملک میں حکمرانی چند خاص خانوادوں کے ساتھ مخصوص ہے اسی طرح ہر ہر پیشہ بھی خاص خاص خاندانوں کے لیے موروثی

Marfat.com

طور پر مختص ہے۔ جیسے کہ طبابت، کتابت اس قسم کی چیزیں بھی خاندانی ہیں۔
ان گھرانوں کے سوا جن کا یہ موروثی پیشہ ہے کوئی دوسرا اس پیشہ کو اختیار
نہیں کر سکتا۔ اس نے یہ بھی لکھا ہے۔ کہ ہندوستان والے عموماً اپنے
مُردوں کو آگ میں جلاتے ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ یہ باتیں اس زمانہ تک ہندوستان
میں پائی جاتی ہیں۔"

(سلیمان ص۵۰،۵۱)

اور عجیب بات یہ ہے کہ ہندوستان کے متعلق حالانکہ ان ہی لوگوں
کا بیان ہے کہ روزانہ غسل کے بغیر وہ کھانا بھی نہیں کھاتے۔ لیکن پیشاب
کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ:۔

"پیشاب کرنے کے بعد بغیر اس کے کہ نجاست صاف کریں
فوراً کپڑے کو برابر کر لیتے ہیں۔"

(سلیمان ص۱۱۸)

عربوں کو ہندوستانیوں کی اس عادت پر تعجب ہوا ہے۔
اسی سلسلہ میں اس نے ایک عجیب بات یہ بیان کی ہے۔ میں بجنسہٖ
سلیمان کے الفاظ نقل کرتا ہوں۔ یعنی لکھا ہے:۔

اهل الهند يطولون لحاهم۔ — ہندوستان والے لمبی لمبی ڈاڑھیاں رکھتے ہیں۔

اور صرف اسی قدر نہیں۔ آگے لکھتا ہے اور اپنا مشاہدہ بیان کرتا
ہے کہ:۔

Marfat.com

بعض اوقات میں نے تین تین ہاتھ لمبے ڈاڑھی والوں کو بھی دیکھا ہے۔ و ربما رئیت لحیۃ احدھم ثلثۃ اذرع (سلیمان ص۵۵)

اسی کے ساتھ گواس نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ :۔

"ہندوستان کے باشندوں کا ایک قاعدہ ہے کہ جب ان کا کوئی آدمی مرجاتا ہے اس وقت وہ اپنے سر اور ڈاڑھی کے بال منڈوا دیتے ہیں"

(سلیمان ص۵۵)

ظاہر ہے کہ یہ رسم و رواج ہندوستان میں اب بھی جاری ہے۔ لیکن علاوہ اس رسم کے عام طور پر ہندوستانیوں کا ڈاڑھی رکھنا اور اتنی لمبی لمبی ڈاڑھیاں کہ تین تین ہاتھ تک دراز ہو جائیں۔ بالکل عجیب بات ہے۔ آج تو شمالی ہند ہو یا جنوبی کسی علاقے میں ڈاڑھیوں کے رکھنے کا دستور نہیں ہے سکھوں میں اس کا رواج اگر ہوا بھی ہے تو یہ بالکل پچھلے زمانے کی بات ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض مذہبی لوگ ہندوؤں میں اب بھی ڈاڑھی رکھتے ہیں۔ لیکن سلیمان تو اس کو اس ملک کا عام رواج قرار دیتا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ہندوستانی چہروں سے ڈاڑھی کا غائب ہونا اس ملک کا نیا حادثہ اسی قسم کا ہو جیسے آج مسلمانوں کے لیے بھی یہ ایک نئی افتاد ہے۔

یا ممکن ہے کہ "المسعودی" وغیرہ نے اپنی کتابوں میں جیسے ہندی معاشرت کی ایک خاص خصوصیت کا ذکر کیا ہے۔ لیکن جہاں تک میں جانتا ہوں اب شاید اس مسئلہ کو اتنی اہمیت باقی نہیں رہی ہے۔

Marfat.com

ان لوگوں نے بیان کیا ہے کہ ہندوستان کے باشندوں میں ڈکار یا کھانسی کو بادِ مخالف کے اظہار سے زیادہ برا قرار دیا ہے۔ المسعودی نے بڑی تفصیل سے اس ہندی رواج پر بحث کی ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ:۔

"ہندی حکماء کا خیال ہے کہ بادِ شکم کو پیٹ میں روکے رکھنا سخت موذی حرکت ہے۔ اور اس کا ارسال و اطلاق راحت بخش ہے۔ یہ امراض کا بہت بڑا علاج ہے۔ تو لنج والوں کو اس سے بڑی راحت میسّر آتی ہے۔ اسی طرح مطحول یعنے جس کی تلّی بڑھ گئی ہو اس کے لیے اس کا روکنا سخت مضر ہے۔"

الغرض اسی قسم کی باتوں کے بعد لکھا ہے کہ:۔

"یہی وجہ ہے کہ ہندوستان والے ضرط (باآواز اخراج) میں کسی قسم کی جھجک محسوس نہیں کرتے اور الغسوہ (یعنی مخفی آواز) کو بھی کبھی نہیں روکتے۔ ان کے نزدیک کھانسی کی آواز ضراط سے زیادہ اور ڈکار فساء سے زیادہ معیوب ہے۔ ان کا یہ خیال بھی ہے کہ ضراط کی آواز بدبو کے ازالہ کا ذریعہ ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہوا تو پیٹ میں ایک ہی ہوتی ہے۔ البتہ اس کے نام مخارج کے اختلاف کی وجہ سے بدل گئے ہیں۔ صعودی حرکت جب ہوتی ہے تو اس کا نام لوگوں نے ڈکار رکھ دیا ہے اور ہبوطی کا نام فساء ہے۔ ورنہ دونوں ہواؤں میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں ہے؎۔" (مروج الذہب مسعودی ص ۲۵۳)

(حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

Marfat.com

المسعودی نے اس سلسلہ میں اور بھی تفصیلات سے کام لیا ہے خصوصیت کے ساتھ راجگانِ ہند کی عام عادت یہ بتاتا ہے کہ:۔

لا یحتشمون فی اظہارھا فی سائرہ۔ اللھم وکذالک سائر حکمائھم۔ (ایضاً ص ۲۵۲)	بادِ مخالف کے اظہار میں کسی قسم کی جھجک محسوس نہیں کرتے خواہ کسی حال میں صادر ہو یعنے خلوت ہو یا جلوت۔ تنہائی میں ہوں یا بھری مجلسوں میں۔ اس ملک کے راجہ اور یہاں کے حکماء یعنی پنڈتوں میں یہ عادت عام ہے۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستانی دربار وں یا علمی مجلسوں کے لیے بھی یہ کوئی معیوب بات ان سیاحوں کے زمانہ میں نہ تھی۔ لیکن ظاہر ہے کہ اب یہ کیفیت باقی نہیں رہی ہے۔ ممکن ہے کہ کچھ یہی حال ڈاڑھی کا بھی ہوا ہو۔

لہ آخر میں مسعودی نے اس ہندی راج کو بہت سراہا ہے اور لکھا ہے کہ اس کے فوائد اور اس کی خلاف ورزی کے نقصانات کو ہر صاحبِ تمیز خود سمجھ سکتا ہے اس کی رائے ہے کہ اربابِ مذاہب و ادیان نے شاید اس کی برائی بیان کی اور اسی لیے لوگ اس کو کچھ معیوب خیال کرنے لگے۔ اس نے ہندی حکمت کے حوالہ سے بعض عربی اشعار بھی اس سلسلے میں نقل کئے ہیں ۱۲

Marfat.com

شراب سے پرہیز

سلیمان نے ہندوستان والوں کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

"چین کے باشندوں کو کھیل تماشوں کا خاص ذوق ہے لیکن ہندوستان والے ان باتوں کو اچھی طرح نظروں سے نہیں دیکھتے نیز ہندو والے شراب بھی نہیں پیتے بلکہ اس وجہ سے سرکہ چونکہ شراب ہی بنتا ہے اس لیے سرکہ بھی استعمال نہیں کرتے۔"

اس نے اس کے بعد یہ عجیب تحقیقی بات لکھی ہے کہ:۔

شراب نوشی سے پرہیز ہندوستان والے اس لیے نہیں کرتے کہ یہ کوئی ان کے مذہب کی بات ہے[ل] بلکہ اس سے ان کے دلوں میں نفرت اور ایک قسم کی گھن پیدا ہوگئی ہے۔"

پھر اس کی ایک لطیف توجیہہ اس نے خود کی ہے جس کا حاصل وہی ہے کہ ہندوستان چونکہ بیسیوں حکومتوں کی شکل میں بٹا ہوا ہے ہر راجہ دوسرے راجہ

ل اور یہ اس نے بالکل صحیح بات لکھی ہے کیونکہ ویدوں میں بکثرت تذکرہ کیا گیا ہے کہ سوما کا رس اس ملک کے عوام ہی نہیں یہاں کے رشیوں، منیوں حتیٰ کہ دیوتاؤں تک کا ایک محبوب مشروب تھا اور سوما کے متعلق لکھا ہے کہ شدید قسم کی نشہ آور کوئی بوٹی تھی۔ جس سے رس بڑے اہتمام سے نکالا جاتا تھا۔ وید کی اشلوکوں کا ایک بڑا حصہ سوما کی تعریف ہی کے لیے مختص ہے ۱۲

Marfat.com

کی طرف سے ہمیشہ خطروں میں گھرا رہتا ہے۔ ہر وقت اپنے گردو پیش کے راجاؤں سے انہیں جنگ کرنی پڑتی ہے ان کا خیال ہے کہ:۔

"شراب پینے والے حکمران اپنی حکومت کی حفاظت نہیں کر سکتے اور نہ سلطنت کے انتظامات کو درست رکھ سکتے ہیں"

اس نے لکھا ہے کہ:۔

"اسی لیے ہندوستان میں مشہور ہے کہ شراب پینے والا راجہ راجہ ہی نہیں ہے"

(سلیمان صـ۵۲)

لیکن ابن حوقل ساحلی علاقوں کی نسبت بیان کرتا ہے کہ:۔

"ان شہروں میں ناریل کے درخت بھی ہیں۔ اسی ناریل سے سرکہ اور شراب بناتے ہیں جس سے نشہ بھی پیدا ہوتا ہے اور المرز[1] بھی یہ لوگ استعمال کرتے ہیں جو مصر والوں کا نبیذ ہے"

(ابن حوقل صـ۲۳۱)

چوری کی سزا

سلیمان نے لکھا ہے کہ:۔

---

[1] یہ شراب کی ایک قسم تھی بعض کہتے ہیں کہ شہد کو پانی میں ملا کر بناتے تھے۔ اور بعضوں نے لکھا ہے کہ جواری سے یہ شراب بنتی ہے ۱۲

Marfat.com

"ہندوستان میں رہزنوں کو قتل کر دیا جاتا ہے۔"

اسی طرح چور خواہ ایک ہی پیسہ کیوں نہ ہو اس کو سخت سزا دی جاتی ہے۔ جس[ل] کی انتہا موت پر ہوتی ہے۔ چوروں کی سزا کا طریقہ یہ لکھا ہے کہ:۔

"ایک بڑی لمبی لکڑی ہوتی ہے۔ جس کے دونوں کناروں کو تیز کر کے اس میں دھار پیدا کر دیتے ہیں اور چور کو اسی پر بٹھا دیا جاتا ہے اور اس طور پر بٹھایا جاتا ہے کہ لکڑی اس کے جسم میں گھس جاتی ہے اور حلق تک پہنچ جاتی ہے۔"

(سلیمان ص ۵۴)

شادی کا طریقہ اور تعدّد ازدواج کی اجازت

اس نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ:۔

"ہندوستان اور چین میں حرم کا دستور تو نہیں ہے لیکن نکاح ان دونوں ملکوں میں مرد جتنی عورتوں سے بھی چاہے کر سکتا ہے شادی کا طریقہ یہ ہے کہ لڑکی اور لڑکے والے بیاہ سے پہلے آپس میں تحفوں اور ہدیوں کا تبادلہ کرتے ہیں۔ اور شادی کو ڈھول اور سنکھ کی آواز سے بستی میں مشہور کرتے ہیں۔ یہ تحفے اور ہدیے

ل مہابھارت کے بعض اشلوکوں سے معلوم ہوتا ہے کہ چوری کی سزا قطع ید (یعنے ہاتھ کاٹنا) بھی اس ملک میں مروّج تھی ۱۲

ہر شخص اپنی اپنی بضاعت کے مطابق دیتا ہے۔"

بدکاری کی سزا

اس کے بعد اس کا بیان ہے کہ:۔

"کسی کی بیوی کے پاس اگر کوئی آئے اور اس کے ساتھ بدکاری کا ارتکاب کرے تو قاعدہ ہے کہ اس قسم کے زانی آدمی کو ہندوستان کی تمام حکومتوں میں قتل کر دیتے ہیں۔ اسی طرح جبراً کسی عورت سے اگر کوئی بدکاری کرتا ہے تو صرف مرد قتل کیا جاتا ہے اور عورت کی رضامندی سے اگر فعل کا وقوع ہوا ہو تو دونوں مار ڈالے جاتے ہیں۔"

عدالتی نظام

سلیمان نے یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

"ہندوستان میں بھی اور چین میں بھی فصلِ خصومات کے لیے قاضیوں (ججوں) کی الگ جماعت ہے۔ حکومت کے دوسرے عمّال اور ملازمین سے اس کام کا تعلق نہیں ہے۔"

(سلیمان ص۵۵)

Marfat.com

رفاہِ عام کے کاموں کا رواج

اسی نے یہ بیان کرنے کے بعد کہ:۔

"ہند کے باشندوں میں ایسی بہت سی دینی نیکیوں کا رواج ہے۔ جن کے متعلق ان کا عقیدہ ہے کہ خدا ان کے کرنے والوں سے خوش ہوتا ہے۔ اور اپنا قرب و نزدیکی عطا کرتا ہے۔"

لکھا ہے کہ:۔

"مثلاً ان میں اس کا رواج ہے کہ مسافروں کے لیے سرائیں بنواتے ہیں۔ ان سراؤں میں بقال اور بنیے رہتے ہیں جن سے راہ گیر ضرورت کی چیزیں خریدتے ہیں۔"

(سلیمان ص ۱۲۸)

سیلون کی ایک عجیب رسم

اسی سلسلہ میں اس نے سیلون جسے عرب کے سیّاح ہندی جزیرہ کے نام سے موسوم کرتے تھے اور اپنی کتابوں میں بکثرت اس کا تذکرہ سیلان یا سرندیپ کے نام سے انہوں نے کیا ہے۔ اسی جزیرہ کے متعلق اس عجیب و غریب رواج کا تذکرہ کیا ہے۔

"سراندیپ کے علاقے کا یہ دستور ہے کہ اس ملک کا راجہ جب مرتا ہے تو ایک گاڑی جو زمین سے قریب ملی رہتی ہے۔

Marfat.com

(یعنے پیئے اس کے چھوٹے ہوتے ہیں) اسی گاڑی پر راجہ کو لٹا دیتے ہیں اور اس کے سر کو گاڑی کے تختے کے کنارے اس طرح رکھتے ہیں کہ اس کے بال زمین پر لٹکتے رہیں۔ اسی طرح گاڑی کو کھینچتے ہوئے اس کا گشت کراتے ہیں۔ راجہ کے سر کے بال کو گاڑی کے ساتھ زمین پر گھسیٹتے ہوئے لے جاتے ہیں، ایک عورت ہاتھ میں جھاڑو لیے گاڑی کے پیچھے پیچھے رہتی ہے اور خاک دھول کو راجہ کے سر کے بالوں سے صاف کرتی جاتی ہے۔"

اصل چیز اس کے بعد جو اس نے بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ:۔

"اسی گاڑی کے ساتھ ساتھ ایک اور آدمی ہوتا ہے جو مسلسل پکارتا جاتا ہے کہ لوگو! دیکھو! یہ ہے وہ شخص جو کل تک اس کے احکام اور فرامین نافذ ہو رہے تھے۔ لیکن آج اسی کو دیکھو کہ اس کا انجام کیا ہوا! اس نے دنیا چھوڑ دی۔ موت کا فرشتہ اس کی جان نکال کر لے گیا۔

تو تم کو بھی چاہیئے کہ دنیا کی زندگی کے فریب میں نہ آجائیو۔ اور بھی اسی قسم کی باتیں کہتا جاتا ہے۔ یہ قصہ تین دن تک جاری رہتا تیسرے دن پھر صندل، کافور، زعفران مہیا کیے جاتے ہیں اور ان ہی چیزوں کے ساتھ راجہ کو آگ میں پھونک دیتے ہیں اور اس کی راکھ کو ہوا میں اڑا دیتے ہیں۔ (سلیمان صنہ)

Marfat.com

ہندوستانیوں اور چینیوں کا تقابل

علاوہ ان رسوم اور عادات کے سلیمان نے ہند والوں کے علم و فضل اور صنعت و حرفت میں جس قسم کی مہارت اور چابک دستیوں کے وہ مالک تھے ان باتوں کی دل کھول کر اس نے بڑی تعریفیں کی ہیں۔ بلکہ بعض امور میں ہندوستانیوں کو چینیوں پر فضیلت بھی دی ہے۔ خصوصاً مذہب اور دین کے معاملہ میں لکھا ہے کہ:۔

"اس کا علم چین والوں کے پاس نہیں ہے۔ ان کا دین ہندوستان والوں ہی سے حاصل کیا ہوا ہے۔"

اس نے لکھا ہے کہ:۔

"چینی خود کہتے ہیں کہ ہمارے البدوہ[1] کو ہندوستانیوں نے بنایا ہے۔"

پھر دونوں ملکوں کے مشترک مذہبی عقاید کا تذکرہ کرتے ہوئے آخر میں لکھتا ہے کہ:۔

"ہندوستان میں طب کے ماہرین اور فلاسفر بھی پائے جاتے ہیں۔"

---

[1] بہ ظاہر البدوہ کا لفظ بدھ کے لفظ کی جمع معلوم ہوتی ہے۔ خدا جانے اس سے وہ مورتیاں مراد ہیں جو ہندوستان سے چین میں منتقل ہوئیں یا البدوہ بدھ مذہب کی کتابوں کو بھی کہتے تھے ۱۲

Marfat.com

اور یہ کہتے ہوئے کہ طب اور نجوم کا چرچا گو چین میں بھی ہے لیکن :۔

ذالک بالھند اکثر۔ | ان دونوں علوم (طب و نجوم) کا ہندوستان میں زیادہ رواج ہے۔

المسعودی نے بھی لکھا ہے کہ :۔

للھند التقدم فی صناعة الطب ولھم اللطافة والحذاق (جلد اول ص۲۵۲) | علم طب میں ہندوستان کے باشندے بہت آگے ہیں۔ اس فن میں دقت نظری اور حذاقت ان کو حاصل ہے۔

ہندوستان کی پارچہ بافی

صنعتی مہارتوں کا ذکر کرتے ہوئے جو باتیں ان لوگوں نے بیان کی ہیں سننے والوں کو آج بھی سُن کر ان پر تعجب ہوتا ہے۔ مثلاً رہمی کے نام سے جس علاقے کو ان لوگوں نے موسوم کیا ہے، پارچہ بافی میں اس ملک کے کاریگروں کو جو مہارت حاصل تھی اس کے متعلق سلیمان لکھتا ہے :۔

"رہمی کا ملک کپڑوں کا ملک ہے ایسے کپڑے اس ملک میں تیار ہوتے ہیں جن کی مثال کہیں نہیں ملتی۔"

اور اس کے متعلق اپنی چشم دید شہادت اس نے ادا کی ہے یعنی لکھا ہے کہ :۔

"حسن و باریکی میں ان کی کپڑوں کی حالت یہ ہے کہ ایک انگوٹھی میں پورا تھان سما جاتا ہے۔ یہ سوتی کپڑا ہے میں نے خود اس کو

دیکھا ہے۔ (سلیمان ص۳)

ودّیالوں کا رواج

سلیمان نے ہندوستان کے ودیالوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ سرندیپ کے تذکرہ میں لکھتا ہے کہ:۔

"اس ملک کے باشندوں کے پاس بھی ایک خاص شریعت ہے اور ان میں اس شریعت کے علماء پائے جاتے ہیں۔ ان کے بھی حلقے ہوتے ہیں جیسے ہمارے یہاں محدثین کے حلقے ہیں ہند کے لوگ ان علماء کے اردگرد اکٹھے ہوتے ہیں۔ اور اپنے پیغمبروں کی سیرت اور اپنے دین کے مسائل ان سے سُن سُن کر لکھتے ہیں۔" (سلیمان ص۱۲۲)

میں کہاں تک بیان کروں حاصل یہ ہے کہ بغیر کسی جنبہ داری، اور ادنے درجہ کی عصبیت کے کسی دوسرے مذہب اور ملک کے متعلق کوئی جو کچھ بھی بیان کر سکتا ہے مسلمانوں کے ان مورخین اور سیاحوں نے اس کے بیان کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے۔ محض اس لیے کہ اس ملک یا قوم کا مذہب چونکہ ہمارے مذہب اور اس کے اصول سے مختلف ہے یا میرے ملک اور میری قوم سے ان کا تعلّق نہیں ہے محض اس لیے ان کی خوبیوں کے اعتراف کرنے میں انھوں نے قطعًا بخل اور تنگدلی سے کام نہیں لیا ہے۔ قدیم تو قدیم اس زمانہ میں بھی جب بلند نظریوں اور انصاف پسندیوں کے دعوؤں سے

Marfat.com

یورپ نے آسمانوں کو سر پر اُٹھا لیا ہے ۔ اتنی بے لوثی کی نظیر کسی مصنّف کے کلام میں مشکل ہی سے مل سکتی ہے ، آپ اسے چاہے وسعتِ مشرقی کے لیے یا دوسری قوموں کے ساتھ انصاف کا جذبہ ، کہ المسعودی نے ہندوستان کے سمنیہ فرقہ کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کی اصنام پرستی کے متعلق اپنی روادارانہ رائے کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے کہ :۔

اہلِ ہند کی اصنام پرستی

" جیسے اسلام سے پہلے قریش بت پرستی کرتے تھے ، بت پرستی میں یہی حال ان کا بھی ہے ۔ ان مورتیوں کو یہ پوجتے ہیں اور دعاؤں کے ساتھ ان ہی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں "

لیکن اس کے بعد اپنی رائے ان الفاظ میں قلم بند کرتا ہے :۔

واللبیب منھم یقصد بصلاته بخالق ومقیم الشمائیل من الاصنام والصتور مقام قبلة والجاھل منھم ومن لا علم له یشرک	لیکن جو لوگ عقل و خرد والے ہیں ان کے سامنے اپنی دعاؤں میں خدا ہی مقصود ہوتا ہے اور مورتیوں کو وہ اپنے سامنے بطور قبلہ (یعنی رخ کرنے کی سمت کی حیثیت سے رکھتے ہیں[1] لیکن جنہیں علم نہیں ہے ۔۔

---

[1] اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بت پرستی کی یہ آخری تاویل و توجیہہ ہو سکتی ہے جس سے مسلمان آج سے سینکڑوں بلکہ ہزار سال پہلے واقف تھے لیکن سچ پوچھئے تو یہی توجیہ القول بمالا یرضیٰ بہ قائلہ ۔

Marfat.com

الاصنام بالٰہیۃ الخالق ویعتقد ھما جمیعًا وان عبارتھم الاصنام تقربھم الی اللہ زلفی۔

(المسعودی ص۱۹۱)

جو جاہل ہیں وہ خدا کی الوہیت میں ان مورتیوں کو بھی شریک کرتے ہیں اور جو دونوں باتوں کے معتقد ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ان مورتیوں کی عبادت ان کو خدا سے نزدیکی عطا کرتی ہے۔

(یعنے قائل کی مرضی کے خلاف خواہ مخواہ اس کی طرف سے بات بنانا ہے) بت پرست دنیا میں خصوصًا ہندوستان میں کروڑوں کی تعداد میں اب بھی موجود ہیں خود ان سے پوچھا جاسکتا ہے کہ اپنے معبودوں کے متعلق ان کا کیا خیال ہے۔ آفتاب وماہتاب گائے وغیرہ کے پوجنے والوں کو تو جانے دیجئے کہ ان کو تو خود ان کے پوجنے والے خدا کی مخلوق مانتے ہیں۔ کسی کا عقیدہ نہیں ہے کہ دنیا کو گائے نے یا سورج نے یا چاند نے پیدا کیا ہے بلکہ ان ہی کو مخلوقاتِ الٰہی میں شمار کرتے ہیں۔ رہیں مورتیاں سو وہ ایک قسم کی تو ہیں نہیں انسانوں کو بھی ہوتی ہیں، اور حیوانوں کی بھی نمائندگی ان ہی مرے ہوئے انسانوں یا جانوروں کی کرتی ہیں جو ان کے اصل معبود ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ان معبودوں کو جن کی مورتیاں نمائندگی کرتی ہیں ان کو بھی خود ان کے پوجنے والے خدا کی مخلوق ہی خیال کرتے ہیں۔ بہرحال ان مورتیوں میں ایسی کوئی مورتی نہیں ہے جس کے متعلق سمجھا جاتا ہو کہ وہ کسی مخلوق کی نہیں بلکہ خالقِ سمٰوات وارض کی نمائندہ ہے اور بالفرض مان بھی لیا جائے کہ ان مورتیوں کو خالق ہی کی نمائندہ بناکر جہلا نہیں تو ان کے خواص پوجتے ہیں جیسا کہ المسعودی کا بیان ہے تو سوال یہ ہے کہ ان مورتیوں کی شکل جیسا کہ میں نے عرض کیا آدمی کی ہوتی ہے یا جانور کی آدمی میں بھی مرد کی یا عورت کی، پھر

Marfat.com

اس نے لکھا ہے کہ:۔

ھو رائی الھند فی العالم و الجاھل (ایضاً) یعنے ہندوستان کے عالم اور جاہل سب کا یہی خیال ہے۔

کچھ بھی ہو میرا خیال تو یہ ہے کہ ہمارے اسلاف کا غیر قوموں کے ساتھ اسی قسم کے فیاضانہ برتاؤ اور سلوک کا نتیجہ یہ تھا کہ قومیں ان سے مانوس ہوتی تھیں بجائے بھڑکنے کے ان سے قریب ہوتی تھیں۔ ان کی باتوں کو وہ سنتی تھیں، سچائیوں کو دلوں میں اتارنے کا یہی کارگر حربہ ان کے پاس تھا۔ یہی لوگ تھے جن کی بدولت آج جاوہ، سماٹرا، انڈونیشیا، اور چین وغیرہ ممالک میں بے تیغ و تفنگ

کیا ان لوگوں کے خیال میں خدا مردوں یا عورتوں کی یا معاذ اللہ جانوروں کی شکل رکھتا ہے؟ اور خدا جو خود ہندوؤں کے نزدیک بھی نرنکار یعنی کشکل شئی ہے جب اس کی کوئی صورت نہیں ہے تو صورت والی مورتی سے خدا کی طرف ذہن کو منتقل کرنے کے کیا معنے؟ کیا بئی کی تصویر سے طوطے کا تصوّر جمایا جاسکتا ہے؟ صاحب صورت اور صورت میں کسی قسم کا تعلق بھی ہو تو ہونا چاہیئے۔ رہا مخلوق ہونے کا تعلق تو ان میں ان مورتیوں اور رتیوں کی کیا خصوصیت ہے۔ اس لحاظ سے سارا آسمان و زمین، عالم کا ذرّہ ذرّہ خدا کی طرف ذہن کو منتقل کرانے کے لیے کافی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس توجیہہ کو صرف بے تعصبی کی دلیل تو میں قرار دیتا ہوں لیکن صحیح توجیہ بت پرستی کی میرے نزدیک یہ نہیں ہے۔ خالق ہی کو پوجنا ہے تو اس کے لیے ان جھگڑوں کی کیا ضرورت ہے خصوصاً جب مسعودی بھی کہتے ہیں کہ عوام ان ہی کی وجہ سے واقعی شرک میں مبتلا ہو گئے ہیں ۱۲

Marfat.com

کروڑوں کی تعداد میں مسلمانوں کی آبادی پائی جاتی ہے، برا بھلا کہہ کر گالی گلوچ سے کبھی دنیا صداقت کی دعوت و تبلیغ میں کامیاب نہیں ہوئی ہے۔ میں نوان کتابوں میں محض واقعات کو پڑھ کر حیران ہو گیا۔ ہمیشہ سے یہ سنتا ہوں کہ ہندوستان کے باشندوں کا خیال ہے کہ دریائے شور کو عبور کر کے دوسرے ملکوں میں جانا مذہباً ان کے یہاں ممنوع ہے۔ سمجھا جاتا ہے کہ انگریزی عہد کے عام الحاد اور بے دینی نے ہندوؤں کو اس مذہبی پابندی سے آزاد کیا ہے۔

علیحدہ علیحدہ کھانے کی رسم

لیکن یہی سلیمان تاجر جس کے متعلق میں عرض کر چکا ہوں کہ تیسری صدی کی ابتدا کا آدمی ہے اپنی کتاب میں ہندوؤں کی اس رسم کا ذکر کرتے ہوئے یعنی ایک برتن میں کھانے کا رواج ان میں نہیں ہے لکھتا ہے کہ:۔

> "قاعدہ یہ ہے کہ ایک برتن میں دو آدمی مل کر ان میں نہیں کھاتے اور نہ ایک دسترخوان پر بیٹھ کر دو آدمی کھا سکتے ہیں۔ اس کو سخت عیب خیال کرتے ہیں۔"

اس نے لکھا ہے کہ ہندوستان کے راجوں مہاراجوں اور بڑے لوگوں کا قاعدہ ہے کہ ناریل کے پتوں سے روزانہ ان کے لیے ایک ایسی چیز بنائی جاتی ہے جو رکابی سے مانند ہوتی ہے۔ اسی ناریل کے پتوں سے بنے ہوئے دونے یا برتن میں کھاتے ہیں۔ کھانے کے بعد فوراً اس کو پھینک دیا جاتا ہے جس میں۔ بچا کھچا کھانا بھی رہتا ہے اور دوسرے

Marfat.com

دن بھر زیادہ دن ان ہی پتوں کا بنایا جاتا ہے۔

ہندوؤں کے سمندری سفر نہ کرنے کے عام خیال کی تردید اور چھوت چھات

یہ بیان کرنے کے بعد اس نے جو واقعہ بیان کیا ہے اس سے اس خیال کی قطعاً تردید ہوتی ہے کہ سمندر پار کر کے سفر کو ہندوؤں نے صرف انگریزوں کے زمانہ میں ذہنی کمزوری میں مبتلا ہونے کے بعد اختیار کیا ہے۔ سلیمان نے جو کچھ لکھا ہے اس کا لفظی ترجمہ درج کر دیتا ہوں۔ آپ خود دیکھ لیجئے کہ ایک دو نہیں، دوسری اور تیسری صدی ہجری میں سینکڑوں کی تعداد میں ہندو سمندر کو عبور کر کے اسلامی ممالک میں ان لوگوں کے پاس آتے جاتے رہتے تھے جن سے ان کے تجارتی کاروبار تھے، میں تو خیال کرتا ہوں کہ مسلمانوں کے اعلیٰ اخلاقی برتاؤ نے ہندوؤں کو اپنا اتنا گرویدہ بنا لیا تھا کہ ان کے گھر کو وہ اپنا گھر خیال کرنے لگے تھے۔ میں جس زمانہ کا قصہ آپ کو سنانا چاہتا ہوں کہہ چکا ہوں کہ ہندوستان کا یہ وہ زمانہ ہے کہ اس ملک سے مسلمان صحیح طور پر عموماً واقف بھی نہیں تھے۔ اپنے ملک کا راج خود ہندوؤں کے اقتدار میں تھا۔ سلیمان کا بیان ہے کہ:

"ہندوستان کے باشندے جب سیراف آتے ہیں (یعنی ایرانی بندرگاہ جہاں سمندر ہی کے سفر کے بعد پہنچ سکتا ہی)

اور سیراف کے ممتاز تاجروں میں سے کوئی تاجر ان کی دعوت کرتا ہے۔ عموماً یہ سو یا سو سے زیادہ یا کچھ کم ہوتے ہیں، تو ضرورت ہوتی ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے پاس الگ الگ طبق رکھا جائے۔ جس میں وہ سب کچھ رکھ دیا جاتا ہے۔ جسے وہ کھاتے ہیں۔ اس میں کوئی دوسرا قطعاً شریک نہیں ہو سکتا۔"

(سلیمان صـ۱۴۶)

میری نظر سے یہ عبارت گذری تو جہاں ہندوؤں اور مسلمانوں کے قدیم خوشگوار تعلقات کے ثبوت کی ایک جدید شہادت کا انکشاف مجھ پر ہوا اور محسوس ہوا کہ اخلاقی قوت سے چاہا جائے تو جو چیز حکومت کی تلوار سے بھی باآسانی حاصل نہیں ہو سکتی بسہولت ہم اس کو اپنے قابو میں لا سکتے ہیں۔ خیال تو کیجئے، آج سے ہزار سال پیچھے کے ہندوستان کو اس کے مذہبی تقشف اور تصلّب کو، اور پھر سوچئے کہ اِکے دُکے نہیں سو سو بلکہ سو آدمیوں سے بھی اوپر اسی ہندوستان کے رہنے والے جو سمندر پار کے سفر کو جیسا کہ کہا جاتا ہے مذہباً ناجائز سمجھتے تھے۔ وہ فراخدلی کے ساتھ مسلمانوں کے ایسے ممالک میں جہاں مسلمان ہی مسلمان آباد ہیں سمندر کو عبور کر کے آ رہے ہیں جا رہے ہیں، اور صرف آجا نہیں رہے ہیں بلکہ مسلمانوں کی دعوتیں قبول کرتے ہیں، ان کے مہمان بنتے ہیں۔ اگرچہ اسی کے ساتھ اپنی قومی خصوصیتوں کو بھی باقی رکھتے ہیں۔

لیکن اسی کے ساتھ سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ جب علیحدہ علیحدہ کھان

Marfat.com

پان کے ہندی طریقہ کو سلیمان نے بیان کیا تھا تو اسی کے ساتھ اسی کھان پان کے متعلق ہندوؤں کے اس مشہور طریقۂ عمل کا اس نے کیوں ذکر نہ کیا۔

میرا مطلب یہ ہے کہ مسلمان تو مسلمان خود ان لوگوں کے ہاتھوں کی پکی ہوئی چیزوں کے کھانے سے بھی جیسا کہ سب جانتے ہیں ہندو پرہیز کرتے ہیں جو باوجود ہندو ہونے کے خاص خاص طبقات سے تعلق رکھتے ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ برہمن ہوں یا چھتری یا ویش، ہر ہندو کے ہاتھ کی پکی ہوئی چیز نہیں کھا سکتے۔ بلکہ خاص خاص ذات کے افراد کو اس کا استحقاق دیا دیا گیا ہے جو ان کے لیے رسوئی بنا کر سکتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ ”چھوت چھات“ اور وہ بھی ”کھان پان“ آج ہندو قوم کے مذہب کا جو مرکزی مسئلہ ہے، کہنے والوں نے تو اسی وجہ سے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ آج سارا ہندو مذہب صرف باورچی خانوں میں محدود ہو کر رہ گیا ہے، ہمیشہ ہندوستانی اسٹیشنوں کی ان عجیب و غریب آوازوں کو دنیا کی قوموں میں تعجب کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے کہ پکارنے والے ان اسٹیشنوں میں، ہندو پانی، مسلمان پانی، ہندو بسکٹ، مسلمان بسکٹ، ہندو پان، مسلمان پان، وغیرہ پکارتے رہتے ہیں۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ ہندوستان سے قافلوں کی شکل میں جو لوگ اسلامی ممالک میں جاتے تھے اور مسلمانوں کی دعوتوں کو قبول کرتے تھے اگر کھانے پینے کے ان قوانین کی پابندی اس زمانہ میں بھی کرتے تھے تو الگ الگ کھانے کے اس دستور کو جہاں بیان کیا گیا تھا، اسی کے ساتھ ہندوؤں کے کھانے پینے کے ایسے اہم دستور

Marfat.com

کے ذکر کو ترک کیوں کر دیا۔

مجھے تو کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید اس زمانہ میں "چھوت چھات" یا قرآنی اصطلاح میں چاہیئے تو کہہ سکتے ہیں کہ "لامساسیت" کے اس خاص ہندی دستور کی پابندی کا رواج شاید اس زمانہ میں تھا ہی نہیں، یا تھا بھی تو اس قانون کی پابندی میں اتنی نزاکتیں نہیں برتی جاتی تھیں جن کا معائنہ پچھلے دنوں میں ہم کر رہے ہیں۔ ورنہ اس کے کوئی معنے نہیں ہو سکتے ہیں کہ ہندوؤں کے روزانہ غسل، روزانہ دتاؤن (مسواک) کھانے پینے میں علیحدگی پسندی وغیرہ وغیرہ جزئیات کا تو ذکر کیا جاوے اور ہندوستان والوں کی اتنی بڑی اہم خصوصیت کو غیر اہم قرار دے کر خاموشی اختیار کی جاوے۔

اب میں کیا کہوں۔ میں نے اس سلسلے میں ممکنہ حد تک اس قسم کی تمام کتابوں کا مطالعہ کیا۔ اور بہت تلاش کیا۔ لیکن ان مصنفین میں سے ایک آدمی بھی ہندوستان کے چھوت چھات کے مسئلہ کا ذکر نہیں کرتا۔ خدا ہی جانتا ہے کہ اصل واقعہ کیا ہے۔

جمادات اور نباتات، حیوانات تک میں سے کسی چیز کے چھونے سے ان کو پرہیز نہیں ہے اور کسی قسم کی ناپاکی کا احساس ان میں پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن اچانک ان ہی لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ خود اپنے ابنائے اجناس کو دیکھ کر چیخنے لگتے ہیں کہ مجھے نہ چھونا۔ میری چیزوں کو ہاتھ نہ لگانا۔ بعضوں کا یہ خیال کہ یہ تعلق ان کا صرف ان قوموں کی حد تک محدود ہے جو ہندوستان ہی میں اس لیے صحیح نہیں ہے کہ "چھوت چھات" کے یہ جھگڑے جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا

Marfat.com

خود ہندو قوم کے مختلف طبقات کے درمیان بھی پائے جاتے ہیں یعنی جو اپنے آپ کو ہندو کہتے ہیں۔ محض ہندو کہہ دینے سے "چھوت چھات" کے قوانین کی پابندیوں سے وہ مستثنیٰ قرار دیئے جا سکتے۔ بلکہ ان میں بھی خاص خاص طبقات کے لیے خاص ذاتوں کے افراد ہیں۔ جنہیں چھونے کی اجازت دی جاتی ہے۔ ورنہ کتنے ہندو ہیں جن کے چھونے اور ہاتھ لگانے سے برہمنوں یا چھتریوں کے برتن اور ان کے کھانے ناپاک ہو جاتے ہیں۔

بہر حال عرض کرنے کی بات یہ ہے کہ جہاں ان مصنفین کی کتابوں میں "چھوت چھات" کے خاص ہندی خصیصہ کا ذکر نہیں پایا جاتا وہیں یہ عجیب بات ہے کہ ہندوستان گاؤں کی رسم کو بھی ان لوگوں میں سے کسی نے بیان نہیں کیا ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ گائے نہیں بلکہ گائے اور بھینس کے گوبر کے ساتھ ہندوستان کے عام باشندوں کو جو دلچسپی ہے اس تک کو ان لوگوں نے بیان ہے۔ بزرگ بن شہریار اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ:۔

"ہندوستان کے سیٹھ اور ساہوکار یا ان کے فوجی آدمی یا اسی قسم کے کسی بڑے امیر گھرانے ہی کی عورتیں کیوں نہ ہوں جب راستے سے گذرتی ہیں اور ان کی نظر گائے یا بھینس کے گوبر پر پڑ جاتی ہے، اس صورت میں اگر ان کے ساتھ اس گوبر کا اٹھانے والا کوئی آدمی ہوتا ہے تو اس کو حکم دیا جاتا ہے کہ

Marfat.com

اسے اٹھائے ورنہ وہی خاتون اس گوبر پر خاص قسم کا نشان بنا دیتی ہے تاکہ راہ گیروں کو معلوم ہو جائے کہ گوبر کا یہ چونا کسی شخص کی ملک میں داخل ہو چکا ہے۔ پھر اٹھانے والے کو بھیج کر گوبر منگوا لیا جاتا ہے"۔

(بزرگ بن شہریار ص ۱۶۲)

آپ خیال کر سکتے ہیں کہ جن لوگوں نے اس قسم کی معمولی جزئی باتوں تک کا ذکر کیا ہے۔ اگر ان کے زمانے میں بھی ہندوستان میں "چھوت چھات" کا رواج ہوتا۔ تو کیا یہ ممکن ہے کہ اس کا ذکر ترک کر دیتے؟

قدیم ہند میں گوشت خواری کا رواج

سلیمان لکھتا ہے کہ:۔

"ہندوستان اور چین ان دونوں ممالک کے باشندوں کا عام دستور یہ ہے کہ جب کسی جانور کے گوشت کھانے کا ارادہ کرتے ہیں تو اسے ذبح نہیں کرتے بلکہ اس کی کھوپڑی پر ضرب لگاتے ہیں تا ایں کہ جانور مر جاتا ہے[1]۔

(سلیمان ص ۵۶)

---

[1] انسانی خوراک کا وہ عنصر جس کا نام لحم ہے تیار ہی نہیں ہو سکتا جب تک اس میں نباتاتی زندگی سے آگے بڑھ کر حیوانی زندگی کے آثار نہ پیدا ہو لیں اس لیے اس خوراک کے

سلیمان کے اس بیان سے اوّلاً اسی کا ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ گوشت خواری کے متعلق ہندوستان میں کسی قسم کا استنکاف وانکار اس زمانہ میں بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ نہیں پایا جاتا تھا۔ بلکہ اس سلسلے میں بزرگ بن شہریار نے جانوروں کے گوشت کے استعمال کا جو طریقہ ہندوستان میں مروج تھا اس کو بیان کرتے ہوئے یعنی وہی بات کہ جانور کے سر پر ضرب لگا کر اس کو مار ڈالتے ہیں تب اس کے گوشت کو استعمال کرتے ہیں۔ اس کے بعد لکھتا ہے کہ :۔

"صیمور اور سوبارہ (یہ ہندوستان کے ساحلی شہروں کے اس زمانہ میں نام تھے اور مشہور بندرگاہیں تھیں) کے بعض بڑے آدمیوں کو دیکھا گیا کہ ایک مرے ہوئے چوہے کے سامنے وہ گذر رہا تھا۔ مُردہ چوہے کو دیکھ کر خود اس رئیس نے

کے حصول میں حیوانی زندگی کا ازالہ ضروری ہے جیسے نباتاتی خوراک کے حصول میں نباتاتی زندگی کا ازالہ ناگزیر ہے۔ مگر حیوانی زندگی کے ازالہ کی جو شکل دنیا کی قوموں میں پائی گئی ہے یا پائی جاتی ہے اسلامی ذبح اس کے مقابلہ میں غذائی حیوانوں کے لیے رحمت معلوم ہوتا ہے۔ ہندوستان کا حال تو یہ ہے جو آپ دیکھ رہی ہیں، تاتاریوں کا طریقہ یہ تھا کہ جانور کے ہاتھ پاؤں کو باندھ دیتے تھے۔ پھر دل کے پاس اسی زندہ جانور کے سوراخ کر کے اسی سوراخ میں ہاتھ ڈال دیتے اور آہستہ آہستہ اس جانور کے دل کو چٹکیوں سے مسلتے رہتے تا اینکہ اس کی جان نکل جاتی۔ یا کھینچ کر دل کو باہر نکال لیتے تھے ۱۲

(دیکھو صبح الاعشیٰ قلقشندی ج ۴، ص ۳۱۱)

Marfat.com

اس کو اپنے ہاتھ سے اٹھا لیا اور اپنے بیٹے یا غلام کے حوالے کر کے حکم دیا کہ اسے گھر لے جائے پھر اس نے اس چوہے کو اپنی غذا بنائی "۔

اس کے بعد یہ بھی بیان کیا ہے کہ :

"جو چیزیں ہندوستان میں کھائی جاتی ہیں ان میں چوہوں کا شمار ان کے نزدیک بہترین غذاؤں میں ہے "۔

(عجائب الہند ص ۱۶۲)

ہندوستانی گینڈے کا تذکرہ کرتے ہوئے اور یہ لکھتے ہوئے کہ رُہمی کے راجہ کے علاقہ میں ایک خاص قسم کا گینڈا ہوتا ہے۔ سلمان تاجر اور المسعودی دونوں نے یہ بیان کرنے کے بعد کہ :

"اس کی پیشانی پر ایک سینگ ہوتا ہے۔ رُہمی کے ملک کے گینڈوں کی خصوصیت یہ ہے کہ بہ نسبت دوسرے مقامات کے گینڈوں کے اس کے سینگ زیادہ چکنے چمکیلے اور صاف ہوتے ہیں، رنگ ان کا سفید ہوتا ہے اور بیچ میں اس کے قدرتی طور پر بعض ایسے نشانات سیاہ خطوط سے بنے ہوتے ہیں جو کبھی انسان، کبھی کسی پرند، مثلاً مور (طاؤس) کبھی مچھلی، کبھی خود گینڈے یا دوسرے جانوروں کی شبیہ معلوم ہوتی ہے، لوگ ان سینگوں کو اکھاڑ کر کمر بندوں میں بطور زیور کے لگاتے ہیں۔ خصوصاً چین کے سلاطین اور حکام میں خاص طور پر ان تصویری سینگوں کے

Marfat.com

استعمال کرنے کا ذوق پایا جاتا ہے، بڑی بڑی قیمتیں دے کر لوگ خریدتے ہیں اسی لیے ان کی قیمتیں کبھی کبھی دو ہزار اشرفیوں تک بھی پہنچ جاتی ہیں"۔

المسعودی نے لکھا ہے کہ:۔

"یہ خصوصیت بجز رہمی کے جنگلوں کے گینڈوں کے اور کسی دوسری جگہ کے گینڈوں کے سینگ میں نہیں پائی جاتی"۔

(جلد۱ ص ۲۵۰)

ان باتوں کے ذکر کے بعد لکھا ہے کہ:۔

"ہندوستان کے باشندے اس کا یعنی گینڈے کا گوشت خوب کھاتے ہیں"۔

بلکہ سلیمان تاجر نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

"اس کا گوشت حلال ہے کیونکہ یہ تو اسی قسم کا ایک جانور ہے جیسے گائے، بھینس، یعنی ان ہی جانوروں کی طرح وہ بھی جگالی کرتا ہے۔ میں نے بھی اس کا گوشت کھایا ہے[1]"۔

(سلیمان ص ۳۱)

---

[1] اسلامی شریعت کی رو سے گینڈے کے متعلق الدمیری نے "حیاۃ الحیوان" میں بھی حلال کرنے کا حکم درج کیا ہے اور وجہ بھی یہی لکھی ہے کہ یہ نباتات خور چوپاؤں میں ہے اور جگالی کرتا ہے۔ الغرض سارے حلال جانوروں کے صفات اسمیں پائے جاتے ہیں ۱۲ (دیکھو حیاۃ الحیوان جلد۲ ص ۲۴۵)

Marfat.com

المسعودی کہتا ہے کہ :۔

لاتہ نوع من البقر الجوامیس　　وہ گائے اور بھینس ہی کی ایک قسم ہے۔

(ص ۲۵۶ جلد ۱)

غرض کچھ نہیں کہا سکتا کہ " چھوت چھات " یعنے لامساسیت اور گائے جیسے اہم ہندی رسوم کے متعلق ان لوگوں کی خاموشی کے اسباب کیا ہیں؟ حالانکہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ چھوٹی چھوٹی کتنی غیر اہم باتوں کے تذکرے ہیں انہوں نے کتنی فیاضی سے کام لیا ہے۔

ہو سکتا ہے کہ ہندوستان کے ساحلی مقامات اور جنوبی ہند کی ریاستوں میں جہاں ان لوگوں کی آمد و رفت زیادہ تھی وہاں ان کے زمانہ تک ہندوستان کے ان رسوم کا رواج نہ پہنچا ہو۔ اور سچ تو یہ ہے کہ ہندوستان رسم و رواج کے لحاظ سے بلکہ دوسرے تاریخی پہلوؤں کے اعتبار سے اتنا شدید انقلابی ملک ہے کہ کسی قسم کا قطعی فیصلہ کسی مسئلہ کے متعلق مشکل ہے۔ یعنے یہ طے کرنا کہ کون سی رسم اور کون سا رواج ہندوستان میں قدیم زمانہ سے منتقل ہوتا چلا آرہا ہے اور کون کون سی چیزیں اس ملک میں دفعتاً فوقتاً دوسرے ممالک و اقالیم سے منتقل ہو ہو کر یہاں پہنچی ہیں۔ ایک ایسا تغیر پذیر سیال ملک کہ چوتھی صدی میں آپ ان ہی سیاحوں کی زبانی سن چکے کہ سندھ اور بالائی پنجاب کا سارا علاقہ بدھ مت کے رہنے والوں سے بھرا ہوا تھا۔ اور آج یہ حال ہے کہ بیچارے بدھوں کو ان ہی علاقوں میں انگلیوں پر بھی شمار نہیں کیا جاسکتا۔

Marfat.com

رائے بہادر مہا مہوا پادھیا گوری سنکر ہیرا چند اوجھا صاحب جیسے محقق جو ہندو مذہب اور اس کے رسوم و رواجات کے متعلق سند ہونے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی کتاب "قرونِ وسطیٰ میں ہندوستانی تہذیب میں بکثرت ایسی چیزیں میں نے پڑھیں۔ جن کے متعلق میرا خیال تھا کہ ہندو مذہب کے قدیم عناصر ہیں۔ لیکن مہامہوا پادھیا صاحب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ بالکل پچھلے زمانہ میں ان کا اس ملک میں رواج ہوا۔ گنیش کی مورتی جس کی پوجا شمالی اور جنوبی ہند میں بڑے دھوم دھام سے ہر سال کی جاتی ہے، اور مشکل ہی سے ہندوؤں کی کوئی ایسی جگہ ہوگی جہاں سونڈ رکھنے والی یہ مورتی براجمان نظر نہ آتی ہو۔ لیکن اوجھا صاحب اسی گنیش کے متعلق لکھتے ہیں کہ:۔

"جنوبی ہند ہو یا شمالی کسی جگہ چوتھی صدی عیسوی سے پہلے کی نہ گنیش کی کوئی مورتی ملی اور نہ اس زمانہ کے کتبوں میں ہی اس کا کچھ اشارہ ہے۔" (ص ۳۳)

وہ اس مورتی کے سونڈ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

"گنیش کے منہ کی جگہ سونڈ کی ایجاد نہ جانے کب سے ہوئی۔"

ہندو مذہب کے اس فاضل نے خود "گوشت خوری" کے متعلق بھی یہی لکھا ہے کہ کسی زمانہ میں گوشت خوری کا اس ملک میں بہت رواج تھا، بلکہ ان ہی کا یہ بیان بھی ہے کہ:۔

(حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

Marfat.com

"اس پر دیاس سمرتی میں تو یہاں تک کہدیا گیا ہے کہ گوشت نہ کھانے والا برہمن گناہگار ہو جاتا ہے۔"

(ص ۶۶ قرونِ وسطیٰ میں ہندوستانی تہذیب)

گوشت سے موجودہ احتراز کا سبب

گوشت خوری کے متعلق ہندوستان کے جدید رجحان کی توجیہ اوجھا صاحب نے یہ کی ہے کہ:۔

"جین اور بدھ دھرم کے اثر سے رفتہ رفتہ اس کا رواج ہوتا گیا۔"

(ص ۶۷ قرونِ وسطیٰ میں ہندوستانی تہذیب)

لہ واقعہ تو یہی ہے کہ ہر قوم کو ہر زمانہ میں اس کا اختیار ہے کہ جس قسم کے عقاید و اعمال چاہے اپنے لیے مقرر کرلے دوسرے مذاہب و ادیان والوں کو اس کا حق نہیں ہے کہ ان کتابوں سے ان پر حجت قائم کریں۔ اپنی کتابوں کی تفسیر و تاویل کا ان کو حق ہے جو چاہیں سمجھیں، آج ہندوؤں نے خواہ اس کی جگہ کچھ ہی ہو اگر یہ طے کرلیا ہے کہ سرے سے گوشت نہیں کھائیں گے، یا کسی خاص جانور کا گوشت نہ کھائیں گے۔ تو ان کی کتابوں کو یا ان کی تاریخ کو دکھا دکھا کر ہم ان کو اس رویہ کے ترک پر مجبور نہیں کر سکتے۔ جس طرح ہندوؤں کے لیے بھی سزاوار نہیں ہے کہ جس چیز کو وہ اپنے لیے ناجائز سمجھتے ہیں۔ خواہ مخواہ دوسروں کو بھی اس کے ناجائز سمجھنے پر مجبور کریں۔

Marfat.com

لیکن جینیوں اور بدھ متی والوں میں گوشت خواری جیسی اجماعی فطری چیز یعنے ہندوستان کے سوا دنیا کے کسی ملک اور کسی قوم میں آدمی کی اس فطری غذا سے نفرت کا اظہار کسی زمانہ میں نہیں کیا گیا ہے اور ایک ایسی عام بات کے خلاف ان میں ترکِ لحمیات کا جذبہ آخر کیوں پیدا ہوا؟ ہوسکتا ہے جیسا کہ بعضوں نے لکھا بھی ہے کہ "ویدک دھرم کے آخری دَور میں پنڈتوں اور برہمنوں نے قربانی یعنے ہدیہ یا یگیہ (جو ضحیہ کے مخرج سے قریب تر لفظ ہے) کو سب کچھ قرار دے کر افراط کا ایسا طریقہ اختیار کیا کہ خون کے سوا اس زمانہ میں ہندوستان کی سطح پر اور کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ اسی کا ردعمل تھا۔ جو جینیوں اور بدھ متی والوں کے قلوب پر اثر انداز ہوا۔ لیکن ان سیّاح مورخین نے جانوروں کے مارنے کے جس دردناک طریقے کا مشاہدہ اپنے زمانے میں ہندوستان میں کیا تھا سچ پوچھئے تو بے رحمی کا یہ سلوک انسانی فطرت کے لیے زیادہ دن تک قابلِ برداشت ہو بھی نہیں سکتا تھا[1]۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نرم و رقیق قلب

---

[1] یہی وجہ ہے کہ جو آسمانی ادیان میں گوشت حاصل کرنے کے لیے خاص قاعدے مقرر کیے گئے ہیں، جن میں سب سے بڑی بات جانوروں کے خالق اور مالک کے نام سے ان کو زندگی کے سپرد کرنے میں آمادہ کرنا ہے۔ یوں بظاہر کچھ ہی سمجھا جائے لیکن قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے مالک و خالق کی تسبیح و تحمید کا علم ساری کائنات کو ہے جن میں جانور بھی داخل ہیں مرنا تو بہرحال ہر زندہ کے لیے ضروری ہے کون کہہ سکتا ہے کہ خدا کے نام پر جانوروں سے ان کی جان جب طلب کی جاتی ہے اس وقت ان پر اپنے جبلی علم و معرفت

Marfat.com

والوں کو بے رحمی کے اس طریقہ سے گوشت حاصل کرنے سے زیادہ آسان یہ ہی معلوم ہوا کہ گوشت کھانا ہی چھوڑ دیں۔ پھر بتدریج ان ہی کی اتباع میں بات آگے بڑھی۔ بڑھتے ہوئے اس منزل تک پہنچ گئی کہ سب سے زیادہ قربانیوں کی شوقین قوم قربانی کی مخالف بن گئی۔ تاریخ کی نگاہوں میں اس قسم کے واقعات عجیب نہیں ہیں۔

شاید میں اپنے اصل مضمون سے حسب دستور کچھ زیادہ دور ہو گیا۔ گفتگو ہندوستان کے متعلق یہ ہو رہی تھی کہ قدیم مسلمان سیاحوں نے اس ملک اور اس کے رسم و رواج، یہاں کے باشندوں کے بود و ماند، رہن سہن کے طریقوں کو کتنی بے تعصبی اور کھلے دماغ کے ساتھ دیکھا اور بیان کیا ہے۔

اہلِ ہند کا اظہارِ تفاخر

المسعودی کا (جو مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اولاد میں سمجھے جاتے ہیں) حال تو یہ ہے کہ ہندوستان کے ذکر پر پہنچنے کے ساتھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا قلم بے اختیار ہو جاتا ہے۔ اپنی کتاب "مروج الذہب" میں ہندوستان کا تذکرہ ان الفاظ سے شروع کیا ہے۔

کی بنیاد پر کیا حال طاری ہوتا ہے اور اس کے ذبح کرنے کا دستور اور ذبح میں بھی حلال کرتے کے آلے کو ممکنہ حد تک تیز تر رکھنا۔ اس طریقہ میں علاوہ اس پاکیزگی کے جو خون کے اخراج سے گوشت میں پیدا ہو جاتی ہے جان نکلنے میں بھی سہولت کا ایک پہلو یقیناً مستور ہے ۱۲

"علم و نظر والوں کا وہ طبقہ جس نے عالم کی ابتدا اور انتہا کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کی ہے۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ ہندوستان دنیا کے قدیم زمانے میں روئے زمین پر جبین روشن کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس ملک میں صلاح اور حکمت کی بنیادیں شروع ہی میں قائم ہو گئی تھیں۔"

(مسعودی جلد ا ص ۱۰۲)

پھر آگے اپنے مسموعات کا ذکر کیا ہے جنہیں اگر صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس کے یہ معنے ہیں کہ آج مہذب ترین قومیں جن نتائج تک بلکہ ان نتائج کے صرف خیال تک پہنچی ہیں، ہندوستان کو اپنی عملی زندگی میں شریک کر چکا تھا یعنی اس نے لکھا ہے کہ:۔

"جب دنیا میں مختلف قبائل و اقوام کی شکل میں نسلِ انسانی تقسیم ہو گئی (اور ہندوستان میں بھی ایک قوم آباد ہوئی) تو اس نے یہ طے کیا تھا کہ اپنے ملک کو ملک والوں کے اقتدار میں لا کر (دوسری قوموں سے تعلق کی نوعیت یہ ہو گی) کہ نہ ہم کسی دوسرے ملک اور دوسری قوموں سے جنگ کریں گے نہ لڑائی۔ البتہ ہماری طرف کوئی نگاہ اُٹھا کر دیکھے گا تو پھر ہم اس پر جا پڑیں گے تا کہ وہ ہماری اطاعت قبول کر لے۔"

(ایضاً ص ۱۰۳)

اس نے ہندوالوں کے ان دعاوی کو بھی نقل کیا ہے کہ:۔

Marfat.com

"ہم ہی سے ابتدا ہوئی ہے اور ہم ہی پر انتہا بھی ہو گی اور آخری انجام دنیا کا ہمارے ہاتھ میں ہے۔ شروع بھی ہم ہی کرتے ہیں اور ختم بھی ہم ہی پر ہوتا ہے اور سارے کرۂ زمین میں ادب کی اشاعت ہمارے ملک ہی سے ہوئی ہے۔"

(ایضاً ص ۱۰۲)

الغرض یہ اور اسی قسم کی بیسیوں باتیں اس سلسلہ میں المسعودی نے نقل کی ہیں اور اس طور نقل کی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی ان خصوصیات کا وہ منکر نہیں ہے اور یہی مجھے کہنا ہے کہ واقعہ بجائے خود کچھ بھی ہو، لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ ایک قطعی غیر مسلم کی حیثیت اس وقت ہندوستانی کی ہے لیکن مسلمان مورخ نہ صرف اپنے "دیدہ" ہی کو بلکہ "شنیدہ" کو بھی اس ملک کی تعریف میں بغیر کسی اعتراض و تنقید کے نقل کرتا ہے اور المسعودی کی یہ باتیں تو خیر "شنیدہ" ہیں۔ ان عجیب و غریب دل و دماغ کے رکھنے والے مسلمانوں کی کچھ "دیدہ" رپورٹوں کو بھی سن لیجئے۔ شیخ مبارک انبائی تقریباً دوسری صدی ہجری یا اس کے کچھ ہی بعد کے آدمی ہیں۔ ان کے حوالے سے صاحب "مسالک الابصار" ناقل ہیں، کہ میں نے شیخ مبارک سے ہندوستان کے متعلق دریافت کیا۔ تو مجھ سے انہوں نے بیان کیا کہ:۔

"نہروں کا جال اس ملک میں پھیلا ہوا ہے بڑی اور چھوٹی نہروں کو ملا کر اگر شمار کیا جاوے تو ان کی تعداد ایک ہزار سے کم نہ ہو گی، بعض نہریں تو اس ملک میں اتنی بڑی بڑی ہیں کہ دریائے نیل سے

Marfat.com

ٹکرا سکتی ہے اور بعض نیل سے چھوٹی ہیں اور عموماً نہریں اس ملک کی اس قسم کی ہیں جیسے عام طور پر دنیا میں ہوتی ہیں "

سرزمینِ ہند کی زرخیزی اور موسموں میں اعتدال

شیخ مبارک ہی کا بیان ہے کہ:۔

"عام قاعدہ ہندوستان کی آبادی کا یہ ہے کہ عموماً ان ہی چھوٹی نہروں کے کنارے اس ملک کے شہر اور اس کی بستیاں آباد ہیں، ملک گھنے اشجار سے بھرا ہوا ہے۔ وسیع و عریض سبزہ زاروں اور مرغزاروں کی حد نہیں ہے "

اور سب سے دلچسپ چیز ہندوستان کے موسموں کے متعلق شیخ مبارک کا یہ عجیب و غریب احساس ہے کہ:۔

"اپنے موسم کے لحاظ سے ہندوستان ایک معتدل ملک ہے اس کے فصول میں حالات کے لحاظ سے تفاوت نہیں پایا جاتا یعنی حد سے متجاوز یہاں کا کوئی موسم نہیں ہے، نہ اس ملک کی گرمی برداشت کی حد سے زیادہ ہے اور نہ یہاں کی سردی "

آخر میں شیخ کے الفاظ ان لوگوں کے لیے جو غریب ہندوستان کو "گھر کی مرغی" قرار دیئے ہوئے ہیں، سننے کے قابل ہیں۔ کہتے ہیں کہ:۔

"بلکہ سمجھنا چاہیئے کہ ہندوستان کے کل مہینے گویا بہار ہی کے مہینے ہیں۔ اس ملک میں ہمیشہ ہوائیں چلتی رہتی ہیں اور بادِ نسیم کے

Marfat.com

جھونکوں سے ہر مہینے میں آدمی لطف اندوز ہوتا رہتا ہے۔ یہاں چار مہینے مسلسل بارش ہوتی رہتی ہے۔ زیادہ بارش ربیع کے آخری مہینوں سے صیف (گرمی) کے اختتام تک ہوتی ہے[۱]۔"

(صبح الاعشی قلقشندی ص ۶۸)

اور یہ بیان کچھ ایک شیخ مبارک ہی کا نہیں ہے۔ قلقشندی نے بھی "تحفۃ الالباب" نامی کتاب کے حوالے سے اس کے مصنف محمد بن عبدالرحیم اقلیشی کا بیان ہندوستان کے متعلق یہ نقل کیا ہے:۔

"ہندوستان بڑا ملک ہے، انصاف و عدل کی یہاں بہتات

---

[۱] واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان کے موسموں کی قیمت کا اندازہ دوسرے ممالک کے سخت ترین گرم و سرد موسموں ہی کے بعد ہو سکتا ہے اور شیخ مبارک کے بیان کو ہم اسی محمل پر محمول کر سکتے ہیں بلکہ بجائے ہندوستان کے اگر جنوبی ہند اور جنوبی ہند میں بھی ممالک محروسہ سرکار آصفیہ کے موسموں کو ہم اپنے سامنے رکھیں تو شیخ مبارک کے بیان کی توثیق ہم بغیر تاویل کے بھی کر سکتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ پایۂ تخت آصفیہ حیدر آباد دکن کی گرمی و سردی دونوں حد اعتدال سے متجاوز نہیں ہوتیں۔ کم از کم حیدر آباد والے تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کے بارہ مہینے بہار کے مہینے ہیں۔ اور شب و روز نسیم لطیف کے جھونکے ان کے ملک میں چلتے رہتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ہندوستان کے موسموں میں اتنے دنوں بعد کچھ تبدیلی ہوئی ہو جیسا کہ دکن والوں کا بیان ہے کہ پہلے اس ملک کے موسموں کا اعتدال موجودہ حالت سے بھی بہتر تھا ۱۲

Marfat.com

ہے نعمتوں سے معمور ہے۔ سیاست اس ملک کی بہت اچھی ہے، دوامی خوش حالی کا دور دورہ ہے، اس ملک میں ایسا امن ہے جس میں خوف کا نام نہیں۔"

پھر باشندگانِ ہند کے ساتھ اس عہد کے مسلمانوں کو جو عام علمی عقیدت تھی جس کا پہلے بھی ذکر آ چکا ہے۔ تحفۃ الالباب کے مصنّف نے بھی بایں الفاظ اسے ظاہر کیا ہے کہ:۔

"ہندوستان کے لوگ حکمت (فلسفہ) اور طب ہندسہ اور مختلف دستکاریوں کے جو عجیب ہیں، سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔"

قلقشندی نے خود "مسالک الابصار" کے مصنّف کے حوالہ سے ہندوستان کے متعلق یہ الفاظ نقل کیے ہیں:۔

"ہندوستان کے متعلق میں طرح طرح کی باتیں سُنا کرتا تھا جن سے میرے کان اور میری آنکھیں بھر گئی تھیں۔ لیکن چونکہ فاصلہ کی دُوری کی وجہ سے اصل حقیقت کا پتہ نہ چلتا تھا۔ لیکن جب لوگوں سے میں نے پوچھ گچھ شروع کی اور واقعات کی تحقیق کے درپے ہوا تو حقیقت یہ ہے کہ میں نے جو کچھ ہندوستان کے متعلق سُنا تھا اس سے اس کو کہیں زیادہ پایا۔ میں اس ملک کو جو کچھ خیال کرتا تھا معلوم ہوا کہ وہ تو اس سے کہیں زیادہ بہتر اور برتر ہے۔"

Marfat.com

آخر میں اپنی رائے ان الفاظ میں قلم بند کرتا ہے :۔

" ہندوستان کیا ہے، تمہارے لیے اتنی بات سمجھنی کافی ہے کہ یہی وہ ملک ہے جس کے دریا میں تو موتی ہے، خشکی میں سونا ہے۔ پہاڑوں میں اس کے یاقوت اور الماس ہے۔ اس کے جزائر میں کافور اور عود ہے، اس کے شہروں میں بادشاہوں (راجو مہاراجوں) کی گدیاں اور تخت ہیں۔ اس کے جنگلوں میں ہاتھی اور گینڈے ہیں، اسی ملک کے لوہے سے تلواریں بنتی ہیں، اس ملک کی ہر چیز ارزاں ہے (یہاں کی حکومتوں) کی فوج بے شمار اور ان کے علاقے ان گنت، باشندوں میں عقل اور دانش کا زور ہے۔ ہندوستان ہی ایک ایسا ملک ہے جس کے رہنے والے اپنی خواہشوں کو قابو رکھنے میں نظیر نہیں رکھتے اور یہی چیز تو آدمی کو خدا سے نزدیک کرتی ہے۔"

(صبح الاعشی قلقشندی جلد ۵ ص ۶۲)

جیسا کہ میں نے عرض کیا، ان مسلمان سیاحوں کو حالانکہ اس ملک میں گھومنے پھرنے کا بہت کم موقعہ مل سکا ہے۔ لیکن یہاں کی ہر چیز پر اُن کی نظریں پڑتی تھیں اور ان حالات میں بھی انہوں نے ایسی صحیح معلومات اس ملک کے متعلق فراہم کی تھیں جنہیں سُنکر دوسروں کو نہیں ہم لوگوں کو جو ہندوستان کے باشندے ہیں حیرت ہوتی ہے، مثلاً ان ہی شیخ مبارک الانباری کے حوالے سے ہندوستان کی زرعی پیداواروں کی تفصیل قلقشندی نے

Marfat.com

یا یں الفاظ نقل کی ہے۔

"اس ملک میں چاول ہی صرف اکیس قسموں کا پیدا ہوتا ہے
چاول کے سوا گیہوں، جو، مسور، ماش، لوبیا، تل وغیرہ ہر قسم کے غلّے
یہاں ہوتے ہیں۔"

(ایضاً)

میں تو نہیں جانتا کہ آج بھی کوئی ہندوستانی چاول کے متعلق یہ جانتا ہوگا کہ اس کی اکیس[۲۱] قسمیں ہیں۔ زیادہ سے زیادہ ہم لوگوں کو یہ جو کچھ بھی معلوم ہے وہ یہی ہے کہ متعدد قسم کے چاول یہاں پیدا ہوتے ہیں۔"

اسی طرح ہندوستانی گنّوں کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کرنے کے بعد کہ:۔

"اس ملک میں گنّے بڑی کثیر مقدار میں پیدا ہوتے ہیں۔ جن میں ایک قسم گنّے کی ایسی ہوتی ہے جس کا رنگ اوپر سے کچھ سیاہ مائل ہوتا ہے۔ چوسنے کے کام کے لیے یہ گنّے خوب ہیں، ہندوستان کے سوا اور کہیں نہیں ہوتے۔"

پھر گنّوں کے رس کا اور اس کے رس سے جو چیزیں بنائی جاتی ہیں ان کی تفصیل کو اس پر ختم کیا ہے کہ:۔

"مٹھائیاں اس ملک میں ۶۵ قسم کی بنتی ہیں۔"

بتائیے ہم نے اور آپ نے اپنے ملک کی ان مٹھائیوں کو کبھی شمار کیا ہے؟

Marfat.com

پھلوں کے تذکرے میں یہ لکھا ہے کہ:۔

"اس ملک میں شیریں، ترش، کسیلے ہر قسم کے پھل اور میوے ہوتے ہیں۔"

آم کی دلچسپ تعریف

پھر بہت سے ہندوستانی اثمار کو گناتے ہوئے آخر میں لکھا ہے کہ:

"اس ملک میں بکثرت ایسے میوے پائے جاتے ہیں جو نہ شام میں میسر آتے ہیں اور نہ مصر میں۔"

اور اسی کے سلسلہ میں "ہندوستان" کے اس عجیب وغریب "میوے کا بھی ان لوگوں نے تلفظ کی مختلف شکلوں کے ساتھ ذکر کیا ہے جو کہنے میں تو ایک پھل ہے لیکن رنگ روپ، شکل وصورت، مقدار کے کبر وصغر، مختلف قسم کی خوشبو اور آخر میں اپنے لامحدود ذائقوں کے تفاوت کے لحاظ سے کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستانیوں کو ایک میوہ نہیں بلکہ سینکڑوں میوے اس کے قالب میں عطا کیے گئے ہیں۔ میری مراد "آم" سے ہے۔ ان سارے سیاحوں نے اس "آم" کا تذکرہ کیا ہے۔ کوئی تو اس کا نام لے کر کہتا ہے کہ:۔

ولھم فاکھۃ تشبہ الخرج	ہندوستان والوں کے پاس ایک پھل ہے
یسمونہا الانبج تقارب الخرج	جو شفتالو جیسا ہوتا ہے نام اس کا انبج
	ہے۔ شفتالو کے برابر قریب قریب
(ابن حوقل ص ۳۲۸)	اس کا قد ہے۔

Marfat.com

یہ ابن حوقل کا بیان معلوم ہوتا ہے کہ اس بے چارے نے "آم" کے متعلق صرف کسی سے سن لیا ہے کہ اس کا مزہ شفتالو جیسا ہوتا ہے اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ وہ صرف سندھ تک پہنچا ہے۔ جہاں تک میں جانتا ہوں سندھ میں "آم" نہیں ہوتے یا ہوتے ہوں گے تو وہ شفتالو سے زیادہ اپنے اندر کوئی کیفیت نہ رکھتے ہوں، لیکن دلچسپ لفظ "آم" کا قلقشندی نے درج کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ:۔

وبھا فواکہ اخری لا یعھد	اس میں اور بھی طرح طرح کے میوے
مثلھا بمصر والشام کالعنباء	ہیں ایسے میوے شام و مصر میں نہیں پائے
وغیرھا۔	جاتے مثلاً عنباً یا اس کے اور دوسرے
(صبح الاعشیٰ جلد ۵ ص ۸۳)	پھل۔

گویا ان کے خیال میں "آم" عنب (انگور) جیسا کوئی میوہ ہے لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا آم شفتالو بھی ہے اور انگور بھی اور وہ سب کچھ ہے جسے دنیا میں لوگ فواکہ اور اثمار میں شمار کرتے ہیں۔ گویا اس کی مثال اس عربی شعر کی ہے۔ کسی نے کہا ہے ؎

لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

لہ آم کی تعریف میں مرزا بیدل عظیم آبادی کی اس مشہور رباعی میں بھی کچھ اسی قسم کا دعویٰ کیا گیا ہے

رباعی:۔ تا انبہ نمو بہ باغ آثار آورد اسرار قدم جملہ باظہار آورد
اصل و فرعش بجز حقیقت ننمود مولا گل کرد و انبیا بار آورد

Marfat.com

ترجمہ: خدا کے لیے یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے کہ ایک ہی چیز میں سارے عالم کی خوبیوں کو جمع کر دے۔

مطلب یہ ہے کہ "ابنہ" کا عالم آثار کے باغ میں جب ظہور ہوا تو ازل کے سارے اسرار اس کے ذریعہ سے دنیا میں ظاہر ہو گئے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ازل کے حقیقی اسرار دو ہی ہیں خدا اور خدا کے انبیاء (اب دیکھو! آدم کے پھول کو لوگ مولہ کہتے ہیں (آج کل یو۔پی میں بور بعض علاقوں میں مور بہار میں منجر کہتے ہیں) بس آم کا پھول تو مولی ٹھہرا اور پھل اپنی ابتدائی حالت میں "انبیاء" کہلاتا ہے۔ گویا ازل کے ان دونوں اسرار پر پھول پھل آم کے مشتمل ہیں، ایک اور عظیم آبادی شاعر نے اردو میں آم کو داد ان الفاظ میں دی ہے ؎

انبت اللہ نباتاً حسناً کا منکر | نہیں کافر ہے تو پھر کس کو کہیں ہم کافر
انبیاء سے نہیں بہتر ہے اگر کوئی ثمر | ہے پھلوں پر یونہی انبہ کی فضیلت ظاہر

ایک دلچسپ لطیفہ اس سلسلے میں یہ بھی ہے کہ قرآن میں اپنی نعمتوں کو جتلاتے ہوئے ارشاد ہوا ہے کہ بنی آدم کو "فاکہتہ و ابا" دیئے گئے ہیں۔ فاکہہ کے معنے تو میوے کے ہیں لیکن "ابا" کا لفظ قرآن میں جو آیا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ عجیب بات ہے کہ خلیفہ اوّل حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جب پوچھا گیا تو آپ نے اس کے جواب میں وہ مشہور فقرہ فرمایا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ مجھے کون سی زمین اٹھائے گی اور کون سا آسمان اپنا سایہ مجھ پر ڈالے گا۔ اگر خدا کی کتاب کے متعلق میں ایسی بات کہوں جسے میں نہیں جانتا، یعنے آپ نے اس لفظ کے معنے سے لاعلمی کا اظہار فرمایا۔ پھر حضرت عمرؓ سے بھی اس قسم کی روایت آئی ہے یعنے آپ نے بھی فرمایا ہے کہ مجھے اس لفظ کے معنے

Marfat.com

الغرض اسی طرح ہندوستان کی ترکاریوں اور یہاں کی بھاجیوں تک کے نام ان لوگوں نے گنوائے ہیں۔ ہندوستان میں خاص خاص طرح کے جو پھول ہوتے ہیں ان کی بھی ایک حد تک ان لوگوں نے فہرست دی ہے۔

ہندوستان میں سواری کے جانور

بلکہ اسی سلسلہ میں ہندوستان" کے حیوانات" کا عنوان قائم کر کے ایک دلچسپ بات یہ لکھی ہے کہ:۔

"گو ہندوستان میں خچر اور گدھے بھی ہوتے ہیں لیکن عموماً یہاں لوگ نہ خچروں ہی پر چڑھنا پسند کرتے ہیں اور نہ گدھوں پر، بلکہ گدھوں کی سواری ہندوستان میں بہت معیوب اور ذلّت کی بات ہے سمجھی جاتی ہے۔ عموماً سواری گھوڑوں پر اور بیل کی

معلوم نہیں ہیں۔ اگرچہ باوجود ان آثار کے متاخرین مفسّرین نے اس کا ترجمہ گھاس چارہ" کر دیا ہے۔ بعضوں کا خیال ہے کہ جب مفسّرین نے صدیقی وفاروقی آثار کے باوجود مطلب بیان کرنے کی جرأت کی ہے تو فاکہہ کے قرینے سے آدمی کا ذہن اگر "اب" کے لفظ سے "انب" کی طرف منتقل ہو جائے جو آم کا قدیم ہندی لفظ ہے۔ ایرانیوں میں "انبہ" کی شکل میں یہ لفظ مروج ہوا۔ اگر عرب میں وہی "انب" "اب" ہو گیا تو کیا تعجّب ہے۔ خصوصاً جب ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ یمن کے ساحلی شہروں میں "انب" کے درخت پائے جاتے ہیں ۱۲

Marfat.com

اس سلسلہ میں عموماً ہاتھی کی سواری کا ذکر خصوصیت سے ادا کرتے ہیں، بلکہ بعض باتیں اس موقعہ پر ان لوگوں نے ایسی لکھی ہیں جن سے عام طور پر ہم ہندوستانی لوگ شاید ہی واقف ہوں۔ مثلاً ابن خردادبہ نے لکھا ہے کہ:۔

"ہندوستان کے راجوں اور مہاراجوں میں اس وقت اس کا بہت شوق ہے کہ ان کا ہاتھی جتنا اونچا ہو بہتر ہے اور ہاتھیوں کی کمی بیشی کا مدار زیادہ تر اس کی بلندی اور پستی ہی پر ہے۔"

اس کے بعد اس خاص بات کا ذکر کرتا ہے کہ:۔

"اونچے سے اونچے ہاتھی کا قد نو ہاتھ سے زائد نہیں ہوتا البتہ اغیاب (سیلون کے جنگل کو کہتے ہیں) کی ہتھنی دس ہاتھ کبھی گیارہ ہاتھ تک اونچی ہوتی ہے۔"

(ابن خردادبہ ص۶۶)

ایک ہاتھی کے دلچسپ واقعات

ہاتھی کے تذکرے میں بعض دلچسپ واقعات کا بھی ان لوگوں نے تذکرہ کیا ہے۔ مثلاً بزرگ بن شہریار نے یہ روایت درج کی ہے کہ:۔

"بعض لوگوں نے مجھ سے بیان کیا کہ ہندوستان کے ایک شہر میں اس نے ایک ہاتھی کو دیکھا تھا جو اپنے مالک کی تمام ضرورتوں کو انجام دیا کرتا تھا، اس کا مالک روزانہ اس زنبیل کو ہاتھی کے حوالے کر دیا کرتا تھا، جس میں بازار سے ضرورت کی چیزیں آتی تھیں۔ اسی زنبیل میں وہ کوڑیاں رکھ دیتا تھا کہ ان لوگوں

Marfat.com

کے یہاں بطور سکّے کے کوڑیوں ہی کا رواج ہے اور کوڑیوں کے ساتھ ان چیزوں کے نمونے بھی اسی تھیلی میں رکھ دیئے جاتے تھے جن کا منگوانا مقصود ہوتا۔ خواہ وہ کچھ ہو ہاتھی اس زنبیل کو لے کر بنئے کی دکان پر آ جاتا۔ بنیا ہاتھی کو دیکھتے ہی اپنے سارے کاروبار چھوڑ کر ہاتھی کے پاس آ جاتا۔ کسی قسم کی کوئی ضرورت ہو۔ کسی قسم کا گاہک بنئے کے سر پر کھڑا کیوں نہ ہو لیکن اس وقت ہاتھی کے سوا کسی کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اور زنبیل کو اس سے لے کر کوڑیوں کو گنتا اور ان نمونوں کو دیکھ لیتا پھر اس کی دکان میں بہتر سے بہتر چیز ان نمونوں کی جو ہوتی انہیں زنبیل میں رکھ دیتا اور اس کا خیال رکھتا کہ کم سے کم بھاؤ میں چیزیں ہاتھی کی زنبیل میں رکھی جائیں۔ اور ہاتھی اگر کچھ اضافہ پر اصرار کرتا تو چپکے سے اس اضافہ کو بھی زنبیل کے سپرد کر دینا ضروری خیال کرتا تھا۔

کبھی بنیا کوڑیوں کے گننے میں اگر غلطی کرتا تو ہاتھی اپنی سونڈ سے گڑبڑ مچانے لگتا۔ مجبوراً کوڑیوں کو بنیا پھر گنتا اور ہاتھی چیزوں کو لے کر اپنے مالک کے گھر واپس ہوتا۔ اگر اتفاق سے ہاتھی کی لائی ہوئی چیز کو مالک کچھ کم خیال کرتا تو ہاتھی کے چند دھول رسید کرتا۔ بے چارہ ہاتھی اسی وقت بنئے کی دکان کی طرف واپس لوٹ کر سونڈ سے اس کی دکان کی چیز کو بکھیرنے اور الٹ پلٹ

Marfat.com

کرنے لگتا۔ بنئے کے بلیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ یا تو حسبِ مرتضیٰ چیز کا اضافہ کرے یا اس کی کوڑیاں گن کر واپس کر دے۔

اس ہاتھی میں یہ کمالات بھی تھے کہ وہ مالک کے گھر میں جھاڑو بھی دیتا۔ پانی چھڑکتا۔ اور چاول بھی کوٹتا یعنے سونڈ میں موسل کو لے کر چاول پر ضرب لگاتا۔ ایک آدمی اس کے سامنے دھان کو جمع کرتا جاتا اور وہ اس کو کوٹتا جاتا تھا۔ اسی ہاتھی پر پانی بھی اس کا مالک منگوایا کرتا تھا۔ جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اپنی سونڈ میں ڈول، رسی کے ساتھ ہاتھی لے جاتا ہے اور کنویں سے بھر کر مالک کے گھر پانی پہنچاتا ہے۔ الغرض اسی طرح اپنے مالک کی تمام ضرورتیں یہی ہاتھی پوری کیا کرتا تھا۔ اور علاوہ اس کے جب سواری کی ضرورت ہوتی تو اس کا مالک اس کام کو بھی اس سے لیا کرتا تھا۔ دور دراز مقامات کا سفر اس پر کیا کرتا تھا۔ ہاتھی خود اپنے لیے چارہ اس طرح لاتا کہ ایک بچّہ اس کی پیٹھ پر بیٹھ جاتا اور اس کو لے کر ہاتھی جنگل چلا جاتا سونڈ سے جنگل کی گھاس اکھاڑ کر درختوں کے پتے توڑ توڑ کر اس بچے کے حوالے کرتا وہ اس کو اس کی پیٹھ پر جمع کرتا یہی گھاس اور پتے اس ہاتھی کی خوراک تھی۔"

اسی راوی کا بیان ہے کہ:۔

Marfat.com

"اسی قسم کے سدھائے ہوئے ہاتھیوں کی قیمت دس دس ہزار درم تک ہوتی ہے"

(بزرگ بن شہریار ص ۱۰۵)

ہندوستان کے جنگی ہاتھی

سندھ میں جب مسلمان پہنچے تو ہندوستان کے اس عجیب و غریب جانور سے انہیں کافی دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔ المسعودی نے "ہندی فیل" کا تذکرہ کرتے ہوئے اور یہ کہ ہندوستان میں جنگ کا ایک اہم عنصر ہاتھی ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ:۔

"جنگی ہاتھی لوہے میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے۔ اس کو زرہ پہنائی جاتی ہے اور سونڈ میں اس کے قرطل (کٹار) ہوتی ہے جو ایک قسم کی ہندوستانی تلوار ہے۔ پان پان سو آدمی چاروں طرف سے اس ہاتھی کو گھیرے رہتے ہیں جو اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ اور اس کو روک کر آگے بڑھاتے ہیں"

اس کے بعد اس نے سندھ کے مشہور شہر منصورہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

"منصورہ" منصور بن جمہور کے نام پر موسوم ہے۔ جو بنی امیہ کی طرف سے سندھ کا گورنر تھا۔ اسی منصورہ کا جو آجکل بادشاہ ہے اس کے پاس ایک جنگلی ہتھنی ہے اور اسی اور ہاتھی

Marfat.com

ہیں۔"

آخر میں اس نے بیان کیا ہے کہ:۔

"اسی سندھی بادشاہ کے دو ہاتھیوں کو میں نے بھی دیکھا ہے جو بہت بڑے تھے، ان کی ہند و سندھ کے راجوڑوں میں بڑی شہرت تھی۔ کیونکہ یہ دونوں ہاتھی بڑے بہادر، دلیر اور آگے بڑھ کر حملہ کرنے کی خاص مشق رکھتے تھے، ان میں سے ایک ہاتھی کا نام منغر فلس اور دوسرے کا نام حیدرہ تھا۔"

المسعودی نے اس کے بعد یہ عجیب روایت درج کی ہے کہ:۔

"اوّل الذکر یعنی منغر فلس کے متعلق عجیب عجیب خبریں مشہور ہیں اس ملک میں بھی اور یہاں سے باہر بھی جن میں ایک خبر تو یہ ہے کہ اس کا فیل بان (سوّاس) مرگیا تو چند دن تک منغر نہ کچھ کھاتا تھا اور نہ پیتا تھا۔ اور جیسے کوئی روتا ہے اس طرح رونے کی آواز نکالتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی غم رسیدہ آدمی رو رہا ہے اس ہاتھی کی آنکھوں سے مسلسل آنسو جاری تھے۔"

اسی طرح دوسری خبر اسی کے متعلق یہ مشہور ہے کہ ایک دن فیل خانے سے (جائزہ دینے کے لیے) سب شاہی ہاتھی نکلے آگے آگے سب کے منغر فلس تھا۔ اس کے پیچھے حیدرہ اور حیدرہ کے پیچھے دوسرے اسّی ہاتھی قطار باندھے یوں ہی سب جا رہے تھے، راستے میں ان کی گذر ایک کم چوڑی گلی میں ہوئی۔ ادھر

Marfat.com

سے ایک بے چاری عورت چلی آرہی تھی۔ ہاتھی کو دیکھ کر اس پر جو خوف طاری ہوا بدحواس ہو کر گر پڑی اور اس کی ساڑی بدن سے الگ ہو گئی کہتے ہیں کہ منعر فلس عورت کے اس حال کو دیکھ کر فوراً وہیں ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا۔ بلکہ مڑ کر اس نے گلی کے عرض کو روک کر کچھ ایسی صورت اختیار کی کہ دوسرے ہاتھی اب آگے نہیں جا سکتے تھے۔ اور سونڈ سے منعر فلس اس عورت کو اشارہ کرنے لگا کہ اُٹھ کر ساڑی کو اپنے بدن پہ ڈال لے اور اس کے جسم کا جو حصہ کھل گیا ہے اُسے ڈھانک لے۔ عورت بے چاری اٹھی اور کپڑے درست کر کے جب وہ نکل گئی تب پھر گلی کی سیدھ کی طرف رخ کر کے منعر فلس آگے بڑھا۔ اور دوسرے ہاتھی اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔"

المسعودی نے یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

"جنگ کے سوا ہاتھی سواری کا کام بھی دیتے ہیں اور گاڑی بھی ہندوستان میں کھینچتے ہیں۔ بلکہ کھو ند کر بیلوں سے جیسے دھان نکلوا لئے جاتے ہیں ہاتھیوں سے بھی ہندوستان میں یہ کام لیا جاتا ہے۔"

اس نے یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ:۔

"حبشہ میں حالانکہ ہاتھی ہندوستان سے بہت زیادہ ہیں۔ لیکن وہاں کے لوگوں نے انہیں سدھایا نہیں ہے سب

Marfat.com

وحشی ہیں۔"

(المسعودی ص ۲۴۶)

ہندوستانی حکمرانوں کی معاشرت

اسی طرح ان سیاحوں نے ان حکمرانوں کا جو اُس زمانہ میں ہندوستان پر حکومت کرتے تھے ان کے خصوصی عادات واطوار کا بھی تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ سلیمان نے لکھا ہے کہ:۔

"ہندوستان کے راجگان و مہاراجگان عموماً کانوں میں ایسی سونے کی بالیاں پہنتے ہیں جن میں قیمتی جواہرات جڑے ہوتے ہیں اور اپنے گلوں میں سبز سرخ جواہرات کے ہار ڈالتے ہیں۔ جن میں موتی بھی جگمگاتے رہتے ہیں اور یہی چیزیں ان لوگوں کے خزانوں کے بہترین سرمائے ہیں۔ ان کے فوجی سرداروں اور کشوری حکّام و عہدہ داروں میں اس قسم کے زیورات کا عام مذاق پایا جاتا ہے۔"

(سلیمان ص ۱۴۵)

کہاروں پر سوار ہونے کا عام طریقہ جو اب بھی ہندوستان میں مروج ہے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے ان لوگوں نے بیان کیا ہے کہ:۔

"اس ملک کے راجوں مہاراجوں اور دوسرے ارباب ثروت و دولت کا قاعدہ ہے کہ ایک قسم کی خاص سواری

Marfat.com

پر سوار ہوتے ہیں جسے الہندول (یعنے ہنڈول) کہتے ہیں۔ گویا وہ محفّہ کی جیسی ایک چیز ہوتی ہے۔ گویا سمجھنا چاہیئے کہ (بجائے اونٹوں کے) آدمیوں کے کندھوں پر محفّہ جا رہا ہے۔ ان سواریوں کے اندر ایک خاص قسم کا طلائی ظرف (پاندان) ہوتا ہے جسے کرندہ کہتے ہیں۔ اس میں ورق التنبول (پان) ہوتا ہے اور دوسری ضرورت کی چیزیں، دوسرے لوگ سروں پر اٹھائے ہوئے سواری کے ساتھ چلتے ہیں۔ راجہ شہر میں اسی طریقہ سے گھومتا ہے اور پان چپاتا جاتا ہے اور اس کے سامنے ایک اور برتن مبصقہ (اگالدان) ہوتا ہے۔ اسی میں پیک ڈالتا جاتا ہے“

(عجائب الہند ص ۱۱۸)

آپ دیکھ رہے ہیں کہ آج سے سینکڑوں برس پہلے کی ہندی معاشرت کا کتنی گہری نظروں سے ان لوگوں نے مطالعہ کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان اور ہندوستان کے باشندوں کے ساتھ ان مسلمانوں کی دلچسپیوں کا حال کیا تھا۔

پیشہ ور عورتوں کا رواج

سلیمان تاجر کے حوالے سے میں اوپر نقل کر چکا ہوں کہ ہندوستان

Marfat.com

میں زنا کی سزا قتل تھی۔ مرد عورت دونوں کی رضامندی سے فعل اگر صادر ہوتا تو دونوں ختم کر دیئے جاتے تھے۔ اور اگر یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورت کے ساتھ جبر و زبردستی کی گئی ہے تو صرف مرد ہی قتل ہوتا تھا۔ مگران ہی مؤرخین کے بیانات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں کسبیوں اور پیشہ ور عورتوں کا طبقہ ان کے زمانے میں بھی موجود تھا۔ چنانچہ ابوزید السیرانی نے ہندوستانی رطاسم اور یہاں کے حالات کے تذکرہ میں جہاں سراؤں کا تذکرہ کیا ہے اسی میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ:۔

"ان سراؤں میں باضابطہ پیشوا کرانے والی عورتیں بھی رہتی ہیں جن سے آنے جانے والے لوگ اپنا منہ کالا کرتے ہیں[1]۔"

---

[1] مسلمان مؤرخین سے زیادہ ہندوؤں کے ساتھ خوش عقیدگی رکھنے والی، میں تو نہیں خیال کرتا کہ دوسری قوم کے ارباب تاریخ میں کوئی جماعت ہوگی۔ خوش اعتقادی کی حد یہ ہے کہ مسالک الابصار کے مصنف نے فول جو سیم کے بیج کی طرح ایک ترکاری ہے۔ مصر میں اور اب تو عرب میں بکثرت اس کا رواج بڑھ گیا ہے۔ اس فول کا ذکر کر کے اسی مسلمان مؤرخ نے لکھا کہ "ہندمیں فول نہیں پایا جاتا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ ہندوستان والے حکماء میں فول ان کے نزدیک شاید ایسی ترکاری ہے جس سے آدمی کا عقلی جوہر بگڑ جاتا ہے (صبح الاعشیٰ جلدہ ص ۸۲) یہی مجھے کہنا ہے کہ ہندوستان کے باب اتنے غالی معتقد مؤرخوں کے بیانوں پر نہ اعتماد کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی۔ بھلائیوں کے ساتھ جن برائیوں کا مشاہدہ اس ملک میں انہوں نے کیا ہے

Marfat.com

نہیں کہا جا سکتا کہ اس قسم کی باتوں کا رواج اس ملک میں کب سے ہوا۔ کیونکہ ہندوستانی معاشرت کے متعلق قدیم ادبیات کا جو ذخیرہ پایا جاتا ہے، اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کی عفت و ناموس کا سب سے بڑا محافظ یعنے حجاب اور پردہ کا قانون تھا۔ جو اس ملک میں عام طور پر مروّج تھا۔

قدیم ہندوستان میں پردہ کا دستور

رامائن اور مہابھارت میں جو قصّے مذکور ہیں۔ ان قصّوں کے پڑھنے والوں کو قدم قدم پر ایسی چیزیں ملتی ہیں جن سے ان کی تصدیق ہوتی ہے کہ قدیم ہندوستانی معاشرت میں پردہ اور حجاب ایک بڑا اہم عنصر تھا۔ رامائن میں ہے کہ جس وقت بن باس ہونے کے ارادہ سے سری رام چندر جی مہراج سیتا کے ساتھ گھر سے نکلے تو لوگوں نے شور مچایا کہ:۔

"کیا بُرا وقت ہے کہ وہ سیتا رانی جن کو کبھی آسمانی دیوتا بھی نہ دیکھ پاتے تھے آج بازاری لوگ اس کو دیکھتے ہیں"

(رامائن ایودھیا کانڈم سرگ ۳۳ ص ۱۹۷)

پھر جب لنکا فتح کر کے سیتا جی کو راون کی قید سے چھڑا کر رامچندر جی آئے تو بالمیکی نے لکھا ہے کہ راجہ دی بھلیشن کو سری رامچندر جی نے حکم دیا کہ نہلا

بیان کر دیا ہے ۱۲

دھلا کر سیتا کو لاؤ۔ دی بھیشن سیتا جی کو پالکی میں سوار کر کے لایا اور مہاراج کو اطلاع دی۔ حکم ملا کہ ہمارے سامنے پیش کرو۔ دی بھیشن نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اردگرد کے لوگوں کو ہٹ جانے کا حکم دیا۔ تاکہ پردہ ہو جائے۔ لوگوں کے ہٹنے میں شور و غل ہوا۔ رامچندر جی نے نظر اٹھا کر دیکھا اور کہا کہ ہمارے حکم کے بغیر لوگوں کو کیوں ہٹایا گیا۔ اس کے بعد دی بھیشن کو دیدک دھرم کے اس قانون سے مطلع کیا کہ :-

"سنواغم کے موقع پر، مجبوریوں میں لڑائیوں میں، سوئمبر کے وقت اور قربانیوں میں اور بیاہوں میں عورت کا سامنے آجانا اور مرد کی نگاہ کا اس پر پڑ جانا گناہ نہیں ہے۔ یہ سیتا بھی مصیبت زدہ ہے۔ مجبوریوں میں گرفتار رہے اس کے سامنے آنے میں کوئی حرج نہیں۔ خاص کر جب کہ میں موجود ہوں۔"

(رامائن یدھ کانڈم سرگ ۱۱۴، ص ۹۴۲)

سیتا جی کو پالکی سے اتار کر دی بھیشن جب رام مہاراج کے حضور میں لے چلے تو سیتا رانی بے پردگی کی شرم سے دوہری ہوتی جاتی تھیں گویا اپنے آپ کو اپنے بدن ہی کے اندر چھپاتی تھیں۔

(یدھ کانڈم سرگ ص ۱۱۴)

الغرض مردوں کی سوسائٹی کا عورتوں کی سوسائٹی سے جدا رہنا، جو قانونِ حجاب کی روح ہے، ایک ایسا مسئلہ ہے جسے ہم رامائن کے امورِ عامہ میں

Marfat.com

شمار کر سکتے ہیں۔ راجہ جنک کے متعلق لکھا ہے کہ رامچندر کی والدہ کوشلیا سے ایک دفعہ گفتگو کرنے کی ضرورت ان کو پیش آئی تو براہ راست گفتگو نہیں کی۔ بلکہ دربان کی معرفت گفتگو ہوئی۔

(رانئرارام چرتیم انکہ ۴)

لچھمن جی مہاراج کی سب سے بڑی تعریف یہ کی گئی ہے کہ بن باس کے زمانہ میں شب و روز سیتا جی کے ساتھ رہے لیکن لچھمن جی کہتے تھے کہ میں نے سیتا جی کے صرف پاؤں دیکھے ہیں۔ اسی طرح راجہ سوگریوہ بندروں کا راجہ جسے کہا جاتا تھا ہے۔ اس کے متعلق لکھا ہے کہ ڈر کے مارے بجائے اپنے اپنی رانی کو لچھمن جی بات کرنے کے لیے بھیدیا۔ لیکن عورت کو دیکھ کر لچھمن جی نے منہ پھیر لیا۔ اور گردن نیچی کر لی۔

(راماٹن کشن کانڈم سرگ ۳۳)

اسی بنیاد پر ان کی تعریف ہوئی کہ غیر عورت پر انہوں نے نظر نہ کی۔ راماٹن ہی میں ہے کہ رام مہاراج کے اندرونی دروازے سے بڑھیا عورتوں کا پہرہ رہتا تھا۔ (راماٹن ایودھیا کانڈم سرگ ۸ اشلوک ۳)

اب مہابھارت کا مطالعہ کیجئے۔ دروپدی کو جب پانڈو ہار گئے اور دریودھن نے دروپدی کو برسر دربار پکڑ کر بلوایا تو اس وقت دروپدی نے تقریر کی "اے بزرگو! راجاؤں نے مجھے سوئمبر کے موقع پر دیکھا تھا اس سے پہلے مجھے کسی نے نہیں دیکھا تھا اور سورج بھی مجھے نہ دیکھ پاتا تھا۔ آج بدقسمتی سے مجھے غیر مردوں کے سامنے آنا پڑا اور اجنبی لوگ مجھے دیکھ

Marfat.com

رہے ہیں اس سے بڑھ کر اور کیا ذلت ہوگی کہ مجھ جیسی پاکدامن خاتون کو لوگوں کے سامنے آنا پڑا۔ ہزار افسوس ہے کہ راجہ ازلی دھرم کو بیٹھے۔ ہم تو سنتے آئے ہیں کہ قدیم شرفاء کبھی بھی اپنی منکوحہ بیوی کو مجمع میں نہ لے جاتے تھے۔ افسوس کہ اس خاندان کا دھرم جاتا رہا۔

(مہابھارت سبھا پردہ ادھیا ۶۹ ص ۶۱)

اسی مہابھارت میں ہے کہ سری کرشن کے ماموں کنش راجہ متھرا نے کُشتی کا دنگل جب قائم کیا تو مستورات کے لیے جو خاص مقام تماشہ دیکھنے کے لیے بنوائے گئے تھے ان کے متعلق لکھا ہے کہ وہ بلندی میں اڑتے ہوئے راج ہنس جیسے دکھائی دیتے تھے جن میں باریک جالی تماشہ دیکھنے کے لیے لگائی گئی تھی۔

(وشنو پردہ ادھیا ۱۹)

بہرحال منوجی تک کا یہ حکم جب ہندو مذہب میں موجود ہے کہ مرد تنہائی میں ماں، بہن، بیٹی کے سامنے نہ بیٹھے۔ وجہ یہ بتائی کہ شہوت سے آدمی مغلوب ہو جاتا ہے لکھے پڑھے لوگ بھی پھسل پڑتے ہیں۔

(ادھیا ۲ ص ۶۹)

تو اب اس کے بعد قانون حجاب کے لیے ویدک دھرم میں اور کیا چاہیئے تھا۔ کل جگ کی علامتوں کو بتاتے ہوئے برہما پران میں ہے کہ آخری زمانہ میں عورتیں بگڑ جائیں گی۔ بے پردہ دونوں ہاتھوں سے بالوں کو سنواریں گی کسی کی کچھ پرواہ نہ کریں گی۔ (شلوک ۳۹-ادھیا ۲ ص ۱۲۲)

Marfat.com

ہرش چرنیم بیان نے لکھا ہے کہ جب سے شریف اور خاندانی عورتوں کے منہ پر نقاب کی جالی نہیں ان کی شرم و حیا جاتی رہی ہے۔

(ہرانش اچھواس ۳)

بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے بہت سے قدیم اصول پر بہ تدریج ایام الخلّاط میں زوال آیا اسی کا شکار پردہ کا قانون بھی ہندوستان میں ہوا۔ سلیمان تاجر جس زمانہ میں ہندوستان آیا وہ اپنا مشاہدہ ان الفاظ میں قلمبند کرتا ہے کہ:۔

"اس ملک کے اکثر راجہ اپنی رانیوں کو باہر نکالتے ہیں اور ان سے ملنے کے لیے جو لوگ آتے ہیں ان کے سامنے اپنی رانیوں کو بھی لاتے ہیں۔ خواہ یہ ملنے والے خود ان کے ملک کے ہوں یا باہر کے ہوں۔ رانیاں دیکھنے والوں سے پردہ نہیں کرتیں"

(سلیمان ۱۴۷)

جُوئے کا عام رواج اور اس کے حیرت انگیز واقعات

خیال تو کیجئے قمار یعنے جوا بھی کوئی ایسا فعل ہو سکتا ہے۔ جس کی برائیوں تک پہنچنے کے لیے کچھ زیادہ غور و فکر کی ضرورت ہے لیکن یہی ہندوستان ہے جس کے فلاسفر اور حکماء کا ذکر اسلامی مؤرخین اتنی بلند آہنگیوں کے ساتھ کرتے ہیں لیکن اسی کے ساتھ وہی یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ:۔

Marfat.com

"وہاں لوگوں میں نرد اور جوئے کا عام رواج ہے اور وسیع پیمانے پر یہ رواج ملک میں پھیلا ہوا ہے۔ حتیٰ کہ غریب اور مفلس لوگ بھی اس راہ میں اپنی مردانگی دکھاتے ہیں۔"

سرانديپ کے ذکر میں بھی لکھا ہے اور واللہ اعلم سرانديپ ہی تک یہ بات محدود تھی یا ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں بھی اس کا رواج تھا یعنی لکھا ہے کہ:۔

"زیادہ تر یہ لوگ جوا مرغ کے ساتھ کھیلتے ہیں۔ مرغ اس علاقہ میں بڑے بڑے فربہ اور موٹے ہوتے ہیں۔ جن کے پنجے اور جنگل بڑے لمبے لمبے اور تیز ہوتے ہیں۔"

اسی سلسلہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

"مرغوں کے چنگلوں میں یہ لوگ چھوٹی چھوٹی تیز چھریاں باندھ دیتے ہیں اور انہی سے وہ لڑتے ہیں۔ جو مرغ غالب آجاتا ہے اس کی قیمت سونے کے سکّے سے بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔"

آگے لکھا ہے کہ:۔

"جوئے میں داؤ پر سونا۔ چاندی، زمین مختلف قسم کے نباتات وغیرہ چیزیں لگائی جاتی ہیں۔"

Marfat.com

اور دردناک قصہ ان لوگوں کا بیان ہے جو داؤ پر اپنی انگلیوں کو لگا دیتا ہے۔ ہارنے والے کی انگلیاں جیتنے والے اسی وقت پتھر پر رکھ کر کلہاڑی سے کاٹ دیتے تھے۔ سلیمان کا بیان ہے کہ:۔

"انگلیوں پر جوا کھیلنے والوں کے بازو میں برتن رکھا رہتا ہے جس میں ناریل کا تیل ہوتا ہے۔ کیونکہ زیتون کا تیل اس ملک میں نہیں پایا جاتا۔ تیل کا ظرف آگ پر رکھا رہتا ہے بیچ میں کلہاڑی دھری رہتی ہے۔ کلہاڑی کو خوب تیز کر لیتے ہیں پھر فریقین میں جو جیت جاتا ہے تو ہارنے والے کے ہاتھ کو پتھر پر رکھ کر کلہاڑی مارتے ہیں۔ انگلیاں اس ہارنے والے بیچارے کی اسی وقت جدا ہو جاتی ہیں وہ فوراً اپنے ہاتھ کو اسی کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دیتا ہے جس سے خون بند ہو جاتا ہے عجیب تر باب اس کے بعد لکھی یہ ہے کہ:۔

ولا یقطعہ ذالک عن المعاودۃ فی اللعب۔ (سلیمان ص ۱۳۵)

لیکن جوئے کے کھیل سے یہ حادثہ بھی اس کو نہیں روکتا۔

سلیمان نے شاید اپنا یہ مشاہدہ ہی بیان کیا ہے کہ:۔

"بسا اوقات دونوں فریق اس حال میں جدا ہوتے ہیں کہ دونوں کے ہاتھ انگلیوں سے خالی ہوتے ہیں۔"

(سلیمان ص ۱۲۵)

Marfat.com

ایک ترکیب خون کے بند کرنے کی یہ بھی لکھی ہے کہ :۔

"وہ تیل میں تر کی ہوئی بتی کو جلا کر کٹے ہوئے مقام پر رکھ دیتے ہیں جس سے وہ مقام جل جاتا ہے۔ جلے ہوئے گوشت کی بدبو پھیلتی رہتی ہے لیکن اس حال میں بھی وہی جواری جوا کھیلنے میں مشغول رہتا ہے اور کسی قسم کا اضطراب یا پریشانی اس سے ظاہر نہیں ہوتی۔"

(سلیمان ص ۱۲۵)

ستی کی رسم

حیرت ہے کہ اس ہوش و حواس کے باوجود ہندوستان ستی اور خودکشی کے رواج کو بند نہ کرسکا۔ سلیمان وغیرہ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے کہ :۔

"ہندوستان کے راجوں کا قاعدہ ہے کہ جب مرتے ہیں تو ان کی رانیاں بھی ان کے ساتھ جل جاتی ہیں البتہ اگر ان کی خواہش نہ ہو تو اس حرکت سے رک بھی سکتی ہیں۔"

واللہ اعلم سلیمان نے اس رسم کو ہندوستان کے راجوں تک کیوں محدود بنا لیا ہے بعد کے سیاحوں نے اس کو ہندوستان کی عمومی رسم میں شمار کیا ہے اور یوں بھی بند ہونے سے پہلے جیسا کہ سب جانتے ہیں عوام و خواص سب ہی میں یہ رسم پائی جاتی تھی۔

Marfat.com

خودکشی کا رواج

اور خودکشی کی یہ رسم کچھ زن و شوہر کے تعلقات ہی کے ساتھ وابستہ نہ تھی بلکہ ان سیاحوں کا بیان ہے کہ اس کے سوا بھی دوسری صورتیں اس ملک میں رواج پذیر تھیں۔ مثلاً سلیمان نے لکھا ہے کہ:۔

"بلھرا کے اور اس کے سوا دوسرے راجگان ہند کے ممالک میں یہ دستور ہے کہ لوگ اپنے کو قصداً آگ میں جھونک کر جل جاتے ہیں۔"

سلیمان نے اس کی توجیہہ بھی کی ہے کہ:۔

"تناسخ کے اعتقاد نے ان کو اس فعل پر جری بنا دیا ہے۔ اس عقیدے پر ان کا ایمان ہے اور بغیر کسی تذبذب کے وہ اس پر یقین رکھتے ہیں۔"

آگے اسی سلسلہ میں اسی نے بیان کیا ہے کہ:۔

"ہندوستان کے بعض راجوں کا دستور ہے کہ جب وہ گدی نشین ہوتا ہے تو اس کے لیے بھات پکایا جاتا ہے اور کیلے کے پتوں پر راجہ کے سامنے وہ بھات رکھا جاتا ہے۔ راجہ اپنے لوگوں میں سے بعض افراد کو بلاتا ہے جن کی تعداد تین سو چار سو کے قریب ہوتی ہے ان لوگوں کو راجہ مجبور نہیں کرتا بلکہ اپنے اختیار سے وہ

Marfat.com

راجہ کی اس دعوت میں شریک ہوتے ہیں۔ راجہ ان آنے والوں کو اسی بھات سے خود کچھ کھا لینے کے بعد عطا کرتا ہے۔ ایک ایک کر کے لوگ راجہ کے پاس آتے ہیں اور بھات کا جو حصہ ان کو ملنا ہے اس کو لے کر کھا لیتے ہیں۔ لیکن کھا لینے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ راجہ اگر مر جائے یا قتل ہو جائے تو ہر اس شخص پر جس نے اس تقریب میں راجہ کے ہاتھوں سے نوالہ لے کر کھایا ہے، یہ واجب ہو جاتا ہے کہ ٹھیک اس دن جس دن راجہ کو موت آئے اپنے آپ کو آگ میں جلا دے۔"

سلیمان نے اس کے بعد لکھا ہے کہ:

"جب جلنے پر کوئی آمادہ ہوتا ہے تو راجہ کی ڈیوڑھی پر حاضر ہوتا ہے اور جلنے کی اجازت حاصل کرتا ہے، پھر بازاروں میں گھومتا ہے۔ آگ کا الاؤ جوڑ کر اس کے لیے تیار کیا جاتا ہے جب بالکل عقیق کی طرح دہک کر آگ تیار ہو جاتی ہے تو اس جلنے والے کے آگے سنکھ پھونکے جاتے ہیں۔ اور لوگ بازار میں اس کو گشت کراتے ہیں، اس کے گھر کے لوگ اہل و عیال سب چاروں طرف سے گھیرے رہتے ہیں۔ لوگ اس کے سر پر پھولوں کا تاج بھی پہناتے ہیں۔ آگ میں اشتعال پذیر چیزیں لوبان سندروس وغیرہ

Marfat.com

ڈالی جاتی ہیں۔ اور اس کے بعد یہ جلنے والا پھاند کر آگ میں کود پڑتا ہے۔ اور چند ہی لمحوں میں بھسم ہو کر رہ جاتا ہے۔"

خود تو سلیمان نے دیکھا نہیں تھا لیکن دیکھنے والے کی زبانی ایک واقعہ اسی سلسلہ کا اس نے نقل کیا ہے کہ:۔

"ان ہی جلنے والوں میں سے ایک آدمی کو میں نے دیکھا کہ جب وہ آگ میں کودنے پر آمادہ ہوا تو خنجر جو اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس کی نوک کو اس نے اپنے دل پر رکھا اور اس کے بعد دل کے پاس سے پیڑو تک چاک کر دیا۔ پھر اپنے بائیں ہاتھ کو اس نے سینہ میں داخل کیا اور اپنے جگر کا جتنا حصّہ نوچ کر نکال سکا اپنے ہاتھ سے اس نے نکالا۔ اس وقت وہ باتیں بھی کرتا جاتا تھا۔ پھر اسی خنجر سے جگر کا ٹکڑا کاٹ کر اُس نے اپنے بھائی کے حوالہ کیا۔ گویا موت اس کی نگاہ میں کتنی حقیر شئے ہے، اس کو ان افعال سے ظاہر کر رہا تھا۔ پھر آگ میں پھاند گیا۔"

(سلیمان ص ۱۱۸)

اور سچ تو یہ ہے کہ ستی کی رسم ہو یا خودکشی کی مذکورہ بالا رسم، اس پر کم از کم اس یورپ کو تو ہنسنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ جس نے زیادہ دن نہیں گذرے ہیں کہ ڈوئل کی رسم کو غیر قانونی قرار دینے کی جسارت دکھائی ہے۔

Marfat.com

اس کے بعد سلیمان نے اُسی راوی سے جس نے مذکورہ بالا واقعہ اس سے بیان کیا تھا) یہ روایت درج کی ہے:۔

"ہندوستان کے بعض علاقے میں کچھ لوگ پہاڑ پر آباد ہیں اور کچھ لوگ زمین پر، پہاڑیوں میں اور زمین پر رہنے والوں میں لاگ ڈانٹ چلی جاتی ہے۔ ان میں ہر ایک ایسی ایسی باتیں کر کے دکھاتا ہے کہ اس پر حیرت ہوتی ہے اور چاہتا ہے کہ جب میں نے کر کے دکھایا ہے تو میرا فریق بھی یا تو وہی کام کر کے دکھائے ورنہ اپنی شکست تسلیم کرلے۔"

اسی سلسلہ میں ایک تماشا جسے راوی نے دیکھا تھا یہ ہے کہ:۔

"ایک پہاڑی زمین والے کے پاس آیا اور بانسوں کے ایک جنگل کے پاس ٹھہر گیا۔ اور سر سے پکڑ کر ایک بانس کو اس نے جھکایا پھر اس میں اس نے اپنے سر کی چوٹی باندھ دی اور کسی سے کہا کہ بانس کو پکڑے رہو۔ اس کے ہاتھ میں خنجر تھا لوگوں سے کہا کہ میں اپنے سر کو اس خنجر سے کاٹ دوں گا۔ جس وقت یہ کر گزروں بانس کو چھوڑ دینا میرا سر جو بانس کے ساتھ اوپر ہو جائے گا دیکھنا کہ اپنے منہ سے قہقہہ لگائے گا۔"

راوی کہتا ہے کہ:۔

Marfat.com

"یہ کہنے کے بعد اس نے واقعی سر کو خنجر سے جدا کر دیا۔ بانس چھوڑ دیا گیا۔ سر اوپر ہو گیا۔ لوگوں نے تھوڑی دیر کے لیے قہقہے کی آواز اس سے سنی۔"

اس کا بیان ہے کہ اس پہاڑی نے زمین والوں کو چیلنج دیا تھا کہ اگر ہمّت ہے تو اس تماشے کو وہ بھی کر کے دکھائیں لیکن ان میں کوئی اس پر آمادہ نہ ہوا۔ اس کے بعد سلیمان نے یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

"ہندوستان کے مرد ہوں یا عورتیں۔ جب ان کی عمریں زیادہ ہو جاتی ہیں اور ہوش و حواس کمزور ہو جاتے ہیں تو وہ لوگوں سے درخواست کرتے ہیں کہ انہیں دریا میں ڈبو دیا جائے یا آگ میں زندہ جلا دیا جائے۔ کیونکہ پھر لوٹ کر چلے آنے کا ان کو یقین ہے۔ (یعنے تناسخ کے عقیدے کی بنیاد پر)"

(سلیمان ص ۱۱۸)

بہرحال جس زمانہ میں ان مسلمان سیّاحوں نے ہندوستان کی سیر کی تھی۔ اس قسم کے واقعات عموماً ان کے سامنے پیش آتے تھے۔ بزرگ بن شہریار نے ایک مشہور تاجر محمد بن بابشاد کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ:۔

"دریا کے کنارے ایک بوڑھی عورت کو جو لباس پہنے ہوئے تھی، میں نے دیکھا کہ بیٹھی ہوئی ہے۔ پوچھا کہ تو یہاں کیوں بیٹھی ہے؟ کہا میں بڈھی ہو گئی ہوں۔ بڑی دراز مدّت زندگی کی میں نے گذاری ہے۔ دنیا کا معقول حصّہ

Marfat.com

مجھے میسر آیا۔ اب میں اپنے خاوند سے ملنا چاہتی ہوں تاکہ میری نجات ہو جائے اور یہاں دریا کے کنارے پانی کے چڑھاؤ کی منتظر ہوں"

محمد بن بابشاد کہتے ہیں کہ:۔

"بڑھیا وہیں بیٹھی رہی، تا اینکہ پانی چڑھا اور بڑھیا کو لے کر غائب ہو گیا"[1]

آخر میں بزرگ بن شہریار نے لکھا ہے:۔

وقد ذکرت فی ھٰذا الجزء فی غیر موضع من اخبار الھند — ہندوستان کے متعلق خودکشی کے واقعات اور یہ کہ کن کن مختلف طریقوں کو اس میں وہ

---

[1] ڈاکٹر برنیر جو ایک فرانسیسی سیاح ہے اور شاہجہان کے عہد میں ہندوستان آیا تھا اس نے بھی اس رسم کا اپنے سفرنامے میں تذکرہ کیا ہے وہ لکھتا ہے کہ:۔

"بعض لوگ ایسا بھی کرتے ہیں کہ قریب المرگ بیمار کو دریا کے کنارے لے آتے ہیں۔ اور اس کے پاؤں پانی میں رکھ کر بتدریج اس کو گردن تک ڈبوتے ہیں، اور جب سمجھ لیتے ہیں کہ اب مرنے کو ہے تو سارا بدن ڈبو دیتے ہیں اور اس کو وہیں چھوڑ کر رو پیٹ کر چلے آتے ہیں"

پھر آگے اس کی توجیہہ بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:۔

"اس رسم کا جس کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے یہ مدعا ہے کہ اس طرح پر تمام گناہ جن سے مردہ کی روح اپنے جسمانی تعلق کے وقت ناپاک ہو

Marfat.com

فی قتلھم انفسھم بضروب
القتل ما فیہ کفایتہ۔
(عجائب الہند ص ۱۴۳)

اختیار کرتے ہیں۔ میں نے ہندوستان کی خبروں کے سلسلہ میں اس کا اتنا تذکرہ کیا ہے کہ زیادہ کی ضرورت نہیں۔

کالی پر انسانی قربانیاں

اسی سلسلے میں بزرگ بن شہریار نے اس واقعہ کا بھی ذکر کیا ہے کہ کس طرح ایک "دیوی" جس کا رنگ سیاہ ہے اسی پر لوگ اپنے آپ کو قربان کرتے ہیں۔ جنوبی علاقہ کے ایک شہر کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

"شہر کے باہر ایک بڑا عظیم پہاڑ ہے جس کے دامن میں ایک ندی بھی جاری ہے اور پہاڑ کے ایک طرف ایک مصنوعی درخت تانبے اور پیتل کا بنا دیا گیا ہے جس میں سیخوں کی طرح کانٹے بھی لگا دیئے گئے ہیں۔ اس درخت کے سامنے ایک دیو ہیکل عظیم الجثّہ مورتی ہے۔ جس کا رنگ سیاہ ہے۔ لیکن آنکھیں زبرجد کی ہیں ہر سال باشندے اس بت کا تہوار مناتے ہیں۔ جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ لوگ گھروں میں سے نکل نکل کر اس پہاڑ کی طرف آتے ہیں۔ پھر اس درخت پر چڑھتے ہیں۔ ان میں سے جو

رہی تھی) دھوئے جاتے ہیں۔" ۱۲
(ترجمہ سفرنامہ بزرگ جلد دوم ص ۱۸۸) "از سید محبوب رضوی"

Marfat.com

اس دیوی سے زیادہ نزدیکی حاصل کرنا چاہتا ہے وہ اس کے پاس آتا ہے اور اس کے سامنے سجدے میں گر جاتا ہے بار بار سجدے کرتا ہے اور اس کے بعد اپنے آپ کو پہاڑ سے اس طرح سے نیچے گراتا ہے کہ ٹھیک اسی مصنوعی سینگوں والے درخت پر آگرے جس سے وہ کٹ کر پرزے پرزے ہو جاتا ہے اور بعض لوگ اس مورتی کے سامنے سے سر کے بل اس طرح اپنے آپ کو گراتے ہیں کہ ایک چٹا جو اسی مورتی کے قدم کے نیچے ندی میں ہے اسی سے ان کی کھوپڑی ٹکراتی ہے جس سے دماغ پاش پاش ہو جاتا ہے۔" (عجائب الہند ص ۶)

واللہ اعلم جس ہندوستان میں خدا کے لیے بھی جانوروں کی قربانی آج جرم ٹھرائی جا رہی ہے، دیویوں اور دیوتاؤں کے لیے اب بھی انسانوں کی قربانی ہوتی ہے یا نہیں۔ علانیہ تو نہیں لیکن سننے میں یہی آتا ہے کہ چھپ چھپا کر انسانی قربانی کے ذوق کو اس ملک کے باشندے اب بھی پورا کرتے رہتے ہیں۔

ننگے فقیروں کی ہیئت گذائی

واقعہ یہ ہے کہ مٹی مٹائی بچی کھچی شکلوں میں آج بھی جو چیزیں ہندوستان میں پائی جاتی ہیں ان کو دیکھ کر ان سیاحوں کے بیانات کی توثیق کرنی پڑتی ہے۔

سلیمان تاجر نے ایک موقع پر یہ لکھ کر کہ:۔

Marfat.com

وللهند عبّاد واهل علم یعرفون بالبراهمة وشعراء یغشون الملوک ومنجمون وفلاسفة وکهان واهل زجر للغربان وغیرها و بها قوم سحرة وقوم یظهرون التخائیل ویبدعون فیها و ذالک بقنوج خاصة۔

(سلیمان ص ۱۲۷)

ہندوستان میں پوجاریوں اور اہلِ علم کا ایک طبقہ پایا جاتا ہے جو براہمہ (برہمنوں) کے نام سے مشہور ہیں، ان میں شعراء بھی ہیں جو راجاؤں کے دربار سے تعلق رکھتے ہیں ان میں منجم (جوتشی) بھی ہیں اور فلاسفر بھی۔ کہانت کرنے والے، فال نکالنے والے بھی، جو کوؤں کو اڑا کر فال نکالتے ہیں، اور ہندوستان میں جادوگر شعبدے دکھانے والے بھی پائے جاتے ہیں جو بعض عجیب باتیں دکھاتے ہیں قنوج میں خصوصًا یہ بہت زیادہ ہیں۔

آگے اُن ننگے فقیروں اور سادھوؤں کا بھی ذکر کیا ہے جو اب بھی ملک کے مختلف اطراف واکناف میں بھی کبھی کبھی نظر آجاتے ہیں جس زمانہ میں سلیمان اس ملک میں آیا تھا۔ اس وقت ان ننگے فقیروں یا "قوم عراۃ" کی کیا کیا خصوصیتیں تھیں، ان الفاظ میں اس نے ان کو بیان کیا ہے :۔

"یہ لوگ ننگے رہتے ہیں۔ ان کے بالوں سے ان کے بدن ڈھنکے رہتے ہیں بلکہ ان کی شرمگاہ کی ستر پوشی بھی ان ہی بالوں سے ہوتی ہے۔ ان کے ناخن لمبے لمبے ایسے دھاردار ہو جاتے ہیں کہ گویا وہ خنجر ہیں۔ کیونکہ اپنے ناخنوں کو یہ قطعًا نہیں کٹواتے ٹوٹ کر گر پڑیں تو یہ دوسری بات ہے۔ ان سادھوؤں

Marfat.com

میں بعض لوگ ہمیشہ سیر و سیاحت میں مشغول رہتے ہیں[1]۔ ان ننگے فقیروں کے گلے میں دھاگے سے بندھی ہوئی کھوپڑیاں ہوتی ہیں۔ یعنے مرے ہوئے آدمی کی کھوپڑیاں۔ ان کو جب

---

[1] اس قسم کے فقیروں کا بر نیر نے بھی اپنے سفرنامہ میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے اس نے لکھا ہے کہ:۔

یہ لوگ ایسے عجیب طور پر عمر بسر کرتے ہیں کہ اگر میں اس کو بیان کروں تو مجھے شک ہے آیا اس پر کوئی اعتبار بھی کرے گا۔ خصوصاً میرا اشارہ ان لوگوں کی طرف ہے جو جوگی کہلاتے ہیں اور جس کے معنے ہیں خدارسیدہ! بہت سے جوگی بالکل ننگے رات دن تالابوں کے پاس بڑے بڑے درختوں کے نیچے یا مندروں کے اردگرد کے مکانوں میں راکھ کا بستر کیے بیٹھے یا پڑے رہتے ہیں۔ بعض کی جٹیں پنڈلیوں تک لٹکتی رہتی ہیں اور الجھ کر ان میں گرہیں پڑ جاتی ہیں۔ بعض جوگی ایک یا دونوں ہاتھ اوپر کو اٹھائے رکھتے ہیں۔ ناخنوں کو اس قدر بڑھاتے ہیں کہ بڑھ کر مڑ جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک شخص کے ناخن میری چھنگلیا کے نصف سے (جس سے میں نے ان کو ناپا تھا) زیادہ تھے۔ ان کے بازو ایسی سخت اور غیر طبعی ریاضت کی حالت میں کافی غذا نہ پہنچنے کے سبب سے ان لوگوں کی طرح جو مزمن بیماریوں میں مبتلا رہ کر مر جاتے ہیں سوکھ کر نہایت دُبلے پتلے ہو جاتے ہیں۔ اور رگوں اور پٹھوں کے خشک اور سخت ہو جانے کے باعث اس قابل نہیں رہتے کہ جھکا کر ان سے کچھ منہ میں ڈال سکیں، ان فقیروں

Marfat.com

بھوک لگتی ہے، تو کسی ہندوستانی کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مالک مکان پکا ہوا خشکہ (بھات) لے کر

کے پاس ان کے چیلے حاضر رہتے ہیں جو ان کو نہایت ہی مہاتما سمجھ کر ان کا بڑا ادب کرتے ہیں۔ جوگیوں کا ننگا اور کالا جسم، لمبے لمبے بال اور پتلی پتلی باہیں اور بل کھائے ہوئے ناخن، اور وہ ڈراؤنی وضع جو میں نے بیان کی ہے۔ اس عالم سفلی میں اس سے زیادہ خوفناک شکل خیال میں نہیں آسکتی۔ میں نے عموماً بعض راجاؤں کے راج میں ان ننگے فقیروں کی اکثر ٹولیاں کی ٹولیاں دیکھی ہیں۔ جن کے دیکھنے سے ڈر لگتا ہے۔ بعض تو ہاتھ اوپر کو اٹھائے ہوئے ہوتے ہیں۔ بعض کے دہشتناک بال یا تو کھلے لٹکتے یا سر کے گرد بندھے ہوئے اور بل دیئے ہوئے ہوتے ہیں۔ بعض کے پاس ایک بڑا بھاری سونٹا ہوتا ہے اور بعض کے کاندھے پر شیر کی خشک اور نا ملائم کھال پڑی ہوئی ہوتی ہے۔ اسی دھج سے میں نے ان کو بالکل ننگے بڑے بڑے شہروں میں پھرتے دیکھا ہے، اور جیسے کہ ہمارے فرانس کے گلی کوچوں میں کسی راہب کو پھرتے دیکھ کر کوئی خیال بھی نہیں کرتا ایسے ہی یہاں مرد، عورتیں اور لڑکیاں ان کو تعجب کی نگاہ سے نہیں دیکھتیں بلکہ عورتیں بڑے اعتقاد سے ان کو خیرات لا کر دیتی ہیں۔ ان کو یقین ہے کہ یہ لوگ بڑے ہی مقدس اور سب سے زیادہ پارسا اور نفس کو قابو میں رکھنے والے ہیں۔

(ترجمہ سفرنامہ برنیر جلد دوم ص ۱۸۹، ۱۹۱)

"از سید محبوب رضوی"

Marfat.com

دوڑتا ہے اور کھوپڑی میں ڈال دیتا ہے۔ سادھو اسی کھوپڑی میں کھانا کھا لیتا ہے۔ پھر جب تک بھوک نہیں لگتی بھیک نہیں مانگتے۔" (سلیمان ص ۱۲۸)

آج ہزار سال کے بعد بھی ان تماشوں کو کسی نہ کسی شکل میں آپ ہندوستان کے طول و عرض میں دیکھ سکتے ہیں۔

بزرگ بن شہریار نے ہندوستان کے ان ننگے فقیروں کا حال تفصیل سے لکھا ہے۔ قریب قریب وہی باتیں جو سلیمان نے لکھی ہیں اس نے بھی بیان کی ہیں۔ بزرگ کا ایک فقرہ یہ ہے کہ:

"کبھی کبھی یہ ننگے فقیر اپنی شرمگاہوں پر چار انگل چوڑے چیتھڑے کو چڑھا لیتے ہیں۔ اور کمر میں جو ڈورا ہوتا ہے اسی کے ساتھ اس چیتھڑے کو باندھ دیتے ہیں۔ جلی ہوئی ہڈیوں کی راکھ بدن پر ملتے ہیں۔ اور ان میں بعض اپنی مونچھ ڈاڑھی سب منڈا دیتے ہیں۔" البتہ

لم یحلقون شعر العانة و لا شعر الاباطین (ص۱۵٦)	زیر ناف اور بغل کے بالوں کو کبھی نہیں منڈواتے۔

مردے کی کھوپڑی میں کھانا کھانے کا جو دستور تھا۔ اس کا بھی بزرگ نے تذکرہ کیا ہے اور توجیہہ یہ بیان کی ہے کہ:

علی سبیل الاتعاظ بذالک والتواضع۔ (ص۱۵٦)	مردے کی کھوپڑی میں کھانے کی غرض یہ ہے کہ اس سے نصیحت حاصل کریں۔

Marfat.com

آپ دیکھ رہے ہیں کہ مسلمان سیّاحوں کی نظر واقعات کی تحقیق میں کتنی گہری تھی۔

لیٹروں کی چیرہ دستیاں

عجیب بات یہ ہے کہ ان ہی مورخین نے حالانکہ ہندوستان کے امن و امان کے قصے بھی بیان کیے ہیں۔ میں نے ہی نقشبندی کے حوالے سے یہ عبارت نقل کی تھی کہ تحفۃ الالباب والے نے ہندوستان کی تعریف میں لکھا ہے کہ:۔

"اس ملک میں ایسا امن و امان ہے جس میں خوف کا نام نہیں"

لیکن اسی کے ساتھ ان سیّاحوں نے ایسے حیرت انگیز واقعات کا بھی ذکر کیا ہے، جو اس زمانہ میں بھی امریکہ اور یورپ جیسے ممالک میں بھی پیش آتے رہتے ہیں۔ آج سے صدیوں پہلے ان لوگوں کا بیان ہے۔ بزرگ بن شہریار لکھتا ہے کہ:۔

"ہندوستان میں ایک قسم کے چور پائے جاتے ہیں۔ چوروں کے اس طبقہ کے لوگ ایک شہر سے دوسرے شہر میں آمدورفت جاری رکھتے ہیں۔ ان کا قاعدہ ہے کہ کسی بڑے تاجر کو یہ تلکتے ہیں خواہ وہ ہندوستانی ہو یا ہندوستان کے باہر کا ہو۔ کوئی ہو پھر اس کے گھر پہنچ کر یا بیچ بازار ہی میں۔ دکان پر یا راستے میں اس کو پکڑ لیتے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں چھرے ہوتے ہیں ان ہی چھروں

Marfat.com

کو سامنے کر کے اس غریب سوداگر کو دھمکاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اتنی رقم فوراً داخل کرو۔ ورنہ تجھے ابھی قتل کر دوں گا۔ اس اس حالت میں اگر کوئی آگے بڑھے، ان سے مزاحمت کرنا چاہے یا حکومت کا آدمی روک ٹوک کرے تو پہلے اسی کو قتل کر دیتے ہیں انہیں اس کی بالکل پروا نہیں ہوتی کہ قتل کریں گے تو خود بھی قتل کیے جائیں گے۔ ان کے نزدیک دونوں باتیں برابر ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ جس کسی سے وہ جتنی رقم کا مطالبہ کرتے ہیں بجز ادا کرنے کے اور کوئی نجات کی صورت اپنے لیے نہیں پاتا۔ اور نہ کوئی ڈر کے مارے ان سے تعرض کرتا ہے۔ غریب تاجر کو اپنے ساتھ لے جاتے ہیں یعنے دکان یا گھر یا باغ میں جہاں کہیں وہ کہتا ہے کہ میرا مال فلاں جگہ ہے وہاں لے جا کر اس سے مقررہ رقم وصول کرتے ہیں۔ ساہو کار جب تک رقم جمع کرنے میں مصروف رہتا ہے، یہ لوگ اطمینان سے کھاتے پیتے رہتے ہیں۔ جب رقم سب جمع ہو جاتی ہے تو ان کا آدمی آتا ہے۔ اس پر لاد کر جہاں ان کا جی چاہے اس آدمی کو ہتھیاروں سے گھیرے ہوئے لے جاتے ہیں اور مال ومتاع پر جس کے چاہتے ہیں اس طرح قبضہ کر لیتے ہیں[1]۔" (عجائب الہند ص ۱۵۲)

---

[1] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں اس قسم کے لٹیرے عام طور پر پھیلے ہوئے تھے

Marfat.com

بزرگ بن شہریار نے ہندوستان کے لٹیروں کے اس خاص طبقہ کا ذکر کرنے کے بعد ایک مسلمان تاجر جن کا نام محمد بن مسلم تھا لکھا ہے کہ وطنِ اصلی تو ان کا سیراف تھا لیکن ہندوستان کے مشہور ساحلی شہر تھانہ میں بیس برس سے زیادہ دن تک ان کا قیام رہا تھا اور ہندوستان کے اکثر علاقوں کی اس شخص نے سیر بھی کی تھی اس کی زبانی یہ روایت نقل کی ہے کہ:۔

"بارہ آدمی ایک دفعہ لٹیروں کے اسی طبقہ کے تھانہ آئے اور ایک ہندی بنئے کو انہوں نے دھر لیا۔ یہ بنیا اپنے باپ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اس کے بوڑھے باپ کے پاس بڑی دولت تھی اور تھا بھی بڑا محنتی اور جفاکش، بیٹے سے بڑی محبت تھی کیونکہ لے دیکر چشم و چراغ اس کا وہی ایک بچہ تھا۔ بہرحال اندر گھر میں گھس کر

یہ بیان تو بزرگ کا ہے۔ سلیمان کی کتاب میں بھی ان لٹیروں کا ذکر تفصیل سے ملتا ہے لکھا ہے کہ:۔
"ایک خاص قسم کا خنجر جسے جزبی کہتے ہیں ان کے پاس ہوتے ہیں یہ لوگ زور سے کسی تاجر کے گلے کو پکڑ لیتے ہیں، پھر اس کی گردن میں لٹک جاتے ہیں اور خنجر کو اس کے سر پر علم کیے ہوئے گھسیٹتے ہوئے اسے سب کے سامنے شہر کے باہر لے جاتے ہیں اور ان کا کوئی کچھ نہیں کر سکتا کیونکہ جونہی ان سے کوئی اس تاجر کو چھڑانا چاہتا ہے پہلے تاجر کو قتل کر دیتے ہیں پھر اپنے آپ کو مار ڈالتے ہیں۔ بہرحال اس طرح باہر نکال کر اس سے زر فدیہ طلب کرتے ہیں اور تاجر بے چارہ اسے ادا کرتا ہے۔" (صـ۱۲۱)

Marfat.com

اس لڑکے کو انہوں نے اپنے قبضہ میں کر کے دس ہزار اشرفیاں کا مطالبہ شروع کیا۔ یا کچھ اسی کے قریب قریب بنئے کے باپ کے لیے یہ کوئی بڑی رقم نہ تھی۔ لڑکے نے آدمی اپنے باپ کے پاس روانہ کیا اور کہلا بھیجا کہ خدا کیلیے اس وقت اتنی رقم دے کر مجھے جلد خرید لیجئے اور ان پاجیوں کے ہاتھ سے نجات دلوایئے۔

باپ دوڑا ہوا آیا اور ان لٹیروں کی خوشامدیں کرنے لگا، اور بڑی لجاجت سے اس نے کہنا شروع کیا کہ ایک ہزار روپیہ لے کر میرے لڑکے کی جان بخشیئے۔ لیکن لٹیرے کہاں ماننے والے تھے جو رقم انہوں نے کہدی تھی اس پر اڑے رہے اور بولے کہ ایک پیسہ کم دس ہزار دینار سے تو ہم لیں گے نہیں، بوڑھے کو غصہ آگیا اور سیدھا شہر کے راجہ کے پاس پہنچا، اپنا حال بیان کیا اور بولا کہ جب تک اس قسم کے بدمعاشوں کو قرار واقعی سزا نہ دی جائے گی آپ کے ملک میں کون رہ سکتا ہے راجہ نے کہا

اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

"سیلون کے ایک راجہ نے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح ان ڈاکوؤں کا قلع قمع کیا جائے بہت سے ہندوستانی اور عرب تاجر اسی راہ میں مارے گئے تب کچھ جا کر بات ٹھنڈی پڑی اور تاجروں کو کچھ امن نصیب ہوا۔" ۱۲

Marfat.com

کہ یہ تو میرے پیٹ بالکل آسان ہے کہ ابھی ان ڈاکوؤں کو قتل کرادوں لیکن ڈر اس کا ہے کہ تیرا بیٹا بھی تو ان کے ہاتھوں قتل ہو جائے گا اور تیرا وہی ایک اکلوتا لڑکا ہے"۔

محمد بن مسلم کا بیان ہے کہ بوڑھے بنئے نے اس کے جواب میں راجہ سے کہا کہ:۔

"میں کیا کروں وہ تو بہت بڑی رقم کا مطالبہ کرتے ہیں، میں یہ کیسے گوارا کرلوں کہ اپنے آپ کو فقیر و محتاج بنا کر لڑکے کو ان کے ہاتھوں سے چھڑاؤں"۔

اس قساوتِ قلبی پر آمادہ ہونے کے بعد اس بوڑھے نے خود راجہ کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ آپ حکم دیجئے، اس مکان کی چاروں طرف لکڑیاں جمع کی جائیں، مکان کا دروازہ بند کر دیا جائے اور لکڑی میں آگ لگوا دیجئے راجہ نے کہا کہ بوڑھے بنئے! تیرا لڑکا بھی تو ان کے ساتھ جل بھن کر خاک ہو جائے گا"۔

جواب میں اس نے کہا۔

احتراقھم اھون عندی من ذھاب مالی۔ — مال کے جانے سے میرے لیے یہ زیادہ آسان ہے کہ سب لوگ جل جائیں۔

راجہ یہ سن کر خود اٹھا اور اس گھر کے دروازے کو بند کرا کے آگ لگا دینے کا حکم دیا۔ بوڑھے بنئے کے سامنے اس کے لڑکے کے ساتھ سب لوگ جل کر بھسم ہو گئے اور وہ دیکھتا رہا۔ (عجائب الہند ص ۱۵۳)

Marfat.com

ممکن ہے کہ اس قصّے میں کچھ مبالغہ کا رنگ ہو لیکن ہندوستان کے ایک طبقہ کے متعلق میرے خیال میں یہ ایک قدیم ترین مکتوبہ شہادت ہے جس سے کم ازکم اتنا تو یقیناً ظاہر ہوتا ہے کہ جرائم پیشہ کے جو بیسیوں قصّے اس طبقہ کے متعلق زبان زد عام ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ ہزار برس پہلے بھی ان کی شہرت اس خاص صفت میں پھیلی ہوئی تھی اور ضمناً اس واقعہ سے اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ باہر کی صرف قانونی حکومت جیسی آجکل یورپ و امریکہ میں قائم ہے وہ صحیح امن و امان کے قائم کرنے میں پہلے بھی ناکام ثابت ہو چکی ہے اور آج تک ناکام ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں۔ مطلوب کے تشابہ اور نتائج کی وحدت کا کیا حال ہے۔ قریب قریب ان ہی الفاظ اور انہی خصوصیات کے ساتھ آئے دن یورپ و امریکہ کی خبریں لوٹ مار کے متعلق اخباروں میں چھپتی رہتی ہیں۔[لہ]

لہ تحفۃ الالباب سے قلقشندی نے محمد بن عبدالرحیم اقلیشی کے حوالے سے ہندوستان کے امن وامان کے جس حال کو بیان کیا ہے ان ہی تاریخوں میں اس قسم کے واقعات دیکھنے کے بعد خیال گزرتا ہے کہ شاید محمد بن عبدالرحیم نے ہندوستان کے اس زمانہ کا حال بیان کیا ہے جب مسلمانوں نے یہاں اپنی حکومت قائم کر کے اس قسم کے ڈاکوؤں اور رہزنوں کا جہاں تک ان کے امکان میں قلع قمع کر دیا تھا۔ اگرچہ لبا اوقات اس طبقہ کے افراد اسلامی عہد میں بھی سر نکالتے رہے ہیں لیکن دن دہاڑے اتنی سینہ زوری کے ساتھ برسرِ بازار اس قسم کی جرأت کی نظیر مسلمانوں کے زمانہ میں نہیں ملتی۔ اس قسم کے واقعات اگر سُنے جاتے ہیں تو امریکہ ویورپ ہی کے متمدن ممالک کے متعلق سُنے جاتے ہیں۔ ۱۲

Marfat.com

چین

ہندوستان اور چین کا تقابل

اور جیسے لوگوں نے ہندوستان کی خوبیوں اور خصوصیتوں کا ذکر بغیر کسی تنگدلی کے کیا ہے، بجنسہٖ یہی طریقہ ان مسلمانوں نے چین کے حالات کے بیان کرنے میں اختیار کیا ہے۔ بلکہ ان دونوں مشرقی ملکوں میں مقابلہ کرتے ہوئے اپنے تاثرات بھی ظاہر کیے ہیں مثلاً سلیمان نے ایک جگہ لکھا ہے کہ:۔

"ہندوستان اور چین میں فرق یہ ہے کہ ہندوستان زیادہ تر دیہاتوں سے آباد ہے، شہر اس میں کم ہیں۔ لیکن چین کا کوئی ایسا حصّہ نہیں ہے جہاں باضابطہ شہر پناہ رکھنے والے بڑے بڑے شہر نہ ہوں۔ اور گو چین کی آب و ہوا، ہندوستان کی آب و ہوا سے بہتر ہے۔ اسی لیے چین میں اندھے، کانے یا آفت رسیدہ لوگ کم نظر آتے ہیں۔ لیکن زیادہ تر ہندوستان

Marfat.com

کے علاقوں کا بھی یہی حال ہے ۔ بڑے بڑے دریاؤں کے لحاظ سے دونوں ملکوں میں کوئی فرق نہیں ہے اور بارش بھی ان دونوں اقلیموں میں بکثرت ہوتی ہے ۔ البتہ ہندوستان میں ریگستانی صحراو بیابان بھی پائے جاتے ہیں اور اچھا خاصہ علاقہ اس کا صحرائی ہے لیکن چین میں اوّل سے آخر تک اس قسم کے غیر آباد بیابان نہیں دکھائی دیتے ۔"

دونوں ملکوں کا اختلافِ مذاق

دونوں ملکوں کے لباس کے فرق کو ظاہر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ :۔

"چینی لباس میں عرب (یعنے مسلمانوں) سے زیادہ مشابہ ہیں یعنے قبا پہنتے ہیں، کمر بند باندھتے ہیں ۔ لیکن ہندوستان کے باشندے زیادہ تر دو چادروں پر قناعت کرتے ہیں ۔ البتہ سونے اور جواہرات کے زیور ہندوستانی زیادہ پہنتے ہیں، ان کے مرد بھی اور عورتیں بھی ۔"

(سلیمان ص ۵۹)

مذاق کا ایک عجیب فرق ان دونوں ملکوں کے متعلق یہ بھی بتاتا ہے کہ :۔

"چینیوں کے پاس ہاتھی نہیں ہوتے بلکہ اپنے ملک میں ہاتھی کو دیکھنا بھی وہ پسند نہیں کرتے ۔ وہ اس جانور کو منحوس سمجھتے ہیں ۔"

(سلیمان ص ۵۸)

Marfat.com

چین میں حصولِ علم کا مذاق

پھر ان امور کے ساتھ ساتھ چینیوں کی طرف انہوں نے بعض ایسی خصوصیتوں کو منسوب کیا ہے جنہیں پڑھ کر حیرت ہوتی ہے خصوصاً جن باتوں کو آج مغربی تمدّن کی خصوصیت میں شمار کیا جاتا ہے ان کے متعلق بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

الفقیر والغنی من اہل الصّین والصغیر والکبیر یتعلم الخطّ والکتابتہ۔	امیر ہوں یا غریب، چھوٹے ہوں یا بڑے اہلِ چین میں ہر ایک خط لکھنا پڑھنا سیکھتا ہے۔

(سلیمان ص۳۸)

جس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ چین جیسے طویل و عریض ملک میں آج سے ہزار سال پہلے لازمی تعلیم مروّج تھی اور یہ جو سمجھا جاتا ہے کہ لازمی تعلیم مغربی تہذیب کی خصوصیت ہے۔ اگر سلیمان کا بیان صحیح ہے تو ظاہر ہے کہ خصوصیت کا یہ دعویٰ بے معنی ہو جاتا ہے، اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ:-

"چین کے تمام شہروں اور اس ملک کی آبادیوں میں مدارس جاری ہیں۔ جن میں مدرسین حکومت کی طرف سے مقرر ہیں اور شاہی خزانے سے ان کی تنخواہیں ملتی ہیں۔ ملک کے فقرا اور غُربا کو یہ لوگ مفت تعلیم دیتے ہیں۔"

(سلیمان ص۴۷)

Marfat.com

اہلِ چین کے تہذیبی و معاشرتی خصوصیات

اس نے یہ بھی بیان کیا ہے اور شاید عام تعلیم کی بناء پر یہ توقع کی جاتی تھی کہ:۔

"حکومت میں درخواست پیش کرنے والوں کی زبانی درخواست لائقِ توجہ نہیں سمجھی جاتی ہے، جب تک لکھ کر نہ دی جائے اور داخل کرنے سے پہلے یہ بھی دیکھ لیا جاتا ہے کہ درخواست حکومت کے ضوابط و اصول کے مطابق ہے یا نہیں۔ ایک خاص آدمی اس کام کے لیے متقرر ہے۔ اگر درخواست اصول کے مطابق نہیں ہوتی تو وہ مسترد کر دی جاتی ہے۔" (سلیمان ص۳۹)

لین دین میں بھی اس کے بیان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ چینی باضابطہ تحریروں سے کام لیتے تھے۔ سلیمان کے بیان کا حاصل یہ ہے کہ:۔

"کسی شخص کا دین کسی کے ذمے جب ہوتا ہے تو ایک تحریر دائن کو اور ایک تحریر مدیون کو لکھنی پڑتی ہے، دونوں کو اپنی تحریروں پر خاص قسم کے نشانات بنانے پڑتے ہیں۔"

الغرض آج کل بیان تحریری عرضی دعویٰ، پٹہ قبولیت نامہ وغیرہ کاغذات انگریزی دفاتر میں جو مروّج ہیں معلوم ہوتا ہے کہ چین میں ہمیشہ سے ان کا رواج تھا۔ بلکہ ایک عجیب بات اسی سلسلہ میں اسی نے یہ بھی لکھی ہے کہ:۔

"چینیوں کے ملک میں تھوڑی تھوڑی دور پر خاص قسم کے پتھر نصب ہیں۔ جن کی لمبائی دس ہاتھ کی ہوگی۔ ان پتھروں میں بیماریوں،

Marfat.com

اور ان بیماریوں کی دواؤں کے نام کندہ کر دیئے گئے ہیں، یعنی فلاں بیماری ہو تو اس کی دوا فلاں ہے اور غربا، جن کے پاس دوائیں خریدنے کے لیے پیسے نہیں ہوتے انہیں حکومت کے خزانے سے دام ملتے ہیں۔" (سلیمان ص۴۷)

گو سلیمان نے لکھا نہیں ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ عام امراض اور ان کے علاج معالجہ کے طریقوں کی تعلیم چینیوں میں شاید عام تھی، اور حکومت کی فیاضیوں کا سلسلہ جو چین میں جاری تھا، ان کو دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ ابھی یورپ کو چین سے بہت کچھ سیکھنا ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ:

"ایک مقام سے دوسرے مقام تک جب چین میں کوئی سفر کرنا چاہتا ہے تو حکومت اور خصی (ہر مقام کے گورنر) سے دو قسم کی تحریریں اپنے ساتھ لیتا ہے۔ ایک میں تو اس شخص کا نام، اسکی عمر، اسکے رفقار کی عمریں، اور یہ کہ کس قبیلے کا آدمی ہے، لکھا ہوتا ہے اور دوسرے میں ان اموال کی تفصیل ہوتی ہے کہ جو اس شخص کے پاس ہوتے ہیں۔"

سلیمان نے لکھا ہے کہ اس کا اس ملک میں بڑا اہتمام ہے۔ مقصود ان کا یہ ہے کہ:

"سفر کرنے والوں کا مال ضائع نہ ہو۔ اور اگر کہیں ہو جاتا ہے (تو فہرست مکتوبہ) سے پتہ چل جاتا ہے۔ یا اگر مسافر راستہ میں کہیں مر گیا۔ بہر حال حکومت اس کے مال کو واپس کرتی ہے خواہ اسی کو یا اس کے وارثوں کو۔" (سلیمان ص۴۳)

Marfat.com

سلیمان ہی نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ:۔

"جس زمانہ میں گرانی پیدا ہو جاتی ہے تو حکومت اپنے خاص انبار خانوں سے غلّہ بازار میں نکالتی ہے اور بازار کا جو بھاؤ ہوتا ہے اس سے کم دام میں وہ فروخت کرتی ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ اس ملک میں کبھی گرانی پیدا ہونے نہیں پاتی۔" (سلیمان ص۴۱)

اسی طرح جب کوئی دیوالیہ ہو جاتا ہے تو باضابطہ تحقیق کے بعد حکومت پر جب یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ واقعی وہ مفلس ہو گیا ہے کہ:۔

"جن لوگوں کا بقایا اُس دیوالیہ نکالنے والے شخص پر ہوتا ہے سب کو حکومت ادا کر دیتی ہے۔" (سلیمان ص۴۶)

سلیمان ہی نے لکھا ہے کہ:۔

"ہندوستان کی طرح چین میں بھی مسلمانوں کے مقدمات کے فیصلے کے لیے حاکم مسلمان ہی مقرر ہوتا تھا اور وہی عید کے دن مسلمانوں کو نماز پڑھاتا تھا اور اسلامی قوانین کے مطابق مسلمانوں کے فیصلے کرتا تھا[1]۔" (سلیمان ص۱۴)

---

[1] یہ واقعہ ہے کہ چین کے مسلمانوں نے اپنی حکومت نہ ہونے کے باوجود ہمیشہ ایک خاص حیثیت و عظمت کے مالک رہے۔ چنانچہ ابن بطوطہ نے بھی آٹھویں صدی ہجری کا سیاح ہے چین میں مسلمانوں کی حالت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

"چین کے ہر شہر میں مسلمانوں کا ایک شہر ہے جس میں صرف وہی آباد ہیں وہاں ان کی مسجدیں

Marfat.com

اور اسی قسم کی حیرت انگیز باتوں کا ان لوگوں نے چینیوں کے متعلق تذکرہ کیا ہے یورپ والوں کے متعلق عام طور پر جو یہ مشہور ہے کہ ان کا موجودہ تمدن رومیوں اور یونانیوں کے تمدن سے ماخوذ ہے۔ مشرق سے انہوں نے کچھ نہیں لیا ہے۔ چینیوں کے حالات پڑھ کر مجھے تو اب اس میں شک پیدا ہو گیا ہے۔ بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ تر چیزیں انہوں نے چینیوں ہی سے اخذ کی ہیں۔ بلکہ ابھی ان کو ان سے بہت کچھ لینا ہے ان دونوں تمدنوں بعض امور کے متعلق کچھ عجیب قسم کا تشابہ معلوم ہوتا ہے۔ ان مسلمان سیاحوں کا بیان ہے کہ باہر سے چین کے باشندے پاک وصاف بنے ٹھنے رہتے ہیں اور ٹھیک آج یورپ والوں کا جو حال ہے کہ کپڑوں پر کپڑے پہنتے چلے جاتے ہیں لکھا ہے کہ یہی حال چینیوں کا بھی تھا۔ بلکہ چینی تو حد کر دیتے تھے کہ صرف جسم کے بالائی حصہ ہی کو نہیں بلکہ ٹانگوں تک پر سردیوں کے موسم میں :۔

ہیں جن میں جمعہ وغیرہ کی نمازیں ادا کی جاتی ہیں۔ ان لوگوں کی وہاں تعظیم و توقیر کی جاتی ہے۔ چین کے ہر شہر میں مسلمانوں کا ایک شیخ الاسلام ضرور ہوتا ہے۔ جس کے پاس مسلمانوں کے تمام معاملات جاتے ہیں۔ اور ایک قاضی بھی ہوتا ہے جو ان کے مقدمات کے فیصلے کرتا ہے۔"

پھر آگے چل کر لکھتا ہے کہ :۔

"ملک چین تمام ملکوں سے زیادہ پُرامن ہے۔ اور مسافر کے لیے تمام ملکوں سے اچھا ہے۔"

"سید محبوب رضوی"

Marfat.com

"دو دو شلواریں چڑھا لیتے ہیں۔ بلکہ تین تین چار چار پانچ پانچ پائجامے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق لوگ پہنتے ہیں"

اور اس کی ایک طبّی توجیہہ بھی بیان کرتے ہیں کہ:۔

"جسم کے نچلے حصّہ ہی میں سردی کے سرایت کرنے کا زیادہ اندیشہ ہوتا ہے" (سلیمان ص۲۵)

اور نہ صرف سردیوں میں بلکہ سلیمان نے ایک قصہ ایک چینی آفیسر کا بیان کیا ہے۔

"وہ کسی عربی سوداگر کے پاس آیا۔ سوداگر کے پاس بیٹھا تو چینی افسر نے دیکھا کہ بار بار وہ اس کے سینے کو دیکھ رہا ہے جس پر ایک تل تھا اور کپڑوں کے اندر سے نظر آرہا تھا۔ عرب سوداگر کو تعجب ہو رہا تھا کہ باوجود کپڑوں کے تل باہر سے کیسے نظر آرہا ہے۔ اس پر افسر نے اس سے کہا کہ تم کو کس بات پر حیرت ہو رہی ہے۔ اس نے حیرت کی وجہ بیان کی تو وہ ہنسا اور اس نے اپنی آستین کو آگے بڑھا کر سوداگر سے کہا کہ گن لو میں کتنے کپڑے پہنے ہوئے ہوں اس نے گنا تو معلوم ہوا کہ پانچ اچکنیں حریر کی چینی افسر پہنے ہوئے تھا لیکن کپڑے اتنے باریک تھے کہ ان پانچ کپڑوں کے اندر بھی اس کے سینے پر جو تل تھا۔ وہ باہر سے نظر آرہا تھا"

(سلیمان ص۵)

جس سے چینیوں کی اس مہارت کا تو خیر اندازہ ہی ہوتا ہے جو پارچہ بافی

Marfat.com

کی صنعت میں انہیں حاصل تھی۔ سلیمان نے لکھا ہے کہ:۔

”بادشاہوں کے یہاں چین میں جو کپڑے استعمال ہوتے ہیں وہ ان کپڑوں سے بھی اعلیٰ ہوتے ہیں“

پتھر کے کوئلہ کا استعمال

کہنے والوں کو کیا کہئیے جو کہتے پھرتے ہیں کہ پتھر کے کوئلوں کے استعمال سے یورپ ہی نے دنیا کو واقف کیا ہے اس سے پہلے لوگ اس کے استعمال سے ناواقف تھے۔ اب میں کیا کہوں کہ یورپ نے جس طرح اور بہت سی چیزیں چین سے اخذ کی ہیں ان ہی میں پتھر کے کوئلے کا استعمال بھی ہے۔ ابن بطوطہ نے جو آٹھویں صدی ہجری کا سیّاح ہے، اپنے سفر نامہ میں انہی سنگین کوئلوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ چین میں بجز ان کے کوئی دوسری چیز ایندھن میں استعمال ہی نہیں ہوتی۔

نوٹ کا رواج

اسی نے چین کے حالات میں یہ بھی لکھا ہے کہ بجائے چاندی سونے اور تانبے وغیرہ کے سکّوں کے عام طور یہاں کاغذی سکّہ مروّج ہے اس نے اس کا نقشہ بھی بنایا ہے اور لکھا ہے کہ دوسرے سکّے بازار میں لوگ مشکل سے قبول کرتے ہیں۔ جس کا مطلب یہی ہوا کہ نوٹ کا رواج بھی ایک قدیم رواج ہے۔

Marfat.com

چینی تہذیب کا یورپی اقوام پر اثر

لیکن مجھے اسی کے ساتھ چینیوں کے اس مذاق کو دکھانا ہے کہ باہر سے جامہ زیبی کا تو ان کے یہ حال تھا۔ لیکن اندر ان کی کیفیت جو تھی وہ بھی انہی انصاف پسند غیر متعصب سیاحوں ہی کے بیان سے معلوم کیجئے۔ سلیمان ہی نے لکھا ہے کہ:۔

"ان کے اندر نظافت اور طہارت قطعاً نہیں پائی جاتی۔"

گویا جو حال آج یورپ والوں کا ہے بلکہ اسی کی تفصیل کرتے ہوئے سلیمان نے یہ عجیب بات لکھی ہے کہ:۔

ولا یستنجون بالماء بل یمسحون بالقراطیس الصینیۃ۔ (سلیمان ص۲۵)	استنجا پانی سے چین کے لوگ نہیں کرتے کاغذ سے پونچھ لیتے ہیں۔

گویا کاغذ سے استنجا کا طریقہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یورپ والوں نے چینیوں ہی سے سیکھا ہے۔ یہ بھی اسی کتاب میں ہے کہ:۔

"چینی پیشاب عموماً کھڑے ہو کر کرتے ہیں۔ یہاں کے عام باشندوں کی یہی عادت ہے۔"

بلکہ اسی سلسلہ میں چینی امراء کے ایک خاص لطیفہ کا بھی ذکر کیا ہے کہ:۔

"ان میں جو امیر اور بڑے لوگ ہیں، وہ ایک سوراخ دار لکڑی (نلکی) رکھتے ہیں جس کا طول ایک ہاتھ کے برابر ہوگا۔ اس لکڑی کے دونوں طرف سوراخ ہوتا ہے اور کسی روغن سے اس پر پالش بھی

Marfat.com

کر دی جاتی ہے۔ جب پیشاب کی ضرورت ہوتی ہے تو اس نلکی کے ذریعے کھڑے کھڑے وہ پیشاب کرتے ہیں۔"

(سلیمان ص ۱۱۴)

اور عجیب بات یہ ہے کہ ہندوستان کے متعلق حالانکہ ان ہی لوگوں کا بیان ہے کہ روزانہ غسل کے بغیر وہ کھانا بھی نہیں کھاتے لیکن پیشاب کے سلسلہ میں ان کے متعلق بھی لکھا ہے کہ:-

"پیشاب کرنے کے بعد بغیر اس کے کہ نجاست کو صاف کریں فوراً کپڑے کو برابر کر لیتے ہیں۔"

(سلیمان ص ۱۱۸)

عربوں کو ہندوستانیوں کی اس عادت پر تعجب ہوا ہے۔

چینیوں کی معاشرت اور ان کے تمدن کے اکثر عناصر کا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یورپ والوں نے تتبع کیا ہے، چینیوں کی عورتوں کی حالت بیان کرتے ہوئے سلیمان نے لکھا ہے کہ:-

"ان کی عورتیں اپنے سروں کو کھلا رکھتی ہیں اور بالوں میں کنگھیاں لگاتی ہیں۔ کبھی کبھی ایک عورت کے سر میں بیس بیس کنگھیاں نظر آتی ہیں۔" (سلیمان ص ۲۵)

چینیوں کی آدم خوری

خلاصہ یہ کہ ہے باوجود اس عقل و ہوش کے چونکہ چینیوں کا تعلق

Marfat.com

اس زمانہ میں کسی الٰہی دین سے باقی نہیں رہا تھا اسی لیے بعض باتیں ان کی ایسی ان لوگوں نے بیان کی ہیں جو سمجھ میں نہیں آتا کہ با ایں ہمہ دانش و دانائی، فرزانگی و فرہنگی بے چارے کن حالات میں مبتلا تھے اسی سلیمان تاجر کی کتاب اور اس کے ساتھ ابوزید سیرافی کا جو ضمیمہ ہے اس میں یہ عجیب بات لکھی ہے کہ:۔

"چینیوں کا قاعدہ ہے کہ ان میں سے کوئی قوم جب اسی ملک کی دوسری قوم پر غلبہ حاصل کرتی ہے تو انہیں بالکل تباہ کر دیتی ہے اور وہاں کے باشندوں کو وہ کھا جاتے ہیں[1]"

اسی کے بعد لکھا ہے کہ:۔

وذالک مباح لھم فی شریعتھم فی اسواقھم۔	یہ ان کے مذہب اور قانون میں جائز ہے کیونکہ انسانی گوشت تو ان کے بازاروں میں بکتے ہیں۔ (سلیمان)

یہ بھی لکھا ہے کہ چینیوں میں جب کوئی ایسا جرم کرتا ہے جس کی سزا قتل ہو، تو قتل کرنے کے بعد،

یدفع الی من یاکلہ۔	ان لوگوں کے حوالہ مقتول کی لاش کر دی جاتی ہے جو ان کو کھا جاتے ہیں۔ (سلیمان ص۶۸)

---

[1] حال میں جاپان کی جنگ جو ہوئی تھی تو منجملہ اور خبروں کے بعض خبریں یہ بھی آئی تھیں کہ جاپانی دشمن کے قیدیوں کو جو ان دنوں قتل ہو جاتے ہیں ان کو بھون کر کھا گئے۔ اس سے بھی مسلمان سیاحوں

اور یہ کوئی دس بیس ہزار سال پہلے کا قصّہ نہیں ہے بلکہ ابو زید السیرافی جو سلیمان تاجر کے بعد کا آدمی ہے وہ بھی اس کی تصدیق کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ انسانوں کے گوشت کا چین کے بازاروں میں بکنا ایک عام بات ہے۔

اس میں شک نہیں جیسا کہ میں نے بھی لکھا ہے کہ ہندوستان کے لوگوں کو بھی ان لوگوں نے اس زمانہ میں چوہے وغیرہ چیزوں کو کھاتے دیکھا ہے۔ لیکن کہاں آدم خوری اور کہاں موش خوری، اگرچہ اس زمانے میں ہندوستان کا بھی پیغمبروں کے لائے ہوئے خدائی دین سے کوئی تعلق باقی نہ رہا تھا اور جیسے چینی صرف عقل کی رہنمائی میں زندگی کے ضوابط و اصول بنا بنا کر جی رہے تھے، یہی حال ہندوستان والوں کا بھی تھا۔ لیکن اس اعتبار سے دیکھئے تو ہندوستان پھر بھی آپ کو لیا غنیمت معلوم ہو گا۔ نہ صرف اسی ایک معاملہ میں بلکہ اور بھی مختلف چیزیں ان ہی سیّاحوں کی کتابوں میں ملتی ہیں جن سے چین اور ہندوستان کے غیر پیغمبرانہ تمدّن و تہذیب میں نمایاں فرق معلوم ہوتا ہے۔

بدکاری کی اجازت اور اس کے اڈّے

مثلاً چین کے متعلق بیان کیا ہے کہ:۔

"چینیوں میں ایک دستور یہ بھی ہے کہ ان کی عورتوں میں جو عورت شادی کرنے سے گریز کرنا چاہتی ہو اور اس کی خواہش ہو کہ آوارگی

کے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے ۱۲

Marfat.com

کی زندگی بسر کرے، حکومت کی طرف سے اس کی ممانعت نہیں ہے
بلکہ قاعدہ ہے کہ پولیس کا جو افسر اس علاقے میں ہوتا ہے عورت اس
کے دفتر میں حاضر ہو جاتی ہے اور ظاہر کرتی ہے کہ شادی کر کے
زندگی بسر کرنا نہیں چاہتی اور خرچی کمانے والی بیسواؤں میں شریک ہونا
چاہتی ہے پھر درخواست دیتی ہے کہ جس رجسٹر میں اس قسم کی بدچلن
عورتوں کے نام لکھے جاتے ہیں اسی میں میرا نام بھی درج کر دیا جائے،
تب اس عورت کا نام، اس کا نسب، اس کی شکل وصورت، حلیہ اور
اس کے گھر کا پتہ، دیوان الزوانی (بیسوا عورتوں کے دفتر) میں لکھ
لیا جاتا ہے اور گلے میں اس عورت کے ایک دھاگہ ڈال دیا جاتا
ہے جس میں تانبے کی ایک انگوٹھی ہوتی ہے۔ جس میں حکومت کی
مہر کندہ ہوتی ہے۔ اور اس کو ایک اجازت نامہ لکھ کر دے دیا جاتا
جس میں لکھا ہوتا ہے کہ بیسواؤں میں شریک ہونے کی اسے اجازت
دی جاتی ہے اور یہ کہ سرکاری خزانہ میں ہر سال اتنی رقم داخل کرتی
رہے گی۔ اسی میں یہ بھی لکھا ہوتا ہے کہ اس عورت سے جو کوئی باضابطہ
عقد کرے گا۔ وہ قتل کر دیا جائے گا۔ عورت اس اجازت نامہ کو
اپنے ساتھ رکھتی ہے اور سالانہ جو رقم اس کے ذمہ واجب کی جاتی
ادا کرتی ہے۔ اس طبقہ کی عورتوں کا قاعدہ ہے کہ پچھلے پہر بن
ٹھن کر بغیر کسی حجاب کے گذرگاہوں پر بیٹھتی ہیں، فسق وفجور
والے ان کے پاس آتے جاتے رہتے ہیں۔ رات ان عورتوں

Marfat.com

کے پاس بسر کر کے صبح کو نکل آتے ہیں۔"

(سلیمان ص ۰۷)

عجیب بات یہ ہے کہ ایک طرف چینیوں کے تمدن میں زنا کا شمار ایسے سخت جرائم میں تھا جس کی سزا ان کے یہاں قتل تھی۔ ابوزید سیرافی سلیمان کی کتاب کے تکملہ میں لکھتا ہے کہ:

"شادی شدہ مرد و عورت اگر زنا کے مرتکب ہوں تو چینی قانون میں اس کی سزا قتل ہے۔"

اور قتل بھی کس طریقے سے، ابوزید ہی کا بیان ہے کہ:

"دونوں ہاتھوں کو پہلے خوب مضبوطی کے ساتھ باندھ دینے کے بعد پھر ان بندھے ہوئے ہاتھوں کو گردن پر چڑھا دیتے ہیں، پھر داہنے پاؤں کو اوپر کر کے اسی بندھے ہوئے داہنے ہاتھ میں گھسیڑ دیتے ہیں، اسی طرح بائیں پاؤں کو بائیں ہاتھ میں، اس ترکیب سے دونوں تلوے اس کی پیٹھ کی طرف نکل آتے ہیں اور آدمی گویا ایک گیند کی طرح بن جاتا ہے۔ اپنے اوپر کسی قسم کا قابو اس کو باقی نہیں رہتا۔ نہ ہل سکتا ہے اور نہ کسی قسم کا جنبش کا اختیار اس میں باقی رہتا ہے۔ اور اب ضرورت اس کی نہیں رہتی کہ کوئی پکڑنے والا اسے پکڑے رہے۔ اس تدبیر کے بعد اس کی گردن کو مہرے سے توڑ دیتے ہیں اور ریڑھ کی ساری ہڈیاں پیٹ کی طرف نکل آتی ہیں۔ وہ ایک ایسے حال میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ

Marfat.com

اگر اُسے یونہی چھوڑ دیا جائے تو اس کا دم نکل جائے۔ لیکن اسی پر بس نہیں کرتے۔ بلکہ ایک خاص قسم کی لکڑی ہوتی ہے جس سے اس کو مارتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس کا دم نکل جاتا ہے۔"

اس موقعہ پر یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

"اس کی لاش کھانے والوں کے سپرد کر دی جاتی ہے۔"

بہرحال اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زنا کاری کو مطلقاً چینی جائز نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ وہی بات کہ سارے انسان ان کی نگاہوں میں ایک نہیں تھے اور ہر عورت جو بہرحال کسی کی بیٹی اور بہن ہی ہوتی ہے اس کے ناموس کی حفاظت ان کی نگاہوں میں ضروری نہیں تھی۔

اور میں خیال کرتا ہوں کہ ابن خرداد بہ نے اپنی کتاب میں ہندوستان کے متعلق جو یہ لکھا ہے کہ:۔

"ہندوستان کے راجہ زنا کو حلال قرار دیتے ہیں۔ صرف القمار (غالباً کامروپ آسام) کے راجہ کے ملک میں زنا کو حرام قرار دیا گیا ہے۔" (سلیمان ص ۶۶)

اس سے مراد وہی بات ہو گی جو چینیوں کے دستور میں نظر آتی ہے۔ کیونکہ سلیمان تاجر کے حوالے سے میں پہلے یہ نقل کر چکا ہوں کہ:۔

"ہندوستان میں بھی زنا کی سزا قتل ہی تھی۔ مرد و عورت دونوں کی رضامندی سے فعل اگر صادر ہوا ہو تو دونوں ختم کر دیئے جاتے تھے، اور اگر ثابت ہو جائے کہ عورت کے ساتھ جبر و زبردستی

Marfat.com

سے کام لیا گیا ہے تو صرف مرد ہی قتل ہوتا تھا"

چین کے متعلق انہیں سیاحوں اور تاجروں کا یہ بیان اگر صحیح ہے جو سلیمان نے لکھا ہے یں بجنسہ اس کے الفاظ نقل کر دیتا ہوں۔ وہ لکھتا ہے:-

واھل الصّین یلوطون بغلمان۔ (ص۵۴) اور چین والے چھوکروں کے ساتھ فعل خلاف وضع فطری کے مرتکب ہوتے ہیں۔

تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا کہ چوری چھپے نہیں بلکہ علانیہ چین والوں میں اس بد عادت کا رواج تھا۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کی طرف سے اس پر لوگوں کی گرفت نہیں ہوتی تھی بلکہ جیسے فاحشہ عورتوں کو فحش کاری کی باضابطہ سند حکومت کی طرف سے دی جاتی تھی اسی طرح شاید اس فعل کا حکومت کی طرف سے لائسنس بھی دیا جاتا تھا۔ جیسا کہ میں بار بار کہتا رہا ہوں کہ پیغمبرانہ اور غیر پیغمبرانہ نظام حیات میں بڑا فرق ہے۔ چین صنعت و حرفت، طب و فلسفہ، حکمت و دانش کی جن بلندیوں تک ترقی کر کے جس زمانہ میں

(حاشیہ صفحہ ۱۵۱) ڈاکٹر اشرف الحق مرحوم حیدر آبادی جنہوں نے پچھلے دنوں خاص چینی مسائل پر مختلف رسائل شائع کئے تھے۔ خیال آتا ہے کہ ان کے انہی رسائل میں سے کسی رسالہ میں یہ چیز بھی درج تھی کہ جرمنی کے ریشتاغ میں ایک رکن نے قومِ لوط کی اس عادت کو قانونی جواز عطا کرنے کی تجویز پیش کی تھی۔ یاد پڑتا ہے کہ ڈاکٹر اشرف الحق صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ آخر اس قانون کو ریشتاغ سے اس ممبر نے منوا بھی لیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب شاید اس سے خود بھی ملے تھے۔

Marfat.com

پہنچا ہوا تھا۔ ٹھیک اُن ہی دنوں میں آپ دیکھ رہے ہیں کہ ان
ہی دانش مندوں کی نگاہ ایسے غیر معمولی اخلاقی جرم کے جرم
ہونے تک نہ پہنچ سکی ؎

بہر حال مجھے یہ کہنا ہے کہ مغربی تہذیب و تمدّن کے ائمہ کو آپ دیکھ رہے ہیں کہ خدا اور خدائی تعلیم
سے ٹوٹ کر باایں ہمہ عقل و فرزانگی کن خندقوں میں جا گرے ہیں۔ عقلِ انسانی۔ انسانی عقل
اس وقت تک بن ہی نہیں سکتی۔ جب تک کہ انبیاء علیہم السّلام کی لائی ہوئی تعلیم کی روشنی
سے بے تعلق ہو کر چلنے والے کل بھی ان ہی گڑھوں میں گرے تھے۔ اور آج بھی ٹھوکریں
کھا کھا کر وہ ان ہی میں گر رہے ہیں۔ اعاذنا اللہ من طغیان العقل و سکراتہ ۱۲

Marfat.com

عام اسلامی ممالک

اس وقت ان اسلامی ممالک کے مؤرخین کی انہی معلومات کو میں نے پیش کیا ہے جن کا زیادہ تر ہندوستان اور چین سے تعلق ہے۔ اب میں چاہتا ہوں کہ ان مؤرخین نے اپنے زمانہ میں اسلامی ممالک کو جس حال میں پایا ہے، اور ان کے جن خصوصیات کا ذکر کیا ہے۔ کچھ تھوڑا بہت ان کا تذکرہ بھی درج کردوں۔

جنّات وانہار کا مذاقِ عام اور اس کا عجیب منشاد

اس قسم کے تمام سیّاحوں (مثلاً الہمدانی، ابن حوقل، ابن خرداذبہ، المقدسی وغیرہ) سب ہی کی کتابوں میں اسلامی ممالک کے متعلق ہم چیز جس کو بطورِ قدرِ مشترک کے پاتے ہیں وہ جنّات (باغوں) اور انہار کا تذکرہ ہے۔ مشکل ہی سے کسی ملک کا ذکر ان لوگوں نے کیا ہے جس میں وہاں کے باغات، بہتی ہوئی نہروں، جاری چشموں کا اور وہاں کے سرد ٹھنڈے پانی کے ذکر کو انہوں

Marfat.com

نے ترک کیا ہو۔ الّا ماشاء اللہ۔ آج انہی اسلامی علاقوں کا جو حال ہے اس کو دیکھتے ہوئے سچ تو یہ ہے کہ ان سیّاحوں کے بیان پر اعتماد کرنا، دشوار ہے لیکن روایت ایک دو آدمی کی جھٹلائی جاسکتی ہے۔ سب ہی جھوٹ بولتے تھے اور سبھوں نے غلط بیانوں سے کام لیا ہے، یہ فیصلہ بھی تو آسان نہیں ہے۔

خدا ہی جانتا ہے کہ اپنے مذہب کے ان شدید معتقد مسلمانوں پر جنّات وانہار کا یہ مذاق کیسے غالب آگیا تھا۔ المقدسی نے اپنی کتاب "احسن النقاسیم" میں فارس کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ بیان کرنے کے بعد کہ آجکل اس علاقہ پر دیلم کے بنی بویہ کی حکومت ہے۔ مشہور دیلمی بادشاہ عضدالدولہ کے شاہی[1] محل اور اس کے متعلقہ جنّات وانہار کی تفصیل کے سلسلہ میں ایک دلچسپ اپنا خود زائیدہ نکتہ یہ درج کیا ہے۔ یعنے یہ سوال اٹھاتے ہوئے کہ اس قسم کی نہروں اور باغوں کا یہ خیال ان لوگوں میں کس راہ سے پیدا ہوا؟ جواباً اپنی یہ توجیہہ پیش کی ہے کہ:۔

واظنہ بناھا علی ما سمع من اخبار الجنتہ۔	میں خیال کرتا ہوں کہ جنّت کے متعلق جو خبریں ان لوگوں نے سنی ہیں انہی خبروں نے ان

---

[1] مقدسی نے اس شاہی محل کی براہِ راست خود سیر کی تھی۔ اس نے لکھا ہے کہ بادشاہ نے تین سو ساٹھ محل بنوائے ہیں۔ سال کا ہر دن ایک خاص محل میں گذارتا ہے۔ ہر محل دو منزلوں پر مشتمل ہے۔ ایک بالائی اور دوسری تحتانی، ہر محل کی تحتانی منزل میں میلوں دور سے نہریں کاٹ کر لائی گئی

Marfat.com

باغوں اور نہروں کا خیال ان میں پیدا کیا۔ (احسن التقاسیم ص۴۴۵ مقدسی)

جس کا مطلب گویا یہی ہوا کہ ان مسلمانوں میں جنّات و انہار کے عمومی ذوق کو قرآن ہی نے پیدا کیا تھا۔

مقدسی ہی نے لکھا ہے کہ:۔

"عضد الدولہ کے ان محلّات کو دیکھ کر عام آدمی تو آزمائش میں مبتلا ہو جاتا ہے اور جو صاحبِ علم و معرفت ہیں ان کے قلوب میں جنّت کا شوق زیادہ تیزی کے ساتھ بھڑک اٹھتا ہے۔"

ہیں، اور محل کے مختلف کاشانوں اور حصّوں میں نہایت تیزی سے بہتی رہتی ہے، اسی طرح چھ میل دور ایک ندی سے نہر کاٹ کر لائی گئی ہے اور نلوں کے ذریعہ ان کا پانی بالائی منزل کی عمارتوں دوڑایا گیا ہے۔ بنگلوں پر اوپر سے ان نہروں کا پانی گرتا ہے اور ان کو ہمیشہ تر رکھتا ہے۔ اس شاہی محل کے ہر کمرہ کا رنگ الگ ہے کسی پر چینی کے برتن جیسا کام ہے۔ کسی کا رنگ پتھر کے مانند ہے۔ کوئی ان میں سنہرا ہے۔ کسی کا رنگ نقرئی ہے۔ ان تین سو ساٹھ محلوں میں ہر محل اپنی وضع قطع شکل و صورت فرش فروش ساز و سامان میں دوسرے سے قطعًا علیحدہ ہے اور ہر ایک کو گھنے باغات گھیرے ہوئے ہیں جن میں دنیا بھر کے نوادر میوے اور پھل لگے ہیں۔ ان ہی محلوں میں ایک "ایوان" کتابوں کے لیے مختص ہے۔ اس کے لیے ایک خازن ایک مشرف ایک کلید بردار اور ایک ناظر مقرر ہے اس وقت تک دنیا میں جو کتابیں تصنیف ہوئی ہیں ان کا ایک نسخہ یہاں مہیا کیا گیا ہے۔ کتب خانہ کا یہ محل بڑا طویل و عریض پلاسٹر کیا ہوا ہے جن میں الماریاں ہیں اور ترتیب سے کتابیں رکھی گئی ہیں۔ ہر فن کی کتابوں کا کمرہ الگ ہے۔ کتابوں

Marfat.com

بصرہ کی نزہت گاہیں

بہرحال وجہ کچھ بھی ہو اس عہد کے مسلمانوں پر "جنّات وانہار" کا ذوق کس حد تک غالب تھا۔ اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ بصرہ جو ظاہر ہے براہ راست مسلمانوں کا خاص آباد کیا ہوا شہر تھا۔ ابن حوقل نے یہ لکھتے ہوئے کہ:۔

"اس شہر کی نہروں وغیرہ کا حال جب سنتا تھا تو دل ماننے پر آمادہ نہیں ہوتا تھا لیکن مشاہدہ کے بعد میں نے اس کو کچھ پایا ہے اس کو کیسے نہ بیان کروں۔"

پھر اپنی چشم دید رپورٹ اس نے درج کی ہے، جس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ:۔

"اس علاقے میں عبداسی سے عبادان تک جو ڈیڑھ سو میل کی مسافت کم و بیش ہو گی گھنے اور گنجان نخلستان ہیں۔ ایسے نخلستان کہ آدمی اس علاقے کے جس حصّے میں بھی ہو اپنے آپ کو کسی نہر کے کنارے کسی نخلستان ہی میں پائے گا۔ اور ان تمام علاقوں میں تھوڑی تھوڑی دور پر آرام گاہیں اور نشستگاہیں مسلسل ملتی چلی جائیں گی۔ حسین اور خوبصورت، درمیان میں پرفضا نزہت انگیز میدان ہیں جن میں طرح طرح کے فواکہ، اثمار اور پھل پھول بھرے ہوئے ہیں بڑے بڑے تالاب ہیں۔ تم لوگوں کو پاؤ گے کہ اپنی سیر گاہوں میں

کی فہرست مفصل بنی ہوئی ہے ۱۲ (احسن التقاسیم ص ۴۲۹)

Marfat.com

ٹہل اور پھر رہے ہیں۔ آ رہے ہیں آ جا رہے ہیں۔ کوئی اوپر سے نیچے کی طرف آ رہا ہے، کچھ نیچے سے اوپر کی طرف جا رہے ہیں، دُور دُور تک اس خطّہ میں نہ پہاڑ ہیں اور نہ ٹیلے ایک مسطح میدان ہے جو درختوں سے بھرپور ہے۔ اسی میں حضرت علی رضؓ کرم اللہ وجہہ کے آثار ہیں۔ جمل کا واقعہ اسی علاقہ میں ہوا تھا۔ اسی شہر میں کے اندر حضرت طلحہ رضؓ کا مزار ہے اور شہر سے باہر حضرت[1] انس رضؓ کی قبر ہے، حسن بصریؒ

---

[1] حضرت انس رضؓ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ خادم خاص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ہیں۔ بصرہ میں ان کا باغ مشہور تھا اسی میں آپ کا قصر بھی تھا۔ طبقات ابن سعد میں لکھا ہے کہ حضرت انس رضؓ کے اس باغ میں ایک پھول ہوتا تھا۔ اس کی خوشبو مشک کی خوشبو جیسی تھی طبقات ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت والا کے اس باغ میں طرح طرح کی ترکاریاں اور سبزیاں بھی ہوتی تھیں۔ جنہیں عموماً آپ احباب میں تقسیم فرماتے تھے۔ آپ کے اس باغ کے متعلق عموماً ان ہی کتابوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ سال میں دو دفعہ فصل اس میں آتی تھی سمجھا جاتا تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت انس کو جو دعا دی تھی یہ اس کی برکت تھی لیکن آہ آج وہی بصرہ ہے۔ وہی آسمان، وہی زمین، اجاڑ میدان "اشیٔ من سدر قلیل" کی سی کیفیت ہے، اور ایک بصرہ ہی کیا سارے عراق کا یہی حال ہے۔ امیر شکیب ارسلان نے لکھا ہے کہ جرمنی کے ایک بہت بڑے انجینئر نے مجھ سے ایک دفعہ بیان کیا تھا۔ کہ عراق کی سرزمین نے جب کی تھی ہارون الرشید کے زمانہ کی

Marfat.com

کی ، ابن سیرینؒ کی اور دوسرے علمائے بصرہ کی قبریں ہیں ۔ اُبلہ کی نہر بھی ہے جس کا طول بارہ میل کے قریب ہے ۔ بصرہ سے اُبلہ تک نہر کے دونوں جانب باغات اور بڑے بڑے محل بنے ہوئے ہیں ۔ سب ایک دوسرے سے ملے جُلے ہیں اور اس طرح ملے جلے ہیں کہ گویا ایک باغ ہے جسے ڈوری سے ناپ کر کسی نے لگایا ہے ۔ پھر اس نہر سے بھی شاخیں پھوٹی ہیں ۔

بصرہ کے اس علاقے میں ابن حوقل نے لکھا ہے کہ :-

"ایک لاکھ بیس ہزار نہریں جاری تھیں ان میں سے ایک ہزار نہروں کی وسعت اتنی تھی کہ بآسانی ان میں کشتیاں چلتی ہیں ۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے ان اولوالعزمیوں کا جوان نہروں کے کھدوانے والوں میں کارفرما تھیں ۔ اور ان کے کنارے بھی درختوں کا یہی حال ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سب ایک دن نصب کئے گئے ہیں ۔" (ص ۱۶)

بخارا اور ماوراء النہر وغیرہ کی زرخیزی

اور عراق جو نسبتاً ایک خشک علاقہ ہے ، جب مسلمانوں نے کسی زمانہ

ایک نہر جو اب برباد شدہ حال میں ہے دیکھ کر متحیر رہ گیا ۔ اس نے کہا کہ اتنی طویل اور اتنی عمیق نہروں کا بنانا موجودہ زمانہ کی مغربی حکومتوں کے بس کی بھی بات نہیں ہے ۱۲

Marfat.com

میں اسے ایسا باغ و بہار بنا رکھا تھا۔ اسی سے اندازہ ان سرد سبز، اور گرم سیر علاقوں کا ہو سکتا ہے۔ جو ایران و خراسان ترکستان وغیرہ میں واقع تھے جن کی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ اپنی کتاب "ہمارے علمی گہوارے" میں کروں گا اس وقت صرف ابنِ حونل کی اُن چند سطروں کا ترجمہ کر دینا کافی ہو گا جو اس نے بخارا اور سمرقند کے متعلق اپنے تاثرات کو قلمبند کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:-

"تم بخارا کے قلعہ پر چڑھ جاؤ اور اس کے بعد اپنی نظر کو جولانی دو۔ دُور دُور تک نگاہ دوڑاؤ۔ بجز سرسبزی اور ہریالی کے تمہیں کوئی چیز نظر نہ آئے گی۔ ایسی سرسبزی آسمان کے رنگ سے جس کا رنگ مل جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک نیلا شامیانہ کسی سبز فرش پر تنا ہوا ہے اور بخارا کے قصور و محلات ان کے بیچ میں کچھ ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ ستارے جگمگا رہے ہیں ایک ایسی زمین جس میں نہ نشیب ہے نہ فراز جیسے آئینہ کی سطح"۔

پھر کچھ اور چیزوں کا تذکرہ لکھنے کے بعد وہی لکھتا ہے کہ:-

"بخارا سے دریائے سغد کی وادی کی طرف چلے آؤ۔ دائیں بائیں مسلسل تمہیں آبادیاں کوہِ مُبتم تک ملی جلی نظر آتی چلی جائیں گی ایسی آبادیاں جن کے چاروں طرف سبزہ زار محیط ہے۔ ان کی تر و تازگی کسی طرح ختم نہیں ہوتی۔ یہ آٹھ دن کا راستہ ہے قطعاً ایک دوسرے کے ساتھ گتھے ہوئے اشجار، باغات، بساتین

Marfat.com

میدان جنہیں نہروں نے گھیر رکھا ہے، ایسی نہریں جو ہمیشہ جاری رہتی ہیں، بیچ بیچ میں ان ہی باغوں اور مرغزاروں کے بڑے بڑے تالاب جن میں پانی چھلکتا رہتا ہے۔ کھیتیاں ہیں کہ جدھر نظر اٹھاؤ لہلہاتی معلوم ہوں گی۔ جو دریائے سغد کے دونوں کنارے پھیلی ہوئی ہیں۔ پھر ان کھیتوں کے پیچھے پیچھے چراگاہیں ہیں۔ اور درمیان درمیان میں اونچے اونچے قصور، محلات، قلعے ہر شہر اور ہر گاؤں پر آبادی کے متعلق ملتے چلے جائیں گے اور ان کی وجہ سے اس علاقے کا حسن دوبالا ہو گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سبز دیبا کے کپڑے کے سامنے ان بہتی صاف شفاف شیریں نہروں کو کسی نے سی دیا ہے۔ اس علاقہ کے باشندوں کے گھروں میں اور ان کے باغات میں بھی نہریں گھومتی رہتی ہیں۔ کوئی سڑک، کوئی بازار، کوئی سمت، کوئی قصبہ، اس میں ایسا نہیں ہے جس میں ان نہروں کا پانی نہ دوڑ رہا ہو اور سامنے کوئی حوض پانی سے بھرا ہوا نہ چھلک رہا ہو۔ یہی حال فرغانہ، شاش، اشروسنہ، اور سارے ماوراء النہر کا ہے کہ گھنے درختوں سے وہ بھرا ہوا ہے۔ جن میں طرح طرح کے فواکہ، میوے، پھل، پھول ہیں۔ ترکستان کے پہاڑوں تک یہی حال ہے۔ انگور، اخروٹ، سیب اور دوسرے فواکہ، گلاب، بنفشہ اور طرح طرح کے پھول بکثرت نظر آئیں گے۔ پہاڑ کے قریب تو پھر ان کی کوئی قیمت ہی نہیں ہے۔ جس

Marfat.com

کا جی چاہے کھا سکتا ہے۔ توڑ سکتا ہے نہ کوئی روکنے والا نہ ٹوکنے والا۔ میں نے ماوراء النہر کے انہی پہاڑوں میں دیکھا کہ پستے کے درختوں کی وہ کثرت ہے کہ ان کی وہاں کوئی قیمت ہی نہیں جس کا جی چاہے مفت جتنا چاہے لے سکتا ہے۔ یہاں میں نے گلاب کے بھی طرح طرح کے پھول دیکھے، جو خریف کے آخر موسم تک باقی رہتے ہیں۔ ان کی پنکھڑیوں کی بیرونی سطح کا رنگ کچھ اور ہوتا ہے اور اندرونی کا کچھ اور۔ اگر بیرونی سطح سُرخ ہے تو اندرونی زرد۔ باہر والی نیلی ہے تو اندرونی پیلی ہے۔"

(ابن حوقل صـ ۳۴۳)

صحرائے افریقہ میں آبپاشی کے ذرائع

اور ایران، و ترکستان، خراسان وغیرہ کو تو جانے دیجئے۔ یہاں کے قدرتی ذرائع سے مسلمانوں نے اگر نفع اٹھایا تو محلِ تعجب نہیں۔ حیرت تو اس پر ہوتی ہے کہ مغربی افریقہ کے جہنمی منطقہ حارہ مثلاً سجلماسہ اور غشت وغیرہ دور دراز علاقوں کو بھی اپنے اسی نہری اور آبی ذوق سے باغ و بہار بنا رکھا تھا۔ ابن حوقل المجر نامی ایک آبادی کا جو اسی علاقہ میں ایک پہاڑ پر حکومت ادریسہ کی قائم کی ہوئی تھی اس کے متعلق لکھتا ہے کہ :۔

"یہ ایک نو تعمیر بڑا شہر ہے۔ ایک بلند او نچے پہاڑ پر آباد کیا گیا ہے۔ آلِ ادریس والوں نے اس کو بسایا ہے۔ یہاں ان

Marfat.com

لوگوں کا ایک قلعہ بھی ہے۔ اسی قلعہ میں ان کے مملوکات ہیں۔
اس شہر کی ان کی نظر میں بڑی قدر و منزلت ہے۔ خطروں سے
سمجھا جاتا ہے کہ محفوظ ہے"

بہر حال مغربی افریقہ کے اس بر سرِ کوہ آبادی کے پانی کا تذکرہ کرتے ہوئے
ابن حوقل راوی ہے کہ:۔

"یہاں بھی مختلف چشموں سے نہریں جاری ہیں اور باغات و
بساتین ان ہی نہروں سے سیراب کیے جاتے ہیں"

اس نے لکھا ہے کہ:۔

"بڑے وسیع پیمانہ پر یہاں زعفران کی کاشت ہوتی ہے۔
بلکہ اسی شہر کے قریب اریس نامی جو جگہ ہے وہاں کی پیداوار صرف
زعفران ہے" (ص ۶۱)

اسی مغرب اقصیٰ کے ایک اور دُور دست پہاڑی شہر جس کا نام جبل نفوسہ
ابن حوقل نے بتایا ہے۔ حالانکہ اس کی چڑھائی جیسا کہ اسی نے لکھا ہے کامل
تین دن کی ہے۔ لیکن پہاڑ پر پہنچنے کے بعد اس نے دیکھا کہ:۔

"پانی کی نہروں کا جال وہاں بھی بچھا ہوا ہے۔ شہر کے اطراف
میں بڑے بڑے تاکستانوں سے معمور ہیں۔ جن میں بہترین انگور
لگتے ہیں اور انجیر بھی اس علاقہ کے حد سے زیادہ پُر مغز ہیں"

اسی شہر کے ذکر میں اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

"زراعت یہاں صرف جَو کی کرتے ہیں۔ مگر اس جَو کو بھی مسلمانوں

Marfat.com

نے خدا ہی جانتا ہے کس ترکیب سے اس مرتبہ پر پہنچا دیا تھا
کہ ابن حوقل گواہی دیتا ہے :"
"جب اس کی روٹی پکائی جاتی ہے تو سارے جہان کے کھانوں
میں اس روٹی کو میں نے لذیذ ترین غذا پایا ۔ میں نے روئے زمین پر
اس کی نظیر نہیں دیکھی " (ص ۶۸)

شہروں میں آب رسانی کے طریقے

مسلمان شہروں اور آبادیوں میں پانی لانے کے متعلق کن کن تدبیروں سے
کام لیتے تھے اس کا اندازہ ان بیانات سے ہو سکتا ہے ۔ مثلاً نیشا پور کے تذکرے
میں ابن حوقل نے لکھا ہے کہ :-
"اس شہر میں پانی زیر زمین نالیوں کی راہ سے لایا گیا ہے یہ نالیاں
باشندوں کے مکانوں کے نیچے نیچے بنائی گئی ہیں ۔ پھر شہر والوں
کی ضرورت کو پوری کر کے نہر شہر سے باہر نکل جاتی ہے اور ان
کشت زاروں اور باغوں میں گم ہو جاتی ہے جو شہر کے چاروں طرف
پھیلے ہوئے ہیں "
پھر آگے لکھا ہے کہ :-
"نیشا پور والوں کے پاس سفادر نامی ایک بڑی نہر بھی ہے اس
اس سے اطراف و نواحی کے باشندوں کی ضرورت پوری ہوتی
ہے "

Marfat.com

اُسی کا بیان ہے کہ:۔

"جن زیرِ زمین نالیوں سے پانی کی سیرابی ہوتی ہے ان کی حفاظت و نگرانی کے لیے باضابطہ ایک عملہ مقرر ہے۔"

اسی نیشاپور کی زیرِ زمین نالیوں کے ذکر میں اس نے لکھا ہے کہ:۔

"بعض بعض مقامات پر ان کی گہرائی سو سو درجے تک پہنچ گئی ہے۔" (ص ۳۱۲)

اسی طرح مرو مشہور خراسانی شہر کے متعلق لکھا ہے کہ:۔

"دریائے مرغاب سے نہریں کاٹ کر شہر تک پانی لایا گیا ہے پانی کی تقسیم کا ایک مرکز ہے، اسی مرکز سے شہر مرو کے ہر ہر محلہ اور ہر بازار میں پانی تقسیم ہوتا ہے۔ جہاں سے لوگ پانی پیتے ہیں۔ اس کے دہانے پر سوراخ کیے ہوئے لکڑی کے تختے لگے ہوئے ہیں کچھ ایسی تدابیر اختیار کی گئی ہے کہ مقررہ مقدار سے پانی کی آمد نہ گھٹ سکتی ہے نہ بڑھ سکتی ہے۔"

ابنِ حوقل کا بیان ہے کہ:۔

"دس ہزار آدمی پانی کے سر براہی کے اس طریقے پر کام کرتے ہیں۔ ان کا افسر مرتبہ میں والی (گورنر) شہر سے کم نہیں ہے، سردیوں میں موم لگا کر لوگ مرمت کے لیے نہر کی شاخوں میں گھستے ہیں۔" ص ۳۱۵

اور میل ہا میل سے آبادیوں تک پانی لانا، ان کو بلند سے بلند مقام تک پہنچانا

Marfat.com

یہ تو اس زمانہ میں اسلامی شہروں کی ایک عام رسم معلوم ہوتی ہے۔

اور یہ تو میں نے بطور مثال کے نقل کیا ہے۔ ابن حوقل کے قلم کی رفتار کا یہی حال قریب قریب دوسرے ایرانی و خراسانی و سیستانی شہروں، اور آبادیوں کے ذکر میں بھی پایا جاتا ہے۔ آخر میں اس نے ان چیزوں کو لکھنے کے بعد یہ بھی لکھ دیا ہے کہ:۔

"مشرق کے متعلق مجھے جو کچھ لکھنا تھا۔ بس اس کی یہ آخری حد ہے جہاں اسلامی ممالک کے حدود ختم ہوتے ہیں اور انشاء اللہ میں نے جو کچھ ارادہ کیا تھا اس میں، میں نے کوئی کوتاہی نہیں کی ہے۔ اور جہاں تک میں اپنے نزدیک سمجھتا ہوں۔ محض گرمیٔ بزم اور زینتِ کلام کے لیے یا کسی علاقہ کی مذمت اور تحقیر کے لیے کسی مبالغہ سے یا خلاف بیانی سے میں نے کام نہیں لیا ہے۔"

اپنے شوقِ سیاحت کی نسبت ابن حوقل کا بیان

"یہ جو کچھ میں نے کام کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ابتدائے جوانی سے مجھے اس کا شوق تھا کہ مختلف ممالک کے حالات کا علم حاصل کروں۔ اس لیے ان لوگوں سے جو سیر و تفریح میں عموماً رہتے ہیں یا تجارت کے سلسلہ میں ایک ملک سے دوسرے ملک میں ان کی آمد و رفت ہے ملکوں کے حالات دریافت کیا کرتا تھا۔ نیز اس موضوع پر اب تک جو کتابیں تالیف ہوئی ہیں ان کا مطالعہ

Marfat.com

بھی کیا کرتا تھا۔ شروع میں میرا حال یہ تھا کہ جس آدمی کو سچا سمجھ کر اس سے ملاقات کرتا اور خیال کرتا کہ وہ ان علاقوں کا بڑا واقف کار ہے لیکن بعد کو دیکھا کہ ان میں زیادہ تر غلط بیانیوں سے لوگ کام لیتے ہیں اور جن باتوں کی وہ خبریں دیتے ہیں ان سے یہ خود عموماً ناواقف ہوتے ہیں جس کا پتہ مجھے یوں چل جاتا تھا کہ جو کچھ جس کسی سے سُن لیتا تھا اُسے اچھی طرح ذہن میں محفوظ کر لیتا تھا۔ پھر ان روائتوں کو ملاتا تو بکثرت ان بیانوں میں مجھے تضاد محسوس ہوتا“

لکھا ہے کہ اس تجربہ کے بعد:۔

”مجھ پر یہ شوق مسلّط ہوا اور دل ہی دل میں اس عزم کو پختہ کرنے لگا کہ میں خود سفر کروں گا اور خطرات جو پیش آئیں گے ان کے برداشت کرنے کے لیے اپنے آپ کو تیار کرنے لگا۔ کیونکہ میں کرۂ ارض اور اس کے مختلف حصّوں کا ایک صحیح نقشہ تیار کرنا چاہتا تھا[1]“

---

[1] زمین کی نقشہ کشی کا ذوق مسلمانوں میں شروع ہی سے معلوم ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ تک کے عہد سے اس کا پتہ چلتا ہے۔ الہمدانی نے لکھا ہے کہ دیلم پر جب حجاج کے زمانہ میں چڑھائی ہوئی تو حجاج نے حکم دیا کہ دیلم کے علاقہ کا نقشہ کھینچ کر مجھے بھیجا جائے یعنی اس کے پہاڑی اور میدانی علاقے بلند اور پست خطے، اس کے جنگل، اس کے راستے۔ پس اس کا نقشہ بنا کر حجاج کو بھیجا گیا۔ مسلمانوں نے اس فن پر جو کام کیا ہے اس کی داستان تو طویل

Marfat.com

روایات کی تنقید کا جو معیار اس نے خود مقرر کیا ہے اس میں ایک دلچسپ فقرہ اس کا یہ ہے۔ عربی کے بجنسہ الفاظ ہی میں اس کا لطف کچھ زیادہ مل سکتا ہے۔ ایک روایت کی تنقید کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

لان المنکر لما لا یعلم اعذر من المقر بما یجہل (ص ۳۳)	نہ جاننے اور ناواقفیت کی وجہ سے کسی چیز سے انکار کرنے والے کا عذر زیادہ پذیرائی کا مستحق ہے بہ نسبت اس شخص کے جو خواہ مخواہ ان چیزوں کو مانتا چلا جاتا ہے جن سے وہ ناواقف اور جاہل ہے۔

منطقیوں کا مشہور فقرہ کہ "عدم العلم مستلزم علم المعدم" نہیں ہے " یعنی کسی چیز سے ناواقف ہونے کا مطلب یہ غلط ہے کہ اس چیز کے نہ ہونے کا دعویٰ کر لیا جائے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بجائے خود یہ بھی ایک بہترین فکری مشورہ ہے اور روشن خیال مدعیوں میں زیادہ تر اسی کا

ہے اور عام طور پر یہ مشہور ہے۔ ادریسی کا مشہور چاندی کا کرہ جس میں زمین کے چپہ چپہ کا پتہ دیا گیا تھا۔ حتیٰ کہ لوگوں کا بیان ہے کہ امریکہ کا بھی اسی نے پتہ دیا تھا۔ خود ابن حوقل نے بھی کرۂ ارض کا اٹلس بنایا تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ اس کی کتاب کے ساتھ وہ طبع نہیں ہوا۔ وہ ہر جگہ اپنے اٹلس کا حوالہ دیتا ہے۔ خصوصاً ایک جگہ سے دوسری جگہ کی سمت اور فاصلہ کی تو اس نے پوری فہرست بھی دی ہے جو موجودہ کتاب میں بھی محفوظ ہے ۱۲

Marfat.com

مرض پھیلا ہوا ہے۔ عموماً ان ہی چیزوں کے منکر ہیں جن سے وہ ناواقف اور جاہل ہوتے ہیں۔ اپنی ناواقفیت ہی کو وہ اس چیز کے نابود ہونے کی دلیل بنا لیتے ہیں۔ جن سے وہ ناواقف ہوتے ہیں۔ لیکن اسی کے ساتھ دوسری طرف بھی ایک قسم کی وہی زیادتی پائی جاتی ہے۔ جس کی سب سے اچھی تعبیر مجھے ابن حوقل ہی کے یہاں ملی۔ یعنے ہر مجہول اور نامعلوم شئے کے مان لینے والوں سے یقیناً وہ زیادہ اچھا ہے جو یہ کہتا ہے کہ جب تک مجھے وہ چیز معلوم نہ ہوجائے خواہ مخواہ اس کا اقرار کیوں کر دوں۔"

عربوں کی چاول سے واقفیت کا عجیب واقعہ

بہرحال ابن حوقل کی روشن خیالی اور سخت تنقیدی نظر کا اندازہ آپ کو اس کے مذکورہ بالا عمل اور اصول سے ہوسکتا ہے۔ ایسی صورت میں اس کے مسموعات نہیں بلکہ براہ راست مشاہدات کے متعلق شک کرنے یا شاعری قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے موجودہ اخلاف کو دیکھ کر ان اسلاف کے مذاق کا پتہ چلانا قطعاً ایک گمراہ کن طریقۂ استدلال ہوگا انہار و اشجار کے سلسلہ میں ایک چیز کا خیال آگیا یعنی چاول! ظاہر ہے کہ عرب چاول یا دھان سے گویا قریب قریب ناواقف ہی تھے۔ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے ارز کے لفظ سے ان کے کان ضرور آشنا تھے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے "الارز" کا ذکر اپنی ایک حدیث میں فرمایا ہے بخاری کی روایت جس میں غار میں گرفتار ہونے والے تین آدمیوں کا قصہ بیان

Marfat.com

کیا گیا ہے۔ مگر خود چاول کو مسلمان سپاہیوں نے پہلی دفعہ جب دیکھا تو الہمدانی نے یہ عجیب لطیفہ اس کے متعلق نقل کیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ:-

"بصرہ جہاں پر آج کل آباد ہے، یہاں پہلے ایک جنگل تھا، اور عموماً اس کو "ارض الہند" کہتے تھے۔ غالباً ہندوستان کے جہازوں کے ٹھہرنے کی جگہ قدیم زمانہ سے اسی جنگل کے قریب ہو گی۔ اس جنگل میں کچھ چور چھپے ہوئے تھے۔ اسلامی فوجیوں کو دیکھ کر راہِ فرار اختیار کی، اور دو تھیلیاں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ جن میں ایک تھیلی چاول کی تھی۔ عربوں نے نئے قسم کے دانے دیکھ کر خیال کیا کہ شاید کوئی زہریلی چیز ہے۔ جو افسر تھا اس نے حکم دے دیا کہ کوئی ان کو ہاتھ نہ لگائے۔ تھیلی کا منہ کھلا ہوا تھا۔ رات کو اتفاقاً کسی سپاہی کا گھوڑا کھل گیا۔ اور اسی بوری کی طرف نکل آیا۔ جس میں چاول رکھے ہوئے تھے۔ گھوڑے نے اس میں منہ مار دیا۔ پیچھے سے اس کا مالک بھی پکڑنے کے لیے چلا آرہا تھا۔ یہ دیکھ کر زہر کی تھیلی میں اس کے گھوڑے نے منہ مارا ہے سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اور انتظار کرنے لگا کہ صبح تک بے چارے کی موت یقینی ہے۔ دوسروں کو بھی اس کی خبر ہوئی اور سب اس کی موت کے انتظار میں رات گذارنے لگے۔ لیکن صبح تک دیکھا گیا کہ اس پر زہر کے آثار تو کیا طاری ہوتے بالکل بھلا چنگا ہے۔ لید بھی اچھی طرح سے ہوئی اور پیشاب بھی اس نے

Marfat.com

غروب کیا۔ تب دم ہیں دم لوگوں کے آیا۔ اور اب خیال بدلا سمجھا گیا کہ کوئی کھانے ہی کی چیز ہے۔ پانی ڈال کر ہانڈی ہیں چاول کو چڑھادیا گیا۔ تھوڑی ہیں پھول کی طرح کھلے ہوئے چاول ان کی نگاہوں کے سامنے آگئے۔ پھر بھی ڈرتے ڈرتے لوگوں نے ابتدائی نوالے اٹھائے۔ لیکن کھانے کے بعد معلوم ہوا کہ یہ تو بڑی لذیذ غذا ہے۔ تب یقین ہوا کہ یہ تو کوئی غذائی شے ہے"

(الہمدانی ص ۱۸۸)

لیکن حال ہی ہیں الہلال مصر ہیں ایک مضمون "الارز" پر شائع ہوا تھا۔ جس ہیں اسی چاول کی تاریخ درج کرتے ہوئے لکھا تھا کہ اس دانے سے واقفیت چین والوں کو حضرت مسیح علیہ السلام سے دو ہزار آٹھ سو سال پہلے ہو چکی تھی۔ چین ہیں اس غلّہ اور اس کی کاشت کو جو اہمیت حاصل ہے اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ بادشاہِ وقت کاشت کے وقت کھیت پر خود پہنچا کرتا تھا اور دھان کے چند پودے اپنے ہاتھ سے بطورِ شگون نیک کے لگاتا تب اس کے بعد دوسرے لوگ کام شروع کرتے تھے۔ اسی لیے سمجھا جاتا ہے کہ چاول بالکلیہ ایک مشرقی غلّہ ہے اور مشرق ہی سے یہ مغرب پہنچا ہے لیکن جانتے ہو کہ مشرق سے مغرب لے جانے والے اس کے کون ہیں؟ ان ہی کی اولاد جنہوں نے پہلی دفعہ چاول کو دیکھ کر سمجھا تھا کہ یہ کوئی زہریلی چیز ہے "الہلال" ہی ہیں لکھا تھا کہ:

"سب سے پہلے اس اناج کو یورپ مسلمان لے گئے۔ انہوں

Marfat.com

نے اندلس میں چاول کی کاشت کو مروّج کیا ہے اور پھر بتدریج دوسرے علاقوں میں بھی اس کی کاشت ہونے لگی۔" (الہلال مئی ۳۵ء)

اور کیا چاول ہی ایک چیز ہے جسے مسلمانوں نے ایک ملک سے دوسرے ملک تک پہنچایا ہے، ایک طویل فہرست اِس سلسلہ میں تیار ہو سکتی ہے۔

بہر حال مجھے تو صرف اس کی مثال دینے سے غرض تھی کہ ابھی ابھی جس چیز سے مسلمان ڈر رہے تھے، افادہ کے احساس کے ساتھ اس کے مبلغ بن گئے اور زندہ قوموں کا یہی دستور ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے جو مجھے ان مؤرخین کے کے بیانوں میں کوئی شک نہیں ہوتا۔ جب وہ مسلمانوں کی ان اولوالعزمیوں کو بیان کرتے ہیں جو آج اُن کے جانشینوں کو دیکھ دیکھ کر کچھ ناقابلِ مفہوم باتیں بنتی چلی جا رہی ہیں۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون

زراعت و باغبانی میں مسلمانوں کی حیرت انگیز ترقی

رُوس کی تازہ دم نئی شیوعی حکومت شورائیہ کی داستانوں کے سنانے والے عموماً آج یہ سُنا رہے ہیں کہ مختلف اناجوں کے پودوں کے ساتھ عمل تقلیم و تطعیم سے کام لے کر رُوسی گیہوں کے ایسے پودوں کے پیدا کرنے کامیاب ہو گئے ہیں جو مسلسل کئی سال تک اس طرح پھلتے رہتے ہیں۔ جیسے پھل والے درختوں میں ہر سال پھل لگتے ہیں لیکن صدیوں پہلے بھی ابن حوقل ہمیں یہ پرانی داستان سجلماسہ کے مسلمانوں کے متعلق سُناتا ہے۔ کہ ایک قسم کا غلہ جس کے متعلق اس کے الفاظ ہیں ہو خلقہ بین القمح والشعیر " یعنے جس کی شکل و

صورت گیہوں اور جَو دونوں سے ملتی جلتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب ان دونوں کے پودوں کی تطعیمی عمل سے یہ نتیجہ پیدا کیا گیا تھا یا کیا واقعہ تھا۔ تاہم نتیجہ اس کا جو ہوا تھا اُسے ان الفاظ میں ظاہر کرتا ہے کہ:۔

وبما تزرعوا سنة بند وحصدوه سبع سنين بسنبل لا يشبه سنبل الحنطة ولا الشعير

(ابن حوقل صـ ۶۵)

بسا اوقات اس غلّہ کے تخم کو ایک سال بوتے ہیں اور سات سال تک کاٹتے رہتے ہیں ایسے خوشے اس کے ہوتے ہیں جو نہ گیہوں ہی کے خوشوں سے مشابہ ہیں اور نہ جو ہی سے۔

ابنِ حوقل جس نے خود بھی اس غلّے کو استعمال کیا تھا لکھتا ہے کہ:۔

"ٹوٹنے میں تو یہ ذرا سخت ہوتا ہے لیکن کھانے میں گیہوں اور جَو دونوں سے زیادہ لذیذ ہے"

اور ابن حوقل تو چوتھی صدی ہجری کا آدمی ہے۔ تیسری صدی ہجری میں ہی مسلمانوں نے تقلیم و تطعیم کے فن کو معراجِ کمال تک پہنچا دیا تھا۔ مصری امیر خمارویہ کے باغ میں مقریزی نے لکھا ہے کہ دو شمس کے درخت کا بادام کے درخت سے اور بھی مختلف قسم کے پھلوں کے درختوں کی تقلیم دوسرے جنس کے درختوں سے کر کے نئے نئے پھل اُس نے پیدا کیے تھے جنہیں دیکھ کر لوگوں کو حیرت ہوتی تھی (صـ ۳۶ جلد ۱)

عمل تابیر یعنے نر درختوں کے پھول کو مادہ درختوں کے گیھوں میں منتقل کرنا کھجور کی حد تک تو اسلام سے پہلے اس عمل کو عرب بھی کیا کرتے تھے۔ لیکن ابنِ حوقل نے لکھا ہے کہ مغربی افریقہ میں لوگوں کو دیکھا کہ انجیر کے درختوں

Marfat.com

پر بھی اس عمل کو کرتے ہیں (ص ۱۲۴)

اسی نے فلسطین کے شہر زغر کو ذکر میں لکھا ہے کہ وہاں کے لوگوں نے کوشش کر کے ایک قسم کھجوروں کی ایسی پیدا کر لی ہے کہ ایک ایک پھل اس کا آدھ آدھ پاؤ کا ہوتا ہے اور رنگ بالکل زعفرانی۔ (ص ۱۲۴)

افریقہ کے شہر سوس کے ذکر میں اسی نے لکھا ہے کہ ایک نارنگی وہاں کے لوگوں نے ایسی برآمد کی ہے جو آدھی کف دست کی طرح چوڑی بھی ہوتی ہے۔ اس میں انگلیوں کی طرح پانچ شاخیں نکلی ہوتی ہیں۔ (ص ۱۲۵)

فنِّ باغبانی کو مسلمانوں نے نتائج کے لحاظ سے ترقی کے کن حدود تک پہنچا دیا تھا واقعہ یہ ہے کہ حال ہی میں مشہور محدّث و مفسّر علاّمہ شہاب الدین محمود آلوسی بغدادی صاحب تفسیر روح المعانی کی چشم دید شہادت اگر مجھے نہ مل جاتی تو شاید ان قصّوں پر اعتماد کرنا میرے لیے دشوار ہی تھا۔ صاحب روح المعانی جو تیرہویں صدی کے عالم ہیں انھوں نے تفسیر لکھنے کے بعد اپنے وطن بغداد سے قسطنطنیہ کا سفر دربارِ خلافت میں اسی کتاب کو پیش کرنے کے لیے براہ کردستان کیا تھا۔ انھوں نے ایک مختصر سا سفر نامہ بھی "نشوۃ الشمول فی سفر اسلامبول" عربی میں لکھا ہے۔ اس سفر نامہ میں مختلف مقامات جو راستہ میں ان کو ملتے ہیں وہاں کے بعض حالات و خصوصیات وہ درج کرتے چلے گئے ہیں۔ اسی سلسلہ میں وہ آمد بھی پہنچے ہیں۔ وہاں ترکی گورنر کے مہمان تھے۔ لکھا ہے کہ گورنر صاحب کے پاس ایک دن خربزہ آیا جس کا رنگ اوپر سے سبز تھا۔ اس خربزے کی اہمیت ان ہی کی زبان سے سنیئے، لکھا ہے کہ:۔

Marfat.com

"وہ اتنا بڑا تھا کہ دھوپ کی تمازت سے تھک کر اس کی آڑ میں اگر کوئی بیٹھ جائے تو وہ بخوبی سایہ حاصل کر سکتا ہے۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ چاک کر کے اس کو اگر دو حصّوں میں بانٹ دیا جائے اور اندر کا مغز نکال لیا جائے تو ہر ٹکڑا اچھا خاصا حوض بن سکتا ہے۔ ایسا حوض جس میں دو قلتین کے برابر پانی سما جائے اسے دیکھ کر مجھے بڑا تعجب ہوا۔ گورنر نے میرے اس حال کو دیکھ کر حکم دیا کہ اس خربزے کو ان کے سامنے تول کر دکھاؤ تا کہ ان کے علم میں مزید اضافہ ہو۔ اور آیندہ کامل اعتماد کے ساتھ دوسروں سے اس قصّے کو یہ بیان کر سکیں۔ بہرحال وہ خربزہ تولا گیا۔ تولنے والے نے اعلان کیا کہ پورے اٹھائیس حُقہ[1] اس کا وزن ہے۔ اس پر مفتی صاحب جو وہیں بیٹھے ہوئے تھے بولے کہ میں نے بھی ایک خربزے کو تولا تھا تو بارہ حقّے وہ اس خربزے سے زیادہ تھا انہی مفتی صاحب نے یہ بھی کہا ہے کہ میں نے زرد رنگ والے خربزے کو بھی تول کر دیکھا ہے تو وہ تیس حقّے کے برابر تھا۔ اس پر احمد آفندی نے کہا کہ میں نے دس سال پہلے ایک خربزہ دیکھا تھا۔ جو ایک بڑے مضبوط اونٹ پر لدا ہوا تھا۔ اور وہی تنہا اس اونٹ

---

[1] حقہ۔ یہ وہی لفظ ہے "مکّہ معظمہ" وغیرہ میں جسے اگر کہتے ہیں۔ اس وقت مجھے پورے طور پر یاد نہیں رہا کہ حساب سے "اگے" کا وزن کتنا ہے غالباً ایک سیر یا پون سیر کے مساوی ہے ۱۲

Marfat.com

کا کافی بوجھ تھا۔" (نشوۃ الشمول ص۹۲)

علامہ آلوسی نے اس کے بعد لکھا ہے کہ لوگ جو وہاں بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے کہا کہ وزن ہی نہیں بلکہ مزے میں بھی آمد کے خربوزے ضرب المثل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پھر اپنا تجربہ یہ بیان کیا ہے کہ چکھنے کے بعد واقعی مصری کی ڈلی اس کے سامنے شرمندہ تھی۔ آلوسی کی اسی عینی شہادت کو پڑھنے کے بعد الہمدانی کی اس روایت کے جھٹلانے کی جرأت مجھ میں باقی نہیں رہی یعنی اس نے لکھا ہے کہ ہارون الرشید کے پاس یمن سے حج کے موقع پر انگور کے دو خوشے آئے تھے جو اتنے بڑے بڑے تھے کہ ایک خوشہ ایک طرف اور دوسرا خوشہ دوسری طرف اونٹ پر لدا ہوا تھا۔ (الہمدانی ص۱۲۵)

اگر آلوسی کا بیان واقعہ ہے تو ابن حوقل کے اس بیان میں کیوں شک کیا جائے یعنی ٹیونس میں برشک نامی جگہ میں ناسپاتیاں جنہیں سفرجل مُعنّق کہتے ہیں یعنے گردن رکھنے والی ناسپاتیاں چھوٹے کدو کے برابر ہوتی تھیں۔"

(ص۵۲)

شاید آج جن ناسپاتیوں کو "برگو گوفشہ" کہتے ہیں جو ایک فرانسیسی لفظ ہے غالباً اسی قسم کی ناسپاتیوں کی طرف اشارہ ہے۔ لیکن چھوٹے کدو نسی کدو کے برابر ناسپاتی؟

بہر حال اس سلسلہ میں ان لوگوں نے جو کچھ لکھا ہے اُس کے "نمونے" کے لیے شاید یہ چند مثالیں کافی ہو سکتی ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس قسم کی پیداواروں میں مقامی خصوصیتوں کو بھی دخل ہوا کرتا ہے۔ لیکن مصیبت تو یہ

Marfat.com

ہے کہ جن مقامات میں جن چیزوں کی پیدا ہونے کی کافی صلاحیتیں پائی جاتی ہیں ان سے بھی تو لوگ نفع نہیں اٹھاتے۔ آخر یہی مسلمان تو تھے، یہی ہندوستان تو تھا، سلاطین اور بڑے بڑے نوابوں کو جانے دیجئے۔ شاہجہانی عہد کا مشہور کیرانوی جرّاح جو حسّو جراح کے نام سے مشہور تھا۔ اصلی نام شیخ حسن تھا۔ کیرانہ میں جو باغ اس جرّاح نے لگایا تھا۔ کہتے ہیں کہ پستہ جیسے نازک درخت تک اگانے اور سرسبز کرنے میں اسی ہندوستان میں وہ کامیاب ہوا تھا۔ مآثرالامراء میں ہے کہ:۔

باغ یک صد و چہل بیگہ را
دیوار پختہ کشید و حوضے
بذراع دو صد و بیست در
دو صد بوسط انداخت و
اشجار گرم سیر و سرد سیر ہر دو
نشاند گو بند نہال پستہ آنجا
سرسبز شدہ دانۂ خوب.
ہر جا کہ شنید از گجرات و
دکن تخم آں آوردہ کاشت
(مآثرالامراء ص ۳۸۱)

ایک سو چالیس بیگہ میں اسی جراح نے باغ لگایا تھا۔ اور پورا باغ چار دیواری سے گھرا ہوا تھا۔ باغ کے بیچ میں ایک حوض بھی بنوایا تھا جو دو سو بیس گز لمبا اور دو سو چوڑا تھا۔ گرم اور سرد دونوں قسم کے ممالک کے درخت اس باغ میں لگائے گئے تھے کہتے ہیں کہ پستہ کا درخت بھی اس باغ میں سرسبز ہوا تھا۔ اور آم کے متعلق تو یہ حال تھا کہ دکن اور گجرات تک سے تخم منگوا کر نصب کیے گئے۔ جہاں کہیں اچھے آم کی خبر ہوتی منگوایا جاتا۔

(حاشیہ آیندہ صفحہ پر)

Marfat.com

اشیاء کی ارزانی اور عام فراغ بالی

کرمان جو تمام ایران میں اپنی خشکی اور زمین کی خرابی کی وجہ سے بہت زیادہ بدنام

لے ایک عام آدمی جب اتنی اولوالعزمی دکھا سکتا تھا تو اسلامی سلاطین کے متعلق ایسی باغبانی کے جو قصے تاریخوں میں نقل کیے جاتے ہیں ان پر حیرت نہ ہونی چاہیئے۔ محمود بیگڑہ گجراتی بادشاہ کے حال میں لکھا ہے کہ سابرمتی ندی کے ساحل پر بیس میل لمبا آموں کا باغ اس نے لگایا تھا اور سلاطین کے ان قصوں کے دہرانے کے لیے دفتر چاہیئے۔ ابن طولون امیر مصر کے بیٹے خمارویہ جو تیسری صدی میں باپ کے بعد مصر کا گورنر وامیر تھا مقریزی نے لکھا ہے کہ اپنے باغ میں سارے جہان کے پھلوں اور پھولوں کے اگانے کی اس نے کوشش کی تھی۔ صرف کھجوروں کے سلسلے میں ایک قسم ایسے درختوں کی تھی جن کا قد جوان ہونے اور پھلنے پھولنے کے بعد بھی اتنا اونچا ہوتا ہے کہ بیٹھے بیٹھے آدمی ان کے پھلوں کو ہاتھ سے توڑ سکتا تھا۔ کھجور کے ان درختوں کے تنوں پر اس نے سونے کے ملمع کیے ہوئے تانبے کے خول چڑھوا دیئے تھے جن کے اندر سیسے کی نالیاں لگی ہوئی تھیں، پانی انہی اندرونی نالیوں میں چڑھایا جاتا تھا اور اوپر پہنچکر وہی پانی پھر باہر کی طرف ابلتا تھا۔ سارے باغ کی سیرابی اسی طریقے سے ہوتی تھی۔ اس باغ میں وہ زعفران کی کاشت کرانے میں بھی کامیاب ہوا تھا۔ پھولوں کا چمن ایک خاص نظام کے تحت لگایا گیا تھا۔ یعنی ایسی ترتیب قائم کی گئی تھی جس سے مختلف نام ان پھولوں کی اس ترتیب سے بن جاتے تھے یا مختلف قسم کے نقوش قائم ہو گئے تھے۔ مالی ان کی پنکھڑیوں اور پتوں کو ہموار رکھنے کی ہمیشہ نگرانی

Marfat.com

ہے لیکن ابن حوقل نے لکھا ہے کہ ہم جس زمانہ میں وہاں پہنچے تو کھجور جو زیادہ تر عرب اور عرب کے گرد و نواح کا درخت ہے اس کی اتنی کثرت اس علاقے میں دیکھی کہ بسا اوقات ایک ایک درم سو سو من تک کھجور وہاں بک جاتی ہے۔ من سے مراد ہندوستانی من نہیں ہے بلکہ وہ اس سے کچھ علیحدہ ہی وزن ہے۔ مختلف علاقوں میں اس کی نوعیت مختلف تھی۔ لیکن سیر ہی سمجھ لیجئے۔ ایک درم میں سو[۱] سیر کھجور۔ لطیفہ یہ لکھا ہے کہ خود درختوں سے ہوا کے جھونکے سے جو پھل گر جاتے ہیں۔ دستور وہاں کا یہ ہے کہ مالکِ باغ اس کے لینے سے کسی کو روک نہیں سکتا۔ نتیجہ اس کا کبھی یہ بھی ہوا ہے کہ:

ربما كثرت الريح فيصير الى الضعفاء والمساكين التمر فى التقاطهم اكثر مما يصير الى اربابه (ابن حوقل ص۲۲۴)

بسا اوقات آندھی جب کسی موسم میں زیادہ چلتی ہے تو غریبوں اور مسکینوں کے گھر اس سے زیادہ کھجوریں پہنچ جاتی ہیں جتنی ان کے مالکوں کو بھی نہیں ملتیں۔

ارزانی اشیاء کی بکثرت و بہتات۔ یہ تو خیر اس زمانہ کے لحاظ سے شاید قابلِ ذکر بھی نہیں ہے۔ لوگوں نے کثرت سے اس کے چرچے پھیلا بھی دیئے ہیں۔ ابنِ حوقل ہی نے لکھا ہے کہ آذربائیجان کے علاقہ میں ایک درم میں پچاس

کرتے رہتے تھے۔ باغ کے تالابوں میں سُرخ۔ زرد۔ نیلگوں، الغرض مختلف رنگ کے نیلوفر پھیلا دیئے گئے تھے ۱۲

(تفصیل کے لیے دیکھئے مقریزی ص۳۱۶ جلد ا)

Marfat.com

روٹیاں اور نصف من گوشت بھی ایک ہی درم ہیں۔ بلکہ :۔

والعسل والسمن والمن والجوز — شہد۔ گھی، من۔ اخروٹ۔ کشمش ۔الغرض
والزبیب وجمیع الماکول رخیص — کھانے پینے کی ساری چیزیں اتنی ارزاں
کالمجان ۔ (ابن حوقل ص۲۳۵) — ہیں کہ گویا مفت مل جاتی ہیں۔

اسی نے لکھا ہے کہ تفلیس میں نوارزانی کا یہ حال ہے کہ بیس بیس رطل شہد خالص وہاں ایک ایک درم تک مل جاتا ہے۔" (ص ۲۴۲)

واقعہ یہ ہے کہ کم از کم کھانے پینے کی چیزوں کی ارزانی کا حال مسلمانوں کے عہد میں تقریباً ان کے اکثر ممالک میں جو ہو رہا ہے وہ حیرت انگیز ہے۔

لیکن باوجود اس کے تعجب اس پر ہے کہ ان ہی بیان کرنے والوں کی زبانی روپے یعنی دراہم و دینار کی کثرت کے قصے بھی جو ہم سنتے ہیں وہ کچھ کم حیرت انگیز نہیں ہے۔

میرا اشارہ اس دولت اور ثروت کی طرف نہیں ہے جو حکومت کے خزانے میں جمع ہوتی تھی۔ بلکہ عوام، تجارت وصنعت و زراعت وغیرہ کے ذریعہ سے جو کماتے تھے۔ اس کا اندازہ ابن حوقل ہی کی ان گواہیوں سے ہو سکتا ہے ایک طرف وہ مغربی افریقہ کے آخری حدود یعنے بادغشت جو سجلماسہ سے بھی دو مہینے کی فاصلہ پر ہے اسی کے متعلق ابن حوقل کا بیان ہے کہ :۔

رأیت صکا کتب بدین علی محمد — میں نے ایک چک بادغشت میں دیکھا
بن ابی سعدون باودغشت و — محمد بن ابی سعدون کے قرض کے متعلق
شہد علیہ العدول باثنین — تھا۔ جس پر عادل گواہوں کی گواہیاں ثبت

Marfat.com

وانما بعين الف دينار یعنی رقم جو چک میں مندرج تھی اس کی تعداد (۴۲) ہزار اشرفیاں تھیں۔ (ابن حوقل ص۴۲)

یہ ایک معمولی قرضہ کا چک ہے۔ بیالیس ہزار دینار (اشرفی) اب اس کو چاندی کے سکے پر حساب کر کے دیکھئے۔ وہی مان لیا جائے جیسا کہ اندلس وغیرہ میں تھا۔ یعنی سترہ درم کا ایک دینار ہوتا تھا۔ جب بھی یہ کیا معمولی رقم ہے جن کا خیال ہے کہ سود کے بغیر قرض کا کاروبار نہیں چل سکتا۔ ان کو دیکھنا چاہیئے کہ اتنی بڑی بڑی رقمیں بھی بغیر سود کے ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو دے دیا کرتا تھا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ آخرت کا یقین اگر قلوب میں ایسی استواری حاصل کرے کہ اپنی آنکھوں کی دیکھی ہوئی چیزوں اور ان چیزوں میں جنہیں صرف پیغمبر کی آنکھوں کی دیکھی ہوئی چیزوں کی راہ سے آدمی دیکھ رہا ہے، دونوں میں فرق باقی نہ رہے تو پھر یہ کہنا ہی غلط ہے کہ سود کے بغیر قرض دینے والا بغیر سود کی توقع کے قرض دے رہا ہے۔ بلکہ بغیر سودی والے قرض پر جس سود کی توقع دلائی گئی ہے وہ سود والے قرض کے منافع سے یقیناً زیادہ محفوظ اور زیادہ قطعی ہے۔ بات صرف طے کرنے کی محض اسی قدر ہے کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ پہنچایا ہے خدا ہی کی طرف سے پہنچایا ہے۔

بہرحال یہ تو خیر ایک ضمنی سی بات تھی۔ میں عرض یہ کر رہا تھا کہ اشیاء کی ارزانیوں کے باوجود حیرت ہوتی ہے کہ روپیہ بھی اتنا سستا اس زمانہ میں کیسے تھا۔ مغرب کا حال وہ ہے اور مشرق کا یہ ہے۔ ابن حوقل ہی کا بیان ہے سیراف جو ایران کا قدیم تجارتی بندرگاہ تھا۔ اس کے تذکرہ میں اس نے وہاں

Marfat.com

کے ایک سوداگر کے متعلق لکھا ہے کہ :۔

اوصی ثلث مالہ الحاضر عندہ الف الف دینار (ابن حوقل صفحہ ۱۹۸)

اپنے اس مال کے ثلث کی اس نے وصیت کی جو اس کے پاس موجود تھا اور یہ ثلث مال دس لاکھ اشرفیوں کی شکل میں تھا یعنی ایک بلین اشرفی۔

جس کی ثروت کا ایک تہائی ایک بلین پونڈ تھا۔ اسی سے حساب کر لیجئے کہ اصل ثروت کی مقدار کتنی ہوگی؟

اور یہ ایک تہائی تو صرف اُس ثروت کی تھی جو اُس کے پاس وصیت کے وقت موجود تھی۔ باقی اس کے سوا جیسا کہ ابن حوقل ہی نے اس کے بعد لکھا ہے کہ :۔

"اور مضاربت[1] پر اس نے جو دے رکھا تھا وہ الگ سرمایہ تھا۔ جو اس رقم کے سوا ہے۔"

---

[1] سرمایہ جو ایک کا ہو اور محنت دوسرے کی ہو، تجارت کے اس طریقہ کا نام "مضاربت" ہے ضروری نہیں کہ "سرمایہ" ایک ہی آدمی سے لیا جائے یا محنت کرنے والا بھی ایک ہی ہو۔ بلکہ دونوں طرف شرکت کا طریقہ اختیار کر کے بھی اس معاملہ کو کیا جا سکتا ہے جو اس زمانہ میں کیا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے موجودہ کمپنیوں کی صورت گویا پیدا ہو گئی تھی۔ سرمایہ داروں کے پس ماندہ سرمایہ کے استعمال کی یہ ایک ایسی راہ تھی کہ جس میں سرمایہ دار نفع کے ساتھ نقصانات میں بھی محنت کرنے والوں کے ساتھ شریک ہوتا تھا۔ اسی لیے سودخواری کی وجہ سے جو

Marfat.com

ایک اور دلچسپ لطیفہ اسی کتاب میں عدن کے ایک تاجر کا ہے اس کا نام "رامشت" بتایا گیا ہے اس کے لڑکے موسیٰ سے ملاقات ہوئی تھی۔ تو لکھا ہے کہ:۔

"نقرئی آلات جو موسیٰ کے زیرِ استعمال تھے۔ ایک دفعہ تولے گئے تو ایک ہزار دو سو من وزن اُن کا ٹھہرا"

حالانکہ رامشت کا موسیٰ سب سے چھوٹا لڑکا تھا اور نسبتاً اپنے دوسرے بھائیوں کے مقابلہ میں اس کی حیثیت گری ہوئی تھی۔ اسی رامشت کے ایک منشی جس کا نام علی نیل بتایا ہے اُسی کی زبان یہ روایت نقل کی ہے کہ:۔

"آج سے بیس سال پہلے چین سے مال بیچ کر ہم جب لوٹے تو جو کچھ مجھ کو ملا تھا وہ پانچ لاکھ دینار کی پونجی تھی"

(ابن حوقل ص ۱۹۸)

اس سے اندازہ کیا جا سکتا تھا کہ خود اصل مالک رامشت کی دولت کتنی ہو گی اور یہ کوئی دو تاجروں کی استثنائی حالت تھی؟

ابنِ حوقل نے سیراف کے عام تاجروں کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

ان الرجل من التجار لنفیق علی دارہ زیادہ علی ثلاثین	عموماً یہاں کے تجار اپنے مکانوں پر جتنی رقم صرف کرتے ہیں۔ ان کی تعداد تیس ہزار

جو نتائج آج پیدا ہو گئے ہیں وہ اسلامی عہد میں نہیں پیدا ہوئے تھے۔ ۱۲

Marfat.com

الف دینار (ابن حوقل ص۱۹۸) اشرفیوں سے زیادہ ہوتی ہیں۔

افسوس ہے کہ حکومت اور حکومت سے تعلق رکھنے والوں کی دولت کا ثروت کا تو کتابوں میں عموماً تذکرہ کیا جاتا ہے لیکن عہدِ اسلامی میں حکومت والوں کے سوا عام آبادی کا مالی لحاظ سے کیا حال تھا؟ لوگوں نے اس کی طرف کم توجہ کی ہے۔ اسی لیے عموماً ایک احساس اس قسم کا پایا جاتا ہے بلکہ بعضوں کو تو کہتے ہوئے بھی دیکھا ہے کہ عہدِ اسلامی کی ارزانیوں کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت روپیہ کی صورت دیکھنے کے لیے عوام ترستے تھے۔ گذشتہ چند معمولی مثالیں صرف ابن حوقل کی کتاب سے میں نے پیش کی ہیں۔ تفصیل اس وقت میرے سامنے بھی نہیں ہے۔ یہ ایک مستقل بحث کا موضوع ہے۔ ہندوستان تک کی تاریخوں میں لوگوں کو ملے گا۔ کہ ایک ایک تاجر لاکھوں بلکہ کروڑوں کا بندوبست کر سکتا تھا۔

مشہور واقعہ ہے کہ سورت کے مُلّا عبدالغفور جو عالمگیری عہد کے تاجر ہیں اُن کا سرمایہ کروڑوں سے متجاوز تھا۔ (دیکھو مآثر الامراء جلد ا ص۳۳۸)

عالمگیر کا لڑکا مراد بخش جو گجرات کا گورنر تھا۔ اُس کے حالات میں بھی لکھا ہے کہ حاجی پیر محمد زاہد علی سے ایک دفعہ چھ لاکھ قرض شاہزادے نے لیا۔ اس قسم کے جزئیات اگر جمع کیے جائیں تو ان سے عوام کی ثروت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ آج ہندوستان میں مسلمان جو آباد ہیں اگر یہ صحیح ہے کہ غوری نے امام رازی سے روپیہ قرض لے کر ہندوستان پر چڑھائی کا سامان کیا تھا۔ تو اس کے یہ معنی ہیں کہ ایک عامی مسلمان ہی کی دولت کی طفیل میں ہندوستان

Marfat.com

فتح ہوا۔ کیونکہ امام رازی کے پاس جیسا کہ سبھوں نے بالاتفاق لکھا ہے۔ رے شہر کے ایک طبیب کی دولت اس راہ سے پہنچی تھی کہ طبیب جو اولاد نرینہ سے محروم تھا اُس نے امام صاحب کے لڑکوں سے اپنی لڑکیوں کی شادی کر دی تھی۔ اور جو کچھ کمایا تھا وہ اپنے دامادوں کے حوالے کر دیا تھا۔ غوری نے امام صاحب سے یہی روپیہ ہندوستان پر غالباً آخری دفعہ چڑھائی کے وقت قرض لیا تھا۔ جس میں اسے کامیابی نصیب ہوئی۔

اس کا پتہ تو نہ چلا کہ یہ کتنا روپیہ تھا۔ لیکن ایک فوجی مہم اور وہ بھی آخری فیصلہ کن مہم کے لیے قرض کیا دس بیس روپیہ لیا جا سکتا ہے؟

کامل ابن اثیر میں بصرے کے ایک تاجر جس کا نام شریف عمر تھا اس کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ اُن کی سالانہ آمدنی تجارت سے دو کروڑ پچاس لاکھ درہم تھی۔

(جلد ۹ صہ ۳)

التنوخی نے ایک طحان (چکی پیسنے والا) کے متعلق لکھا ہے کہ پہلے بصرہ میں رہتا تھا۔ معتصم باللہ کے زمانہ میں بغداد چلا آیا تھا۔ یہاں کاروبار میں اس کے اتنا فروغ ہوا کہ ایک سو (دینار) اشرفی روزانہ زکوٰۃ کی مد میں خیرات کیا کرتا تھا۔

(صہ ۲۱۳)

عباسی خلفاء کے عہد میں جوہریوں کی ایک طویل فہرست کتابوں میں ملتی ہے ان ہی جوہریوں میں الجصاص جوہری بھی تھا۔ مقتدر باللہ ایک دفعہ اس سے خفا ہو گیا اور حکم دیا کہ اس کی دولت کا جائزہ لیا جائے۔ لکھا ہے کہ صرف اشرفیاں ایک کروڑ آٹھ لاکھ برآمد ہوئیں۔ ماسوا اس کے دوسری قسم کی جائیدادیں مثلاً مکانات

Marfat.com

گاؤں ۔ گھر کا ساز و سامان یہ چیزیں نقد دولت سے الگ تھیں ۔ اور عباسیوں یا امویوں کے دور کو جانے دیجئے خود عہدِ نبوت اور خلافتِ راشدہ میں عوام میں دولت مندوں کی کیا کمی تھی ۔ مشہور صحابی حضرت طلحہ رضؓ جو اپنی خیر و خیرات کی وجہ سے "الفیاض" کے لقب سے مشہور تھے ۔ لیکن باوجود ان فیاضیوں کے وفات کے بعد جو دولت چھوڑی تھی اس کا اندازہ اسی سے کیجئے کہ خزانچی کے پاس بارہ لاکھ درہم نقد موجود تھے ۔ جائداد جو چھوڑی تھی اس کی قیمت تین کروڑ لگائی گئی ۔ ابنِ سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ وفات کے بعد تین بھار سونا حضرت طلحہ رضؓ کے خزانے سے برآمد ہوا ۔ بھار گائے کی کھال کو کہتے ہیں ۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی ثروت کا قصہ مشہور ہے ۔ وفات کے بعد سونے کے ڈلے جب ان کی بیویوں میں تقسیم ہونے لگے تو کاٹنے والوں کے ہاتھ میں چھالے پڑ گئے ۔ چار بیویوں میں ہر ہر بیوی کو اسی اسی ہزار اشرفیاں ملیں ۔ حضرت زبیر بن العوام کی دولت کا اندازہ موجودہ حسابی اصطلاح میں ۳۵ ہزار ملین کیا گیا ہے ۔ اور عموماً ان لوگوں کے پاس یہ سرمایہ کاروبار یعنی تجارت و زراعت ہی سے اکٹھا ہوا تھا ۔ حضرت طلحہ رضؓ سے تو صراحتہً منقول ہے کہ میرے پاس جو کچھ بھی ہے سب تجارت اور بیوپار سے حاصل ہوا ہے ۔ کاشت بھی مختلف مقامات میں کرتے تھے ۔ صرف مدینہ منورہ کے کھیتوں اور باغوں کی سیرابی کے لیے بیس اونٹ کام کرتے تھے ۔ مدینہ میں گیہوں کی کاشت کی ابتداء آپ ہی نے کی ۔ عہدِ صحابہ رضؓ کی تجارت و زراعت اور دوسرے معاشی

Marfat.com

کاروبار کا قصہ طویل ہے۔

صحابہ کے بعد بھی ایک زمانہ تک مسلمانوں کے اندر تجارتی اولعزمیوں کے جس جذبہ کو ہم پاتے ہیں۔ جس پیمانہ پر اسلامی عہد کے ان شاداب دنوں میں تجارتی کاروبار رہا تھا۔ اس کے لحاظ سے عوام کی مذکورہ دولت و ثروت میں شک کرنے کی کوئی وجہ بھی معلوم نہیں ہوتی۔ ابن حوقل نے یہ بیان کرتے ہوئے کہ اردبیل سے مراغہ جانے والوں کو کن کن منزلوں سے گذرنا پڑتا ہے۔ ایک منزل کا نام کورہ سرہ بتایا ہے۔ لکھا ہے کہ وہاں ایک قصر عظیم بڑے قلعے کے اندر ہے۔ پھر یہ کہتے ہوئے کہ اس کورد ضلع) میں کتنی رساتیق دسب ڈویژن) ہیں۔ لکھا ہے کہ اس علاقے میں سالانہ چند میلے چاند کی ابتدائی تاریخوں میں لگتے ہیں۔ آگے یہ بیان کر کے کہ :۔

وقد ادرکتھا قدیما ودخلتھا وانا حدث (ابن حوقل ص ۲۵۲)

بہت زمانہ ہوا ان میلوں میں بھی شریک ہوا ہوں۔ جب نوعمر تھا۔

اس میلہ کی تشریح جن الفاظ میں اس نے کی ہے ان کا ترجمہ یہ ہے :۔

"ان میلوں میں طرح طرح کے لوگ جو مختلف قوموں سے تعلق رکھتے ہیں شریک ہوتے ہیں۔ جن کے ساتھ مختلف قسم کے تجارتی سازوسامان ہوتے ہیں۔ مثلاً کپڑے، عطر، سرکہ۔ روشنی کے سامانوں کو بیچنے والے۔ بھیڑ بھیڑے۔ سونا۔ چاندی۔ گھوڑے خچر، گدھے، گائے، بیل، بھیڑ، بکریاں وغیرہ۔

پھر اس کے بعد لکھا ہے کہ :۔

Marfat.com

"جس زمین اور جس علاقے میں یہ میلہ لگتا ہے اور اس کی نشیبی زمینوں۔ اُس کے ٹیلوں، اس کے پہاڑوں پر جو مخلوق اکھٹی ہوتی ہے اُس کو دیکھ کر حج کے موسم کا موقف یاد آجاتا ہے۔بلکہ جو جو چیزیں اس میلے میں جمع ہوتی ہیں اور جتنے علاقے کو وہ گھیرتی ہیں اُن کو دیکھتے ہوئے تو کہا جاسکتا ہے کہ عرفات کے میلے سے بھی یہ میلہ بڑا ہوتا ہے۔حالانکہ خود عرفات کا میدان جس میں حج کے موسم میں یمن، مصر، عراق، مغرب اقصیٰ، شام، خراسان اور جو جو علاقے ان مقامات سے ملے ہوئے ہیں وہاں کے لوگ تین فرسخ (یعنی نو میل کے طول و عرض میں) پھیلے ہوئے ہوتے ہیں۔

پھر کوہ سرہ کے اس میلے میں جس پیمانہ پر کاروبار ہوتا ہے بطور مثال کے اس نے ذکر کیا ہے کہ صرف ایک تاجر ابو اسحاق ماجردانی کے متعلق مجھے معلوم ہوا کہ دولاکھ جانور تو اس کے میلے میں ایک سال بکے تھے۔ابنِ حوقل کا بیان ہے کہ میں نے ابو محمد عبدالرحمٰن ابن السری سے پوچھا کہ کیا یہ واقعہ ہے؟ تو انھوں نے اس کی توثیق کی اور کہا کہ اس بیچارے کا انتقال ہوگیا۔ پھر بیان کیا کہ اسی میلے میں اس نے کبھی دس دس لاکھ بھیڑ بکریاں فروخت کی ہیں۔میں نے کہا کہ دس لاکھ؟ تو انھوں نے کہا کہ ہاں دس لاکھ! بلکہ اضافہ کیا کہ دوسرا تاجر جس کا نام شعیب بن مہرانِ تھا اُس نے بھی اسی قدر جانور فروخت کیے تھے۔آخر میں خود ابن حوقل نے لکھا ہے کہ:

Marfat.com

"اس میلے کے متعلق اور بھی واقعات بعد کو مجھے معلوم ہوتے رہے لیکن ان چیزوں کی تفصیل میری اس کتاب کا موضوع نہیں ہے۔ واقعہ کے اندازے کے لیے صرف اتنی بات بھی کافی ہے" (ابن حوقل ص ۱۵۱)

اور یہ تو ایک نمونہ مشرقی ممالک کی تجارت کا تھا۔ یہی ابن حوقل مغرب کا چشم دید حال ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ یعنی مصر سے نکل کر آدمی جب صحرائے لیبیا کی طرف روانہ ہوتا ہے تو یہ لکھ کر سب سے پہلے جو بڑا شہر اس کے سامنے آتا ہے وہ برقہ ہے اور برقہ سے قیروان کو راستہ جاتا ہے۔ بہرحال مغربی افریقہ کی اس پہلی منزل کی کیفیت یہ تھی۔

"اس شہر برقہ میں بکثرت تمہیں تاجر اور دوسرے ممالک کے لوگ ہر وقت اور ہر زمانہ میں نظر آئیں گے۔ ان لوگوں کی آمدورفت کا سلسلہ کسی وقت بھی منقطع نہیں ہوتا۔ اور یہ سب کے سب بیوپار کی غرض سے آتے جاتے رہتے ہیں۔ قافلوں پر قافلے تمہیں اس حال میں ملیں گے کہ ان میں کوئی مشرق سے مغرب کی طرف جا رہا ہے۔ کوئی مغرب سے مشرق کی طرف آ رہا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہی وہ مغربی مقام ہے جہاں اوحلہ سے چرم اور کھجور وغیرہ کھینچ کر آتے ہیں۔ اس شہر میں متعدد بازار اور میلے ہیں جو ہر وقت گرم رہتے ہیں۔ ان میں اُون۔ سیاہ مرچ۔ شہد۔ موم۔ روغن زیتون۔ اور طرح طرح کی چیزیں مشرقی اور مغربی ممالک

Marfat.com

سے آتی جاتی رہتی ہیں"۔ (ابنِ حوقل ص۲۴)

اور اگر ابنِ حوقل کا یہ کوئی گھڑا ہوا لطیفہ نہیں بلکہ واقعہ ہے تو عہدِ اسلامی کے تجارتی ولولوں اور اس راہ کے بلند حوصلوں کا کوئی ٹھکانہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سیراف جس کے متعلق گذر چکا کہ ایران کی قدیم بندرگاہ ہے۔ اسی شہر کی تجارت اور اس کے تاجروں کا حال بیان کرتے ہوئے اس نے بجنسہ لکھا ہے کہ اس کے الفاظ ہی نقل کیے دیتا ہوں کہ:۔

ولقد بلغنی ان رجلاً من سیراف الف البحر حتّٰی انہ لم یخرج من السفینۃ نحوا ربعین ستۃ وکان اذا قارب البر اخرج صاحبہ فقضی حوائجہ فی کل مدینۃ یتحول من سفینۃ الی اخریٰ اذا انکسرت واحتیج الی اصلاحہا۔ (ابن حوقل ص۲۰۶)

(مجھے معلوم ہوا ہے کہ سیراف کے ایک آدمی (تاجر) کو سمندر سے اتنا انس ہو گیا تھا کہ جہاز سے چالیس سال تک اس نے باہر قدم ہی نہیں رکھا۔ جب خشکی (یعنے کسی سمندر کے ساحل) پر پہنچتا تھا تو اپنے کسی ساتھی کو وہاں بھیج دیا کرتا تھا جو تمام ضروریات کی تکمیل ہر شہر میں کر دیتا تھا اور کوئی جہاز اگر ٹوٹ جاتا یا مرمت کے قابل ہو جاتا لیکن خشکی پر اُترتا نہیں تھا)

اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد اس نے لکھا ہے کہ:۔

"ان ہی تجارتی اولوالعزمیوں کا نتیجہ ہے کہ یہ لوگ بڑے دولتمند ہو گئے ہیں۔ ان لوگوں میں سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ

Marfat.com

مسافرت کی زندگی کو خوب برداشت کرتے ہیں۔ یہی راز ہے اس بات کا کہ جہاں کہیں یہ ہوں وہاں بڑی فراغبالی کی زندگی بسر کرتے ہیں"

پھر سیراف کے ایک لکھ پتی کا ذکر کیا ہے جس کا نام ابوبکر احمد بن عمر السیرافی تھا بڑا طویل قصہ اس کا نقل کیا ہے کہ وہ بصرے میں تھا اس کے کسی دوست کا خط لے کر ابن حوقل اس سے بصرے میں کسی ضرورت سے ملا خط لے کر اس نے پڑھا بھی نہیں صرف زبانی پوچھنے لگا کہ اس میں کیا لکھا ہوا ہے اور قبل اس کے کہ ابن حوقل اپنی بات پوری کرے اقبل علی خدمہ وذکر مراکبہ وحالہ (اپنے نوکروں کی طرف متوجہ ہو کر جہازوں کا حال دریافت کرنا شروع کیا)

ابن حوقل نے لکھا ہے کہ اس کا یہ متکبرانہ طرزِ عمل مجھے سخت ناگوار گذرا اور اسی وقت میں اُٹھ کر باہر نکل آیا۔ اس کا بیان ہے کہ غصّے کے مارے مجھے یہ بھی سوجھ نہیں رہا تھا کہ میں کہاں جا رہا ہوں اور میرے سامنے کیا ہے۔ اس کے بعد طویل قصہ ہے کہ تاجر نے مجھے جب نہیں پایا تو نوکروں سے پوچھا لوگوں نے کہا کہ وہ تو غصّہ میں چلا گیا۔ آدمی دوڑا کر مجھے واپس بلایا وغیرہ وغیرہ۔ دراصل عام طور پر تاجروں خصوصاً سیراف کے تاجروں کے متعلق اس کے قلم سے یہ جملہ جو نکل گیا ہے کہ:

اما تجارھم فالغالب علیھم	سیراف کے تاجروں پر
محبۃ الجمع للمال والحرص	بہ نسبت دوسروں
فوق من سواھم من اھل	کے مال کی محبت زیادہ

Marfat.com

غالب ہے۔ الاصطخری (ابن حوقل ص۶۳)

دراصل اس کی وجہ احمد بن عمر تاجر کی شاید یہی بے اعتنائی ہے ورنہ سچ یہ ہے کہ آج جب مسلمان اپنی حکومت اور حکومت کی آمدنی کھو چکے ہیں۔ خصوصاً ہندمیں جتنے بھی اسلامی اور دینی کام انجام پارہے ہیں، عموماً ان ہی مسلمانوں کی سخاوت وسیرچشمی کے رہین منت ہیں۔ میں توان اسلامی تاجروں کو اس زمانہ میں "عزۃ الاسلام والمسلمین" کے لقب سے ملقب کرتا ہوں"

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ آج ہی نہیں، مسلمانوں کے عام لوگوں کا خوشحال طبقہ جن میں زیادہ تر تاجروں ہی کی جماعت تھی۔ ان کا یہی حال تھا۔

خود ابن حوقل نے مختلف ممالک کے حالات جو بیان کیے ہیں بطور مثال کے ان نمونوں کو بھی دیکھ لیجئے اسی راستہ کے تذکرے میں جو مصر سے قیروان کو جاتا تھا۔ برقہ کی منزل کے بعد اس نے اس مرحوم طرابلس الغرب کا ذکر کیا ہے۔ جس سے ان حالیہ نکبتوں کی ابتدا مسلمانوں پر شروع ہوئی ہے جن سے بیسویں صدی عیسوی میں مسلسل ہم گذر رہے ہیں۔ یہ لکھ کر کہ:۔

"سفید پتھروں سے بنا ہوا یہ شہر ساحل سمندر کے کنارے بڑا شہر ہے۔ بازار بھی اس کے وسیع ہیں۔ برقہ سے اس کی بلندی کچھ کم ہے یہاں مخصوص خاص قسم کے لذیذ فواکہ بھی ملتے ہیں۔ مثلاً امرود اور فرسک (ایک قسم کے نرم چھلکے کا شفتالو) اگرچہ کم ہوتے ہیں۔ لیکن لذت وشیرینی میں ان کی نظیر کم دیکھنے میں آئی ہے"

Marfat.com

یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

"یہاں کے بازار میں قیمتی اون اور بہترین لباس جو نفوسیہ کہلاتے ہیں اور نیلے رنگ کے ہوتے ہیں۔ اسی طرح سیاہ جبّے جن کی کافی قیمت ہوتی ہے اور اسی قسم کی چیزیں اُن جہازوں سے اترتی ہیں جو یہاں شب و روز لنگر انداز ہوتے ہیں اور صبح و شام تجارت کا یہی قصہ جاری رہتا ہے۔ روم اور مغربی افریقہ سے مال یہاں آتا ہے جو مختلف نوعیت کا ہوتا ہے"۔

پھر طرابلس کے باشندوں کی کچھ خصوصیات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہوئے کہ:۔

"ان لوگوں میں جو ان کے گرد و نواح میں رہتے ہیں شہر طرابلس کے باشندے عزّت کی نظروں سے دیکھے جاتے ہیں۔ خصوصاً ان کا رہن سہن، لباس، حسنِ صورت اور شریفانہ معتدل زندگی، خاص امتیاز رکھتی ہے"۔

مسلمانوں کی مہمان نوازی اور تعمیری مذاق کی خصوصیّات

آخر میں مسافروں اور پردیسی تاجروں کے ساتھ مروّت کا جو سلوک ان لوگوں کی طرف سے ہوتا تھا اس کو بیان کرتے ہوئے ابنِ حوقل لکھتا ہے کہ:۔

Marfat.com

"ان لوگوں کا برتاؤ دوسروں کے ساتھ بڑا اچھا ہے۔ دل ان کے نرم اور محبت سے بھولے ہوئے ہیں نیتیں ان کی پاک وصاف ہیں۔ سمجھ درست اور سلجھی ہوئی ہے۔ جسمانی صحت بھی ان کی قابلِ رشک ہے۔ لوگوں سے جو معاملہ کرتے ہیں اس میں ان کی ہمیشہ تعریف ہی کی جاتی ہے۔ حکومت کے ساتھ بھی ان کا تعلق امن پسندانہ ہے۔ مسافروں اور پردیسیوں کے ساتھ تو ان کا برتاؤ اتنا اچھا ہے کہ مشکل ہی سے کسی دوسرے شہر کے لوگ اس باب میں اُن کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ سرائیں بھی ان کے شہر اور علاقہ میں بکثرت ہیں"

پھر مسافر نوازی کے سلسلے میں اُن کے طریقہ خاص کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے کہ:-

"جب ان کی بندرگاہ پر جہاز پہنچتے ہیں تو اس علاقہ میں نیز و تند ہوائیں چونکہ چلتی رہتی ہیں اس لیے سمندر میں بڑا تلاطم رہتا ہے جہاز کہاں پر لنگر انداز ہوں۔ اس کے فیصلہ میں خاصی دشواری پیش آتی ہے۔ لیکن شہر والوں کا قاعدہ ہے کہ جوں ہی کسی جہاز پر نظر پڑتی ہے فوراً اپنی اپنی کشتیوں اور جہازوں کو لنگر دینے کے لیے جن رسّوں کی ضرورت ہوتی ہے لے کر پہنچ جاتے ہیں اور یہ معاملہ کسی معاوضہ کی توقع پر نہیں کرتے بلکہ رضا کارانہ طور پر ایک رواج ہے جو اس علاقے میں جاری ہو گیا ہے اور فوراً ہی رسّوں کو پھینک کر جہاز

Marfat.com

لمحوں میں بڑی پھرتی سے جہاز کو لنگر انداز کر دیتے ہیں۔ یہ کام کچھ اس طرح انجام دیتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو کوئی زحمت ہی نہیں اُٹھانی پڑتی اور لطف یہ ہے کہ ایک حبّہ اس کام کا معاوضہ جہاز والوں سے نہیں چاہتے۔ صرف پردیسیوں کی خدمت اور ان کے لیے آسانی بہم پہنچانے کا شوق ہے جو ان سے اس کام کو انجام دلاتا ہے۔"

(ابن حوقل ص۴۷)

یہ مغرب کے مسلمانوں کی زندگی کا ایک نمونہ تھا۔ اب مشرق کا تماشہ بھی ابنِ حوقل ہی کی زبان سے ملاحظہ کیجئے۔

وہ ایران کے ان باشندوں کا جو اس کے زمانہ میں وہاں آباد تھے۔ ان الفاظ میں تذکرہ کرنے کے بعد کہ:-

وبفارس سنة جميلة وعادة فيما بينهم (ابن حوقل ص۲)	ان لوگوں میں بعض اچھی قدیم روایات اور عمدہ عادتیں پائی جاتی ہیں۔

پھر اس کی تفصیل کے بعد اسی مشرقی حصۂ ملک کے ایک رئیس جن سے ابنِ حوقل نے بھی ملاقات کی تھی ان کا نام جعفر بن سہل بتاتا ہے اور وہ حارث بن افریقون کے کاتب (سکرٹری) تھے۔ صرف اس ایک شخص کے متعلق وہ لکھتا ہے کہ:-

"پچاس سال کی مدت میں ایسا کوئی آدمی شاید ہی ہوگا جو خراسان[1]

---

[1] اس موقعہ پر بے ساختہ مغلی تمدن کی اس آخری یادگار کا قدرتاً خیال آجاتا ہے۔ میرا

Marfat.com

پہنچا ہو۔ اور اس امیر کے بذل و نوال سے متفید نہ ہوا ہو۔ یا کوئی نہ کوئی احسان کسی نہ کسی طریقہ سے اُس پر اس امیر کی طرف سے نہ ہوا ہو۔ خواہ اس کی ملاقات بھی اُس امیر سے نہ ہوئی ہو بلکہ خط یا تحفہ ہی کے ذریعہ سے اس کی رسائی اُس کے دربار تک ہوئی ہو"

اور آخر میں اس خیر مجسم کے متعلق لکھتا ہے کہ:

"بلکہ اس شخص نے تو بعض ایسی مخفی تدبیریں اختیار کر رکھی ہیں جن کے ذریعے سے ان لوگوں کو بھی اس سے فائدہ پہنچ جاتا ہے جنہوں نے اس شخص تک پہنچنے اور رسائی حاصل کرنے کی کوشش

اشارہ حکومت آصفیہ کے سابق مدار المہام مہاراجہ کشن پرشاد آنجہانی سے ہے۔ کہنے والے سچ کہتے تھے کہ خواہ وہ مسلمان ہو یا نہ ہو۔ لیکن اسلامی تمدّن جو ہندوستان میں قائم ہوا تھا اس کی وہ یقیناً آخری یادگار تھا۔ بیس پچیس سال تک خود اس فقیر نے دیکھا کہ ٹھیک ان کا حال بھی حیدرآباد میں یہی تھا۔ یہ ناممکن تھا کہ حیدرآباد میں باہر سے کوئی آدمی آجائے اور مہاراج تک کسی طرح اس کی رسائی ہوئی ہو اور وہ خالی ہاتھ واپس کیا گیا ہو۔ مگر وہ آخری آدمی تھا اب وہی حیدرآباد ہے اور وہی آصفیہ حکومت ہے۔ آمدنی کے لحاظ سے بحمدللہ اب اس کی حالت بہ نسبت سابق کے بہتر ہے لیکن جس تمدّن نے اب ہندوستان میں اپنا خیمہ گاڑا ہے حیدرآباد اس کے سائے سے کیسے بچ سکتا تھا۔ حالانکہ سننے میں آتا ہے کہ آج سے چالیس پچاس سال پہلے حیدرآباد میں ایک مہاراج ہی نہیں تھے بلکہ امراء کی یہ فیاضیاں، مسافر نوازیاں عام تھیں۔ لیکن جہاں ان کا تمدّن مدفون ہوا وہیں وہ بھی ہو گئے ۱۲

Marfat.com

بھی نہ کی ہو۔ اور اپنی حاجت کسی طریقہ سے بھی اس پر ظاہر نہ کی ہو"
اور وہ تدبیر جو اس امیر نے مسافروں کے متعلق اختیار کر رکھی تھی اس کی تفصیل
ان الفاظ میں کرتا ہے کہ :۔

"اس شخص نے اُن تمام مواضع و مقامات میں جو اس کی جاگیر میں ہیں سرائیں تعمیر کرادی ہیں اور ان سراؤں پر ان ہی مواضع اور مقامات کی آمدنی کا ایک حِصّہ وقف کر رکھا ہے۔

اس قسم کے تمام مقامات میں اس امیر کی طرف سے گائیں پلی ہوئی ہیں قوّام (یعنے جو اس کے ان مقامات میں مینجر اور چیزوں کی دیکھ بھال کے لیے اس کی طرف سے نگران اور داروغہ ہیں) ان گایوں کے دودھ کو نکلواتے ہیں اور راہ گیروں اور آنے جانے والوں کی تواضع اسی خالص دودھ سے کرتے ہیں، صرف دودھ ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ دوسرے کھانے اور اطعمہ بھی ہوتے ہیں۔ جو ان مسافروں کی ضرورت کے لیے کافی ہوتے ہیں۔ اسی طرح گرمیوں کے دنوں میں اس کے ساتھ اس امیر کی ان تمام سراؤں میں رائب (دہی یا لسّی) کا نظم رہتا ہے۔ حکم ہے کہ انتہائی اخلاق اور مہربانی کے ساتھ ہر اس شخص کو یہ پلایا جائے جو اس کی جاگیر کے ان علاقوں سے گذرتے ہیں"

ابنِ حوقل نے یہ بتاتے ہوئے کہ ہر سرائے میں اس امیر کی طرف سے جو گائیں رہتی ہیں ان کی تعداد کیا ہوتی ہے، میں تو پڑھ کر حیران ہوگیا کہ بادشاہ نہیں۔ وزیر نہیں۔ ایک معمولی حکومت کا عہدہ دار یعنے سکرٹری، اور فیاضی کا حال یہ ہے۔

Marfat.com

سُنیئے ابنِ حوقل راوی ہے کہ:۔

وما من قریۃ ورباط لہ[1] الا وفیہ المائۃ بقرۃ الی فوق ذلک لہذا الوجہ والمقصد دون بقرۃ العاملۃ لہ فی اسباب مناقعہ۔

(ابن حوقل ص ۲۰۹)

اس شخص کا کوئی گاؤں اور اس کی کوئی سرائے ایسی نہیں ہے جس میں سو اور سو سے اوپر گائیں محض اس مقصد (یعنے مسافروں کے لیے) نہ رہتی ہوں۔ یہ گائیں ان بیلوں کے علاوہ ہیں جو خود امیر کے ذاتی کاروبار کو انجام دینے کے لیے وہاں رکھے جاتے ہیں۔

اس سے آپ کو اس زمانے کے مسلمانوں کے اس ذوق کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے جو مویشیوں کی پرورش اور نگہداشت کے متعلق رکھتے تھے۔ خیال تو کیجئے۔ ہر ہر

---

[1] جانوروں، پرندوں اور اسی قسم کی چیزوں کے پالنے کا ایک عام ذوق اسلامی امراء میں پایا جاتا تھا۔ پھر کوئی کتاب لکھنا چاہے تو لکھ سکتا ہے لیکن ایک ہندوستانی امیر نے جو بازغ حیوانات اپنے یہاں قائم کیا تھا۔ میں تو نہیں سمجھتا کہ موجودہ زمانہ کے باغِ حیوانات میں بھی وہ چیزیں اس وقت تک جمع کی گئی ہوں۔ بلکہ جمع کرنے کا خیال بھی کسی کو مشکل ہی سے ہو سکتا ہے۔ صاحب مآثر الامراء نے فیض اللہ خاں جو شاہجہانی اور عالمگیری عہد کے امراء میں ہیں ان کے متعلق یہ لکھ کر۔ بجز مویشیوں، چوپاؤں، درندوں، وحشی جانوروں، پرندوں، اور حشرات الارض کے اور کسی کی صحبت مشکل ہی سے یہ اختیار کرتے ہیں۔ ان کے لیے دنیا کے شہروں اور مختلف بندرگاہوں سے لوگ اس قسم کی چیزیں لے کر آتے رہتے ہیں۔

Marfat.com

قریہ اور ہر ہر رباط میں علاوہ عام کاروباری ضرورتوں کے سوا اور سو سے اوپر گایوں کا رکھنا اور اس طور سے رکھنا کر مسافروں کو ان کے دودھ سے ہر وقت تمتع و استفادہ کا موقع ملتا رہے۔ کیا معمولی نگہداشت اور توجہ کا محتاج ہے؟ ماوراالنہر کا تذکرہ کرتے ہوئے اسی ابن حوقل نے ایک موقعہ پر لکھا ہے کہ:۔

"کھانے پینے، لباس وغیرہ کے لحاظ سے یہ لوگ جس فراخی اور فراغبالی کی حالت میں ہیں اس کا ذکر تو میں کر چکا۔ یہی حال ان کے پانی کا ہے۔ حد سے زیادہ شیریں، ٹھنڈا اور ہلکا پانی ہر جگہ ماوراالنہر میں بآسانی میسر ہے۔ جو اس ملک کے پہاڑوں اور مرغزاروں میں دوڑتا رہتا ہے۔ اور اس پر لطف یہ ہے کہ بآسانی جمد (قدرتی برف) بھی ان کے قابو میں ہے۔ ہر جگہ یہ برف یہاں ملتی ہے۔"

آخر میں روایت نقل کی ہے:۔

گویند کہ در جانورے بود از وحشی دانسی دمتعارف وغیر متعارف کہ در سرکارش فراہم نیامد[۱] انتہا اس ذوق کی یہ تھی کہ کیک، پشہ، و سوس و شپش را در اوانی چوبی وستی نگاہداشتے و پرورش مے دادے" یعنی مچھر، کھٹمل، کیڑے جو غلہ میں پڑتے ہیں اور جوئیں تک جیسی چیزوں کو لکڑی اور تانبے کی بنے ہوئے ظروف۔ یعنی ڈبیہ وغیرہ میں ان کو محفوظ کیے ہوئے تھے اور ان کی پرورش کرتے تھے۔ (مآثر الامراء صفحہ ۳۰ جلد) سانپ بچھو تک تو عجائب خانے میں دیکھے گئے ہیں لیکن مچھروں، کیڑوں، چوہوں وغیرہ جیسی چیزوں کو بھی زندہ عجائب نمائے میں شریک کرنا یہ اسی مسلمان رئیس کی اُپج تھی۔ ۱۲

Marfat.com

اس تذکرہ کے بعد لکھتا ہے کہ:۔

"ان کی مویشیاں اور جو بچے اُن سے حاصل ہوتے ہیں وہ ان کی تمام ضرورتوں کے لیے کافی ہیں۔ کیونکہ ان مویشیوں کے ساتھ ان کا گہرا تعلق ہے۔ اور یہی حال خچروں، اونٹوں اور گدھوں کا ہے۔"

اس نے لکھا ہے کہ:۔

"ان کی بھیڑ بکریاں بھی اتنا دودھ دیتی ہیں جو ان کی ضرورت سے زیادہ ہوتا ہے۔ یہ بکریاں عموماً غزیہ اور خزلجیہ ہوتی ہیں ان کے پاس زیادہ بچے جننے والی بکریاں اور دوسرے مویشی بکثرت ہیں۔" (ابن حوقل ص ۳۳۹)

ان غزیہ اور خزلجیہ بکریوں کا حال ان ہی لوگوں نے یہ لکھا ہے کہ:۔

ولا تضع الشاة بالترك اقل من اربعة واذا كثرت مخمسة او ستة شبه الكلبة فاما لاثنات والثلثة فلا تضع الا في القرد۔
(الہمدانی و ابن حوقل ص ۲۹)

ترکوں (یعنی جو غز اور خزلجی کہلاتے تھے اُن ہی ترکوں) کی یہ بکریاں چار سے کم بچے تو دیتی ہی نہیں۔ زیادہ پانچ اور چھ تک تعداد ان کے بچوں کی پہنچ جاتی ہے گویا ان کا حال کُتیا کا سا ہے (یعنی وہ بھی اسی قدر زیادہ بچے دیتی ہے) باقی دو یا تین بچے، کبھی کبھی انفرادی طور پر ایسا بھی ہوتا ہے (لیکن عام حال وہی ہے)

Marfat.com

اور سچ تو یہ ہے کہ ابن حوقل کا یہ بیان ماوراء النہر اور اس کے فواکہ کے متعلق اگر صحیح ہے یعنی اُس نے اس علاقے کے میووں اور فواکہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :۔

"باقی ان کے فواکہ تو تم سغد دریا کی وادی اور اشروسنہ فرغانہ شاش کے علاقوں میں سفر کرتے ہوئے اگر گھسو گے تو تم کو خود معلوم ہو جائے گا کہ اتنے پھل دنیا میں شاید ہی کہیں ہوتے ہوں۔ کثرت ہی کا نتیجہ ہے کہ عموماً ان پھلوں کو اُن کے جانور اور اُن کے مویشی کھاتے ہیں"۔ (ابن حوقل ص ۳۳۷)

خیال کرنے کی بات ہے کہ بکریوں اور بھیڑوں، گایوں کو جہاں سیب، ناشپاتی، شفتالو۔ اور خدا جانے کیا کیا پھل، جس کی تفصیل بھی مختلف مواقع پر ان لوگوں نے کی ہے یہ چیزیں کھلائی جاتی ہوں وہاں کے آدمیوں سے تو کیا جانوروں سے بھی ان ملکوں کے آدمی برابری نہیں کر سکتے جن کی نسبت میں ان پھلوں کے صرف نام ہی ہیں۔

بہرحال گفتگو تو اس میں ہو رہی تھی جو ان ممالک کے لوگ پردیسیوں اور مسافروں کے ساتھ برتاؤ کرتے تھے۔ ایران کے بعد ایک اور نمونہ ماوراء النہر کا بھی دیکھتے چلیے۔ ابن حوقل نے یہ لکھ کر کہ باقی اس علاقہ کے رہنے والوں کی سیر چشمیاں مسافر نوازیاں، سو اس کا حال یہ ہے۔ ابن حوقل کے الفاظ میں سنیے۔

لکھتا ہے کہ :۔

Marfat.com

فان الناس فی اکثر ما وراء النھر کانھم فی دار واحدۃ ما ینزل احد باحد الا کانہ دخل فی دار نفسہ لا یجد المضیف من طارق بطرقۃ کراھیۃ بل لیتفرغ جھدہ فی اقامۃ اودہ من غیر معرفۃ تقدمت ولا توقع لمکافاتہ

(ابن حوقل صـ ۳۳۵)

ماوراء النہر کے اکثر علاقوں کا حال یہ ہے کہ وہاں کے لوگ، گویا ایک ہی گھر کے رہنے والے معلوم ہوتے ہیں۔ کوئی کسی کے گھر جب مہمان ہوکر آتا ہے تو اسے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خود اپنے ہی گھر میں اُترا ہے۔ میزبان مسافروں کے آنے سے بجائے کسی گرانی کے عموماً مسافروں کی ضرورتوں کی تکمیل میں کوشش کرتے ہیں خواہ پہلے سے شناسائی نہ بھی ہو۔ اور نہ کسی معاوضہ کی توقع سے ایسا کرتے ہیں۔

اسی سلسلے میں اور بہت سی دوسری چیزوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک نمونہ کا ذکر ابنِ حوقل نے ان الفاظ میں کیا ہے :۔

”میں نے سعد کے علاقے میں خود ایک مکان کو دیکھا۔ اب تو وہ بند پڑا ہوا ہے لیکن مجھے صحیح ذریعہ سے یہ معلوم ہوا ہے کہ تقریباً سو سال تک اس ڈیوڑھی کا پھاٹک کبھی بند نہیں ہوا، اور اس طویل عرصے میں کسی مسافر کو اُترنے سے یہاں منع نہیں کیا گیا۔“

اور آخر میں یہ نقل کرتا ہے کہ :۔

”بسا اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ اچانک بغیر کسی سابقہ اطلاع

Marfat.com

کے سو سو۔ دو دو سو آدمی بلکہ اس سے بھی زیادہ اپنے اپنے جانوروں اور سواریوں، ساز و سامان اور نوکر چاکر کے ساتھ رات کو پہنچے ہیں۔ لیکن انہوں نے دیکھا کہ ان کے جانوروں کو بھی کافی گھاس چارہ۔ دانہ پہنچا دیا گیا اور خود ان کے کھانے پینے۔ اوڑھنے بچھانے کا انتظام اس طور پر کر دیا گیا تھا کہ خود اپنے سامان کو کھولنے کی ضرورت ان مسافروں کو نہیں پڑی۔ اور لطف یہ ہے کہ یہ سارا سامان اتنی آسانی سے ہو گیا کہ خود صاحب مکان کو کوئی غیر معمولی دشواری اٹھانی نہیں پڑی جس کی وجہ یہی ہے کہ مہمان نوازی کے تمام ساز و سامان یہاں کے باشندے عموماً تیار رکھتے ہیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان مسافروں کی مختلف ضروریات کے لیے مختلف خدّام جو ان ہی کے نام مختص ہوتے ہیں۔ تیار رہتے ہیں۔ صاحب مکان کو کسی جدید حکم کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ملازمین کو پہلے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو کیا کیا کام کرنا چاہیئے۔ میزبان کا کام فقط اس قدر رہتا ہے کہ اپنے مہمانوں سے بخندہ پیشانی ملتا جلتا رہے۔ اور ان مہمانوں میں سے کسی کو یہ نہ محسوس ہونے دے کہ میزبان نے کسی کے ساتھ کوئی خاص ترجیحی برتاؤ کیا ہے۔"

سوچنے کی بات ہے۔ سو سو، دو دو سو مہمانوں کو اتارنے، ان کے سونے بیٹھنے، رہنے سہنے کے لیے کتنے بڑے بڑے مکانوں کی ضرورت ہو گی۔ اس

Marfat.com

سے مسلمانوں کی تعمیری اولوالعزمیوں کا بھی حال معلوم ہوتا ہے۔

میرا مقصد اسلامی تعمیرات کے ان قصوں سے نہیں ہے جو سلطنتوں کی طرف سے بنائی گئی ہیں۔ وہ تو ایک الگ بجائے خود مستقل داستان ہے۔ لکھنے والے اس پر بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔ قصرِ زہرا، قصرِ ممرار، ابن طولون کی مصری عمارتیں، یا دارالسلام بغداد، سرّ من رای اور دوسری اسلامی تخت گاہوں میں تو ان کا ایک سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔

اور سچ تو یہ ہے کہ حکومت کی جانب سے تعمیرات کا سلسلہ کماً و کیفاً حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے زمانہ میں اس حد کو پہنچ چکا تھا۔ جیسا کہ ازالۃ الخفا میں حضرت شاہ ولی اللہ نے نقل فرمایا ہے کہ:۔

در زمانِ خلافتِ عمر رضی اللہ عنہ ہزار و سی و شش شہر با توابعِ آں مفتوح شد و چہار ہزار مسجد ساختہ گشت و نہ صد منبر[1] بر جوبِ محاریبِ جوامع	حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں ایک ہزار چھتیس شہر ان کے ملحقہ علاقوں کے ساتھ فتح ہوئے۔ اُن کے زمانہ میں چار ہزار مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ اور

---

[1] جس کا مطلب یہی ہوا کہ ہر مسجد میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں منبر نہیں قائم کیا گیا تھا۔ حضرت امام ابو حنیفہ رح خوب فرماتے ہیں کہ نمازِ جمعہ اور نمازِ ظہر میں فرق ہے یعنی ظہر کی نماز تو ہر جگہ اور ہر شخص پر فرض ہے لیکن جمعہ کی حیثیت یہ نہیں ہے اس کے لیے خاص قسم کی آبادی کی ضرورت ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ کتنا کھلا ہوا مسئلہ ہے۔ تمام صحابہ کے سامنے یہ واقع ہوا اور کسی سے منقول نہیں ہے

Marfat.com

بجہت خطبۂ جمعہ بنا کردند۔ (جلد ۲ صـ ۶۵)

نو سو منبر محرابوں کے بازدبیں جمعہ کے خطبہ کے لیے بنائے گئے۔

یہ تو کمیّت اور مقدار کا حال ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چودہ پندرہ سال کے بعد مسجدوں کا یہ نظام سارے مفتوحہ علاقے میں قائم کر دیا گیا

کہ اس نے یہ مطالبہ کیا ہو کہ جہاں جہاں مسجدیں بنائی گئی ہیں وہاں منبر بھی قائم کیے جائیں جس کے معنے یہ ہوئے کہ اسی زمانہ میں صحابہ رض کا اس پر اجماع قائم ہو چکا تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا مشہور اثر "لا جمعۃ ولا تشریق الا فی مصر جامع" کے متعلق جن لوگوں نے یہ توجیہ پیش کی ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام کے عہد میں خوارج چونکہ مسجدوں میں حضرت کے خلاف سازشی کمیٹیاں کرتے تھے۔ اس لیے آپ مسجدوں میں اپنے عام اجتماع کی ممانعت کر دی تھی گویا یہ حکم سیاسی مصالح پر مبنی تھا۔ یہ کتنی غلط توجیہ ہے کیونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پہلے ہی اس نظام کو قائم کر دیا گیا تھا۔ ابن حوقل اور الہمدانی وغیرہ عموماً شہروں اور آبادیوں کا حال لکھتے ہوئے یہ بھی تصریح کرتے جاتے ہیں کہ یہاں منبر ہے یا نہیں۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے زمانے تک جمعہ کی نماز ہر آبادی میں نہیں ہوتی تھی بلکہ عموماً مرکزی مقامات کی مسجدوں میں منبر ہوتا تھا ٹھیک جیسے جاہلی تمدن میں آبادیوں کے فرق کو بتاتے ہوئے آج کل یہ لکھا جا سکتا ہے کہ یہاں سینما اور تھیٹر نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوگا کہ وہ کوئی معمولی گاؤں اور جہاں بتایا جاتا ہے کہ یہاں سینما حال ہے اس سے اندازہ ہوگا کہ کوئی معقول آبادی ہے اسی طرح عہدِ اسلامی آبادیوں کے اس فرقِ مراتب کو منبر ہے یا نہیں اس سے ظاہر کیا جاتا تھا ۱۲

Marfat.com

تھا۔ باقی کیفیت سو اس کا اندازہ آپ کو مؤرخین کی اس قسم کی عبارتوں سے ہو سکتا ہے۔ مثلاً کوفہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے جو مسجد بنی تھی۔ معجم البلدان میں اس کے متعلق لکھا ہوا ہے۔ میں بجنسہ نقل کرتا ہوں:۔

وکتب عمر بن الخطاب الی سعد ان اختط موضع المسجد الجامع علی عدۃ مقاتلتکم فخط علی اربعین الف انسان فلما قدم زیاد زاد فیہ عشرین الف انسان وجاء بالآجر وجاء باساطینہ من الاھواز (معجم البلدان ص۲۹۷ جلد ۷)	حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے (کوفہ) والی سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھ بھیجا کہ جامع مسجد کی داغ بیل ان سپاہیوں کی تعداد کے مطابق ڈالو جو کوفہ کی چھاؤنی میں سکونت پذیر ہیں۔ اس فرمان کی تعمیل کرتے ہوئے حضرت سعد بن ابی وقاص نے مسجد کی بنیاد رکھی جس میں چالیس ہزار آدمیوں کی گنجائش تھی۔ پھر کوفہ کا والی جب زیاد ہوا تو بڑھا کر بیس ہزار آدمیوں کی گنجائش کا اور اضافہ کر دیا۔ اس کے لیے اینٹیں منگوائی گئیں اور ستون اس کے اہواز سے آئے۔

ایک ایک مسجد جس میں چالیس چالیس ہزار انسانوں کی گنجائش پیدا کی جائے اور چالیس ہزار سے بھی آگے بڑھ کر زیاد کی گورنری کے زمانہ میں ساٹھ ہزار انسانوں تک کی گنجائش اس میں پیدا کی گئی ہو! ذرا اس مسجد کے طول و عرض کا اندازہ تو کیجئے۔ خرچ اس پر کیا ہوا تھا۔ عہد فاروقی کی کفایت شعاری کے باوجود

Marfat.com

لکھا ہے کہ :۔

وقد انفقت علی کل اسطوانۃ سبع عشر مائۃ (ایضاً ص۲۹۹)

ہر ستون پر سترہ سترہ سو خرچ ہوئے تھے۔

بہ ظاہر مراد درہم ہی معلوم ہوتا ہے لیکن ایک ایک ستون پر اتنا خرچ جب آیا تھا تو کل ستونوں پر کتنا بیٹھا ہو گا ؟

بہرحال میری اس غرض اس وقت مسلمانوں کی ان عمارتوں اور بنیانوں سے نہیں ہے جن کی تعمیر میں حکومت کا ہاتھ تھا۔ خواہ خود سلاطین نے اُن کی تعمیر کرائی ہو یا حکومت کے حکّام وولاۃ کے وہ کارنامے ہوں۔ کیونکہ علاوہ سلاطین کے یہ واقعہ ہے کہ اسلامی حکومتوں کے ان حکّام وولاۃ کی اولوالعزمی بھی اس راہ میں کچھ کم اہمیت نہیں رکھتیں۔ خیال تو کیجئے۔ اسلام کا ابتدائی زمانہ ہے۔ پہلی صدی ہجری ہے۔ اور کسی بہت بڑے آدمی نے نہیں۔ حجاج کے طبیب الدیلمی نے فارس کی ایک نہر جس کا نام نہر طاب تھا۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ رجان نامی قریہ کے دروازہ سے نکلنے کے بعد جو راستہ خوزستان کی کی طرف جاتا ہے۔ اسی پر یہ دریا طاب نامی واقع ہے اس پر اسی الدیلمی نے ایک پُل بنوا دیا تھا۔ جس کی خصوصیت یہ تھی کہ :۔

وھی طاق واحد سعۃ ما بین عمودیۃ علی وجہ الارض ثمانون خطوۃ وارتفاعہ مقدارما یجوز فیہ راکب بجمل بیدہ علم

یہ پل صرف ایک کمان (محراب) ہے دونوں دیواریں جو اس کمان کی زمین پر ہیں ان کا درمیانی فاصلہ اسی قدم ہے اور بلندی اس کمان کی اتنی ہے کہ اونٹ

Marfat.com

من اکبر ما یکون من الاعلام
(ابن حوقل ص ۲۱۲)

پر بیٹھ کر او نیچے سے اونچا جھنڈا لے کر آدمی اس کے نیچے سے گذر سکتا ہے۔

اور یہ تو عرب سے باہر کا حال ہے پہلی صدی ہجری میں خود مدینہ منورہ کا حال تعمیری لحاظ سے کس معیار تک پہنچ چکا تھا۔ عام لوگوں کی عمارتوں کی کیفیت کا اندازہ اسی سے کیا جا سکتا ہے کہ سیرین جو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام تھے اور بعد کو بطریقۂ کتابت انہوں نے آزادی حاصل کر لی تھی۔ عموماً تجارتی کاروبار کرتے تھے۔ طبقاتِ ابن سعد میں ہے کہ ان کے پڑپوتے بکّار بن محمّد بیان کرتے تھے۔

رأیت مجلس سیرین الذی بناہ بجذوع بعت انا منھا اربعین جذعا کل جذع بدینار
(طبقات ابن سعد جلد ۷، ص ۸۸)

میں نے سیرین کی بنائی ہوئی نشستگاہ دیکھی تھی شہتیروں سے بنائی گئی تھی (یہ شہتیریں کیسی تھیں اس کا اندازہ اس سے کرو کہ) خود میں نے اس کی ایک ایک شہتیر ایک ایک اشرفی میں فروخت کی تھی۔

اور جب ایک پردیسی غلام کی عمارت کا یہ رنگ۔ اسی سے عام شرفائے مدینہ کی عمارتوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔

تاریخوں میں حضرت طلحہ رضہ۔ حضرت عثمان رضہ۔ حضرت سعد رضہ۔ حضرت زید رضہ بن ثابت وغیرہ کی حویلیوں کا تذکرہ تفصیل سے کیا گیا ہے۔ الہمدانی نے لکھا ہے کہ مدینہ منوّرہ میں ساگوان اور صنوبر کی لکڑیاں بصرہ کی بندرگاہ سے درآمد ہوئی تھیں اور بطنِ نخل کوئی جگہ تھی۔ جہاں خاص طور پر معلوم ہوتا ہے کہ چونہ

Marfat.com

بنانے کی بھٹیاں بنائی گئی تھیں۔ وہیں سے مدینہ چونہ جاتا تھا۔ (الہمدانی ص۲۰۹)

صحابہ ہی میں آخر حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں اور کیسے صحابی؟ لیکن عموماً کتابوں میں ملتا ہے کہ آپ نے کوفہ میں۔ بصرہ میں۔ اسکندریہ میں۔ فسطاط (مصر) میں الگ الگ قصور بنوائے تھے۔

خیر یہ قصہ تو بہت طویل ہے۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ بڑے بڑے مکانات اور کتنے بڑے بڑے کہ بوقتِ واحد جیسا کہ گذر چکا ایسے مکانات مسلمانوں کے عموماً ہوتے ہیں۔ جن میں سو سو۔ دو دو سو مہمان بآسانی اتارے جا سکتے تھے اور ان کے آرام و آسائش کا وہاں نظم کیا جا سکتا تھا۔ پس یہی دیکھنے کی بات ہے کہ تعمیری وسعتوں کے اس شوق کے پیچھے مسلمانوں کے اندر اس زمانہ میں محرکات کیا ہوتے تھے۔ الہمدانی نے اگرچہ ایک موقعہ پر یہ بھی لکھا ہے کہ اس زمانہ میں عام خیال یہ بھی تھا کہ:۔

سَعَۃ الدار تزید فی العقل کما	گھر کی کشادگی سے عقل میں اضافہ ہوتا ہے
ان ضیقہا ینقص[1] عقلہ (ص۱۵۴)	اور مکان کی تنگی سے عقل گھٹتی ہے۔

اور اس زمانہ میں یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ اونچے اور بڑے مکانوں میں رہنے والوں کے خیالات میں بھی، تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ بلندی اور وسعت پائی

---

[1] کئی سال ہوئے معارف میں ایک صاحب جو غالباً یورپین ہی تھے ان کے ایک مضمون کا ترجمہ یا خلاصہ تھا جس میں اسی نظریہ پر بہت زور دیا گیا تھا اور لکھنے والے کے بیان سے معلوم ہوتا تھا کہ اس زمانہ کا یہ کوئی خاص نظریہ ہے ۱۲

Marfat.com

گئی ہے اور تنگ و تاریک مکانوں میں رہنے کے جو عادی ہوتے ہیں۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ ان کی ہمتیں پست اور حوصلے تنگ ہوتے ہیں۔

لیکن اسی کے بعد خود الہمدانی نے بھی لکھا ہے کہ ایک خیال اس زمانے میں یہ بھی تھا کہ:

"گھر ہی گھر والے کی دُنیا ہوتی ہے۔ اسی لیے آدمی کو چاہیئے کہ اپنے دیوان خانے (یعنے زنانے کے سوا جو مردانہ حصّہ ہوتا ہے اس کو ذرا خوبصورت بنائے اور نفاست ولطافت کا اس کی تعمیر میں خاص طور پر خیال کرے۔ کیونکہ وہی حصّہ تو مکان کا چہرہ ہوتا ہے اور مہمانوں کے ٹھہرنے کی جگہ بھی وہی ہوتا ہے۔ اور نوکروں چاکروں کے آرام لینے کی جگہ بھی وہی ہوتی ہے۔ پھر بچّوں کے پڑھانے کے لیے معلّم کو بھی اسی میں جگہ دینی پڑتی ہے اور اجازت لے کر جس حد تک بیرونی لوگ آسکتے ہیں۔ وہ بھی مکان کا یہی حصّہ ہوتا ہے۔" (الہمدانی صفحہ ۱۵۴)

جس سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ بڑے بڑے مکانوں کے بنانے سے مسلمانوں کے سامنے اس زمانہ میں کیا کیا اغراض ہوتے تھے اور مکان کے بیرونی حصّہ سے کیا کیا کام لیا جاتا تھا۔ گویا مہمان خانہ۔ ملاقات کا کمرہ۔ بچّوں کا مکتب خانہ نوکروں اور شاگرد پیشہ والوں کے رہنے کی جگہ۔ الغرض ان ساری چیزوں کی گنجائش کا خیال کر کے عموماً مکان بنوائے جاتے تھے۔ اور یہ تو الہمدانی نے لکھا ہے باقی ابنِ حوقل نے ماوراء النہر کے مسلمانوں کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ جو لکھا ہے

Marfat.com

ہے کہ :۔

"یہاں کے لوگوں میں سب سے بڑا شوق اور سب سے بڑا حوصلہ جس چیز کا ہے وہ یہ ہے کہ ان میں ہر شخص اپنی اپنی وسعت و گنجائش کے مطابق یہ چاہتا ہے کہ مہمانوں کے لیے اپنے گھر کو جس حد تک ممکن ہو سجا کر سلیقہ کے ساتھ رکھا جائے"

پھر یہ لکھنے کے بعد بیان کرتا ہے کہ :۔

"ان کے اس جذبہ کا اندازہ کرنے کے لیے شاید یہ مشاہدہ کافی ہو سکتا ہے کہ ان میں کوئی آدمی جو کوئی گاؤں یا جائیداد رکھتا ہے۔ اس پر بس یہی دھن سوار رہتی ہے کہ کوئی بڑا کشادہ کھلا ہوا قصر (مکان) مہمانوں کے لیے تعمیر کرے۔ عام طور پر ان لوگوں کو تم پاؤ گے۔ کہ آنے والے مسافروں کے خیال سے وہ اپنے گھر کے ساز و سامان کے درست کرنے اور اس کے سجانے۔ مرتّب کرنے کے مشغلے میں لگے ہوتے ہیں۔ اسی حال میں اگر کوئی مہمان آگیا تو یہ واقعہ ہے کہ باہم ایک دوسرے سے اس معاملہ میں اُلجھ جاتے ہیں۔ ہر ایک چاہتا ہے کہ اس کو اپنا مہمان بنائے۔ ماوراء النہر میں کسی شخص کو میں نے نہیں دیکھا جس پر یہ جذبہ مہمان نوازی کا مسلّط نہ ہو۔ اس قصے میں وہ اپنے روپے، پیسے، مال و متاع کو اس بے دردی سے خرچ کرتے ہیں اور اس خرچ میں اسی طرح مقابلہ کرتے ہیں جیسے دوسرے علاقے کے لوگ مال جمع کرنے میں ایک دوسرے پر

Marfat.com

سنفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں؟" (ابن حوقل ص ۳۳۸)

اس سے یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ زیادہ تر مکانی وسعتوں کے شوق کا محرک مسلمانوں میں کون سا جذبہ تھا؟ گو آخری الفاظ ابن حوقل کے ایسے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ شاید چوتھی صدی ہجری میں مہمان نوازی کا یہ جذبہ صرف ماوراء النہر ہی کے مسلمانوں تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ خود اسی شخص نے اپنی کتاب میں جہاں کہیں کے مسلمانوں میں پہنچنے کا ذکر کیا ہے۔ عموماً ان کی مہمان نوازیوں کی اس نے تعریف ہی کی ہے۔ حتیٰ کہ سجلماسہ (مغربی افریقہ) کے مسلمانوں کا ذکر ان الفاظ میں کرنے کے بعد کہ :

"یہاں کے باشندے خوش حال، خوش جمال ہیں، ان کی آبادیوں کی چاروں طرف گھنے باغات اور نخلستان پائے جاتے ہیں۔ ان میں بڑی مروت اور سیر چشمی میں نے دیکھی۔ ان کے مکانات عموماً کوفہ کے مکانات جیسے ہیں یعنی بڑے اونچے اونچے دروازے اور بھاری بھرکم محلات ہیں"

آخر میں خود سجلماسہ اور سجلماسہ سے سوس۔ اغمات۔ فاس۔ تاہرت کے قرب و جوار تونس[1]۔ مسیلہ۔ طنبہ۔ باغایہ۔ سے اکربال۔ ازفون۔ اور لوتہ تک کے علاقوں میں جہاں کہیں مسلمانوں کی آبادیاں ہیں لکھتا ہے :۔

---

[1] یہ ٹیونس نہیں ہے بلکہ دوسری جگہ کا نام ہے۔ ٹیونس سے یہ سارے مقامات مہینوں کے فاصلہ پر ہیں۔ مغربی افریقہ کے معمورہ کے گویا یہ آخری حدود ہیں۔ ۱۲

Marfat.com

یضیفون المارۃ ویطعمون الطعام۔ (ابن حوقل ص۲۶) مسافروں کی مہمان نوازی کرتے ہیں۔ انہیں کھانا کھلاتے ہیں۔

بلکہ اس علاقے کے بعض بربری قبائل کے مسلمانوں کے متعلق اسی مہمان نوازی کے سلسلے میں بعض ایسی باتیں نقل کی ہیں کہ دل ان کی تصدیق پر آمادہ نہیں ہوتا۔ پھر۔

بہر حال مجھے تو صرف یہ دکھانا تھا کہ اکرام ضیف کا یہ قصہ کچھ ماوراء النہر کے مسلمانوں ہی کی خصوصیت نہ تھی بلکہ مشرق سے مغرب کے آخری کناروں تک مسلمان جہاں کہیں بھی آباد تھے اس کو ایک قسم کا اسلامی شعار سمجھتے تھے۔ خود ابن حوقل نے تفلیس (طفلس جو روس کے ڈکٹیٹر اسٹالن کا مولد ہے) وہیں کا ایک طویل قصہ اسی مہمان نوازی کے متعلق نقل کیا ہے یہ لکھ کر کہ:

"اس شہر (تفلیس) کے لوگ بھی پردیسیوں اور مسافروں کے ساتھ خاص انس رکھتے ہیں۔ یہ عموماً سنی ہیں۔ قدیم روش کے پابند ہیں علم حدیث سے ان کا خاص تعلق ہے۔ اسی لیے محدثین کا خصوصاً اور جن میں علم وادب کی خو بو پائی جاتی ہو۔ ان کا عموماً احترام کرتے ہیں۔" (ابن حوقل ص۲۴۳)

آگے تقریباً ایک صفحہ میں اس داستان کو اس نے ادا کیا ہے۔ آخری فقرے اس کے کچھ مبہم اور نامفہوم سے ہیں۔ غالباً طباعت کی غلطی کا نتیجہ ہے یا اور کوئی بات ہو، بہر حال اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی وجہ سے ابن حوقل نے یہ قسم کھائی تھی کہ میں یہاں کسی کا مہمان بن کر نہیں رہوں گا۔ یہ حال جب

Marfat.com

شہر کے بعض معززین کو معلوم ہوا تو وہ لکھتا ہے کہ:۔

فعقد لی مجلس للمناظرۃ علیٰ هذا الیمین فی دار امیرھم و حضر القاضی فابتدئنی دونھم (ایضاً)

میری اس قسم کے متعلق لوگوں نے ایک خاص مجلس اپنے امیر کے گھر پر منعقد کی اس مجلس میں شہر کے قاضی بھی تھے۔ گفتگو کی ابتداء قاضی نے ہی کی۔

پھر قاضی کی پوری تقریر نقل کی ہے جس کا آخری فقرہ یہ ہے کہ:۔

فانا منذ ادرکنا شیوخنا ثم تفاوضھم واصطلاحھم علی انه لا یجوز ان یبیت غریب ببلدنا فی منزلة ولا خادمین لہ۔ (ص ۲۴۳)

ہم نے اپنے بڑے بوڑھوں کو جب سے دیکھا ہے اور ان کے رسم ورواج کو ہم جانتے ہیں۔ وہ یہی ہے کہ ہمارے شہر میں یہ نہیں ہو سکتا کہ مسافر اور مسافر کے نوکر چاکر اپنے گھر میں اتریں۔

آخر میں قاضی نے ابن حوقل کو صاف صاف کہہ دیا کہ:۔

"جو صورت ہم پیش کر رہے ہیں۔ اگر تم اس پر راضی نہیں ہو تو پھر تمہارا ہمارے یہاں سے کوچ ہی کر جانا بہتر ہے تاکہ تم کو دیکھ دیکھ کر ہم لوگوں کو جو تکلیف ہوتی رہے گی اس سے تو ہم محفوظ ہو جائیں گے۔ باقی قسم کا عذر جو تم پیش کرتے تو مسلمانوں کے یہاں قسم کا کفارہ بھی تو دیا جا سکتا ہے۔ ہم تمہاری طرف سے کفارہ ادا کر دیں گے۔"

کچھ بھی ہو جہاں تک میرے مطالعہ کا تعلق ہے اکرام ضیف کی

Marfat.com

عادت مسلمانوں کی عام عادت مجھے معلوم ہوتی ہے۔ خود ہندوستان کا حال اس وقت تک جب تک اسلامی تعلیم کا اثر یہاں کے مسلمانوں میں باقی تھا۔ مہمان نوازی میں جہاں تک میں جانتا ہوں یہی حال تھا[1]۔

---

[1] مجھے اپنے بچپن کے زمانہ کی یہ بات اچھی طرح یاد ہے کہ گیلانی جو فقیر کا آبائی وطن ہے بہار کا حالانکہ ایک مختصر سا گاؤں ہے۔ بہ مشکل بیس پچیس شریف مسلمانوں کے مکان وہاں ہیں ایک مسجد بھی بنی ہوئی ہے اور مسافر خانہ بھی اُس کے ساتھ ہے جس میں بوقت واحد آٹھ دس آدمی رات گذار سکتے ہیں۔ لیکن اس گاؤں میں بھی عموماً یہ دیکھا کرتا تھا کہ کسی وقت بھی مسافروں کی خواہ کتنی بڑی تعداد ہی کیوں نہ اتر آئی ہو بستی والے بیچارے مسلمان جو معمولی خوش باش زندگی رکھنے والے تھے۔ ان کے کھلانے پلانے سونے پڑنے کا نظم ضرور کر دیتے تھے۔ بعض بعض موقعوں پر میں نے دیکھا ہے کہ دس گیارہ بجے آٹھ آٹھ نو نو مسافروں کا مجمع مسجد کے مسافر خانہ میں آکر ٹھہر گیا ہے۔ دیہات کے لوگ سویرے کھا پی کر سو رہنے کے عادی ہوتے ہیں۔ لوگ سوئے ہوئے ہیں لیکن جونہی خبر ملی کہ مسافر آ گئے ہیں جس سے جو بھی بن پڑتا ان کے سامنے لا کر حاضر کرنا اس کو اپنی بستی کی بڑی ہتک سمجھتے تھے کہ مسافر بھوکا سو گیا۔ لیکن بتدریج جوانی تمدن کے آثار سے جب ملک متاثر ہونے لگا تو تیس چالیس سال کے اندر اب یہ انقلاب ہو گیا ہے کہ مسافر آتے ہیں۔ مؤذن گھروں میں جا کر اطلاع دیتا ہے۔ لیکن عموماً اس کو اب یہی جواب ملتا ہے کہ کھانے کا نظم ہمارے یہاں نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ مالی حیثیت سے پچھلوں کی حالت پہلوں سے بہتر ہے۔ چند قدامت پرست گھر ہیں جو اب تک اس پرانی لکیر کو پیٹے جاتے ہیں اور میں خیال کرتا ہوں

Marfat.com

خیر ذکر تو عام مسلمانوں کے مکانوں اور تعمیری خصوصیتوں کا ہو رہا تھا۔ کیونکہ جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں، میری بحث کا تعلق صرف عوام ہی کے مکانات سے ہے خلفاء و سلاطین یا اُن کے وزراء، امراء اور ان کی تعمیری اولوالعزمیوں کے محرکات اس وقت میرے پیش نظر نہیں ہیں۔ اور واقعہ بھی یہ ہے کہ ان کا مقابلہ بھلا بے چارے عوام خوش باش لوگ کیا کر سکتے تھے۔ جہاں صرف

کہ یہی حال اب عموماً لوگوں پر اپنا اثر قائم کر رہا ہے، قصور اس میں ہندوستان والوں کا نہیں ہے بلکہ اس تمدن کا ہے جس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ جس طرح اپنی مادہ کے سوا جانوروں کو اپنے ماں باپ سے بھی تعلق باقی نہیں رہتا۔ بچوں سے بھی ربط اسی وقت تک قائم رہتا ہے جب تک رزق طلبی کی قوت اُن میں خود پیدا نہیں ہو جاتی۔ اس کے بعد وہ اپنے بچوں سے بھی اسی طرح بیگانہ ہو جاتے ہیں جیسے ان سے نا آشنا ہوتے ہیں۔ جن کے وہ بچے ہوتے ہیں۔ جب ہندوستان کی تربیت اسی حیوانی تمدن کے اصول کے تحت ہو رہی ہے تو اب مسافر نوازی اور مہمان پروری کے قصے، پارینہ قصے نہ بن جائیں گے تو اور ہو گا کیا۔ کیا چیلوں اور کوّوں کے گھر بھی آپ نے مہمانوں کو اترتے دیکھا ہے؟ بلکہ بعض حیوانوں میں تو وطنی جذبہ اتنا شدید ہوتا ہے کہ اُن کا ہم جنس ہی کیوں نہ ہو لیکن اگر کہیں بھولا بھٹکا ان کے گاؤں کی طرف وہ پردیسی بے چارہ نکل آتا ہے تو دانت نکالے بھونکتے ہوئے اس کی طرف دوڑتے ہیں۔ افسوس اسلام نے اس ملک کو ایک بڑی شریفانہ عادت سے روشناس کیا تھا۔ لیکن اسلام کا دباؤ ہی جب قلوب سے اُٹھ گیا تو اس کے نتائج کا انتظار کیوں کیجئے۔ اس سلسلے میں ایک مفید بات کا خیال آ گیا گجرات

Marfat.com

معماروں کی سبزی اور زرکاری پر ہزار ہا ہزار روپے صرف ہوتے ہوں، جیسا کہ " جامع اموی "، دمشق کے تذکرے میں الہمدانی نے لکھا ہے کہ :۔

وثمن البقل الذی اکله صناع الجامع الاموی فی مدۃ ایام العمل ستۃ آلاف دینار (الہمدانی ص۱۰۸)

جامع اموی کے بنانے والوں کی صرف ترکاری پر جو کچھ خرچ ہوا تھا اس کی مقدار چھ ہزار اشرفی تھی۔

پھر جس جس قسم کے قیمتی پتھر اور سونے، چاندی گویا فی بنا گران عمارتوں میں لوگ صرف کرتے تھے۔ ان کا تو ایک عام آدمی تصوّر بھی نہیں کر سکتا[1] لیکن جہاں تک

کے مسلمانوں میں ایک خاص بات جس کا مسافر نوازی سے تعلق ہے۔ بڑی اچھی ہے۔ شہر، قصبہ گاؤں، سب ہی میں یہ دستور مروّج ہے کہ کسی خوش حال آدمی کا انتقال جب ہوتا ہے تو اس کی طرف سے توشک، لحاف، تکیہ وغیرہ بنوا کر لوگ مسجدیں بھیجتے ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ گاؤں گاؤں کی مسجدوں میں مسافروں کے لیے اوڑھنے بچھانے کا اتنا سامان کافی موجود رہتا ہے کہ مسافر سردی کے سخت ترین موسم ہی میں کیوں نہ وہاں پہنچ جائے کسی قسم کی تکلیف اس کو نہیں ہوتی۔ ایک اچھی سنت ہے۔ دوسرے علاقے کے مسلمان جو ابھی اکرام ضیف کو اپنے پیغمبر کا حکم یقین کرتے ہیں۔ وہ بھی اس طریقے کو اگر اختیار کریں تو اچھا ہے ۱۲

[1] اس جامع اموی میں کہتے ہیں کہ ایک کروڑ بارہ لاکھ دینار ولید بن عبدالملک نے خرچ کر ڈالے یہ اسی طرح دوسرے مسلمان سلاطین کی فضول خرچیوں کا ذکر اس زمانے کے بعض مورخین مزے لے لے کر کرتے ہیں۔ مگر سچ عرض کرتا ہوں کہ ان واقعات کو کتابوں میں جب پڑھتا ہوں تو شرم سے گردن جھک جاتی ہے۔ خبط کے سوا بھلا اس کو اور کیا کہا جا سکتا

Marfat.com

میرا خیال ہے اسلامی سلاطین کو آپ جو کچھ چاہے کہئے مگر عام مسلمانوں کا فہم عمومی بحمد اللہ اعتدال کے حدود سے زندگی کے اکثر شعبوں میں متجاوز

ہے کہ اچھے خاصے شہروں کا طول آٹھ دس میل ہوتا ہے لیکن مسعودی نے لکھا ہے کہ معتضد نے "الثریا" نامی قصر جو بنایا تھا صرف طول اس کا نو میل تھا۔ اسی طرح مقتدر کا "دار الشجرہ" جس کے اندر سونے چاندی کی ترکیب سے مشہور درخت بنائے گئے تھے جن کی ہر ہر شاخ میں پھول پتے جواہرات اور موتیوں سے تیار کیے گئے تھے اور مختلف پرندے نقرئی و طلائی ان شاخوں پر اس طرح بنائے گئے تھے کہ جب ہوا چلتی تھی تو یہ سارے مصنوعی پرندے چہچہانے لگتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ واقعی پرندے ہیں۔ اسی طرح ابن طولون کے بیٹے خماردیہ نے مصر میں جو عیاشیاں کیں تو حد کر دی۔ کہ گداز توشک کی جگہ اس نے ایک بڑا حوض بنوا کر اس میں لاکھوں روپیہ کا پارہ بھرا تھا۔ اس پر ہوا سے بھرا ہوا چمڑے کا گدا بچھا دیا جاتا تھا۔ اسی پر لیٹ کر یہ احمق اس گدے پر اچھلتا تھا۔ اور کیا کیا بیان کیا جائے کہ ناخدا ترس حکام نے مسلمانوں کے روپے کو کس طرح ضائع کیا اور برباد کیا صرف ایک عورت زہرا نامی کی خواہش کی تکمیل کے لیے اندلسی خلیفہ نے دو کروڑ اشرفیاں خرچ کر کے قصر زہراء بنوایا اور ان حماقتوں کو میں کہاں تک شمار کراؤں خود ہندوستان میں بھی اس سلسلہ میں بے ترتیبیاں کیا کم ہوئی ہیں۔

الہمدانی نے لکھا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنی خلافت کے زمانے میں جامع اموی کے جواہرات اور زر نقرہ کو چاہا تھا کہ نکلوا کر بیت المال میں جمع کر دیا جائے اسی فکر ہی میں تھے کہ روم سے قیصر کے سفراء کا ایک وفد دمشق کو لے کر حضرت مسجد کی طرف

Marfat.com

نہیں ہوا ہے۔ ایک طرف تو آپ ان طلسم ہوشربائی داستانوں کو سُن رہے ہیں۔

تشریف لے گئے تو دیکھا کہ مارے حسد کے سفیروں کا چہرہ کا رنگ زرد پڑ گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ منہ سے آواز بھی نہیں نکل سکتی۔ اس شاہدے کے بعد آپ نے رائے بدل دی اور فرمایا کہ "داری مسجد کم ہذا غیظاً علے الکفار" دیں اے مسلمانو! دیکھتا ہوں کہ کافروں کے قلوب کا ہماری مسجد غصہ بن گئی ہے) گویا شوکتِ کفر پر اس سے بھی گونہ ضرب پڑ گئی تھی پس اس واقعہ نے آپ کو اپنے ارادہ سے باز رکھا۔ ہم بھی جب سوچتے ہیں تو ان واقعات کے متذکرہ سے اتنا فائدہ تو ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے قلوب میں اپنی عظمتِ رفتہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہی یاد کسی زمانہ میں اُس شیر کو اپنی حقیقت پر پھر مطلع کرے جو بکریوں کے ساتھ اس وقت گھاس چرنے میں مصروف ہو گیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ ان امیرانہ خرچیوں کی کچھ توجیہ ہو سکتی ہے تو یہی ہو سکتی ہے مسلمان سلاطین و امراء کی ان تعمیری فضول خرچیوں کے متعلق آج ہی نہیں پہلے بھی دلوں میں سوالات پیدا ہوئے ہیں۔ المقدسی نے خود اپنا قصہ بیان کیا ہے کہ میں نے اپنے چچا حسن سے عرض کیا کہ مسلمان کے مال کو ولید نے دمشق کی جامع مسجد پر جو خرچ کر دیا اس سے کہیں بہتر بات یہ ہے کہ سڑکوں پلوں اور قلعوں وغیرہ کے بنانے میں اس رقم کو لگاتا۔ چچا نے یہ سن کر کہا کہ بیٹے ایسا خیال ہرگز نہ کیجئیو میرے نزدیک تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ولید کو توفیق عطا کی گئی تھی اور شاید اس پر یہ کھولا گیا کہ شام عیسائیوں کا ملک ہے جہاں ان کے بہترین بڑے بڑے گرجے بنے ہوئے ہیں۔ جن کی آرائش و زیبائش میں بڑا زر صرف کیا گیا ہے مثلاً قمامہ کا یالد کا گرجا۔ مسلمان ان گرجوں کو دیکھ کر ممکن تھا کہ احساس کمتری

Marfat.com

جو اسلامی سلاطین کے متعلق بیان کرنے والے بیان کرتے ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ ان سلاطین کے گرد و پیش میں جو امراء رہتے تھے۔ ان پر بھی اُن کی بُری صحبتوں کا کچھ اثر پڑا ہو۔ ابن ابی اصیبعہ نے بغداد کے ایک طبیب کا حال جس کمرے میں وہ رہتا اور آرام کرتا تھا اُس کے اطراف میں اس نے بعض ذیلی مکانات ایسے بنا رکھے تھے۔ جن میں گرمیوں کے موسم میں برف کے تودے جمع کر دیئے جاتے تھے۔ اور اُس کے غلام اُس پر پنکھا کرتے رہتے تھے۔ اسی طرح جاڑوں میں بجائے برف کے اس میں دہکتے ہوئے انگاروں کا انبار جمع کر دیا جاتا تھا۔ اور لوہار جس طرح مشکوں سے اپنی بھٹی کو پھونکتے ہیں۔ اس کے غلام ان انگاروں کو پھونکتے تھے۔ اور یہ ساری کارروائی اس طریقے سے انجام دی جاتی تھی کہ کمرے میں۔ بیٹھنے والوں کو اس کا پتہ بھی نہیں چلتا تھا۔ کہ پیچھے کیا ہو رہا ہے۔ (دیکھو عیون الانبار جلد ا ص ۲۴۰)

لیکن اس قسم کی عیاشیاں بشرطیکہ انہیں اس زمانہ میں عیاشی قرار دی جائے۔ محض چند مخصوص امراء کی حد تک محدود تھیں ورنہ جہاں تک ان ہی مؤرخین کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ گو طویل و عریض مکانوں کے بنانے کا تو مسلمانوں کو ضرور شوق تھا۔ مصر والوں کے متعلق ابن حوقل نے لکھا ہے کہ:۔

"ان لوگوں کی حویلیاں اور ڈیوڑھیاں چند منزلوں کی ہوتی ہیں

میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ولید کو خدا نے توفیق دی اور ایسی چیز بنا کر چلا گیا کہ اس کا شمار دنیا کے عجائبات میں ہو رہا ہے ۱۲

چھ۔ چھ۔ سات سات اور پانچ پانچ منزلوں سے کم نہیں ہوتیں
بسا اوقات ایک ایک گھر میں دو دو سو آدمی رہتے ہیں۔"

پھر ایک لطیفہ یہ بیان کیا ہے کہ :۔

"فسطاط (مصر کا قدیم پایۂ تخت) میں دار عبدالعزیز کے نام سے ایک مکان مشہور ہے۔ اس مکان کے رہنے والوں کے لیے روزانہ چار سو پکھالوں کے پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔" (ابن حوقل ص۹۶)

لیکن یہ عجیب بات ہے کہ معمولی قصبوں اور دیہاتوں ہی میں نہیں۔ بڑے بڑے عظیم الشان شہروں میں مسلمان مکان عموماً مٹی کا بنایا کرتے تھے اور بہت زیادہ تکلف سے کام لیا گیا تو آجر (پکی اینٹ) اور جص (گچھ) استعمال کرتے تھے۔ یہ اُن کے تکلف کی انتہا معلوم ہوتی ہے۔

ابن حوقل نے آذربائیجان کے عنوان کے نیچے لکھا ہے کہ اس علاقہ کا سب سے بڑا شہر اس وقت میں اردبیل ہے اسی میں معسکر (چھاؤنی) بھی ہے اور دار الامارۃ بھی۔ اسی کا بیان ہے کہ ثلاثین فرسخ (یعنے نوّے میل تک) اس ضلع کے حدود ہیں لیکن بتاتا ہے :۔

والغالب علی بنآئها الطین والآخر۔ (ابن حوقل ص۲۳۷)	زیادہ تر مکانات اس علاقے کے مٹی اور اینٹ کے ہیں۔

پھر "الدیلم" کے تحت لکھتا ہے کہ سب سے بڑا شہر اس علاقے کا "رے" ہے مگر۔

هی مدینة بنآءها من طین	اس شہر کی عمارتیں بھی مٹی ہی کی بنی ہوئی

Marfat.com

ویستعمل فیہا الاجر والجص (ابن حوقل ص۲۶۹)

ہیں۔ جس میں اینٹ اور گچھ بھی استعمال کیا گیا ہے۔

دوسری جگہ پھر اسی کا تذکرہ کرتے ہوئے اس نے لکھا ہے کہ:۔

والری مدینۃ لیس بعد بغداد بالمشرق مدینۃ اعمر منہا الا ان نیسابور اکبر منہا عرصۃ (ابن حوقل)

رے مشرق کا اتنا بڑا شہر ہے کہ بغداد کے بعد مشرق میں اس کی بڑائی کا کوئی دوسرا شہر مقابلہ نہیں کر سکتا ہاں صرف نیشاپور اپنے طول و عرض میں اس سے بڑا ہے۔

مگر عمارتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کے متعلق بھی وہی کہتا ہے کہ:۔

والغالب علی بناءہا الطین (ابن حوقل ص۲۶۵)

عمارتوں میں زیادہ تعداد انہی کی ہے جو مٹی سے بنائی گئی ہیں۔

اسی طرح ہمدان کے ذکر میں بھی لکھا ہے کہ:۔

"یہ نیا بسایا ہوا اسلامی شہر ہے۔ اس کی چاروں طرف فصیل بھی ہے اچار دروازے ہیں۔ جن پر لوہے کے پھاٹک جڑے ہوئے ہیں۔ لیکن عمارتیں یہاں کے باشندوں کی مٹی ہی کی ہیں۔ ان کے یہاں بھی پانی کی کثرت ہے۔ باغوں سے بھرا ہوا ہے۔ بہتے ہوئے چشموں سے کھیتی ہوتی ہے" (ابن حوقل ص۲۶۰)

اپنے زمانے کے اصفہان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:۔

"عراق سے خراسان تک رے کے بعد اصفہان سے بڑا کوئی شہر نہیں ہے"

Marfat.com

اسی اصفہان اور اس کے ایک محلّہ کے متعلق جس میں کسی زمانے میں یہودی رہتے تھے۔ اسی لیے اس حصّے کا نام یہودیہ پڑ گیا تھا اور دوسرے محلے کا نام شہرستانہ تھا۔ بہرحال دونوں ہی کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے کہ:

"الجبال کے علاقہ کا سب سے زیادہ زرخیز سیرحاصل خطّہ ہے، بہت وسیع ہے۔ آبادی، دولت، تجارت، ہر قسم کی سہولت فواکہ، میوہ جات، الغرض جس لحاظ سے دیکھو الجبال میں اس کا مقابل کوئی دوسرا شہر نہیں ہے۔"

مگر باوجود ان تمام باتوں کے

بناءھما من طین — اصفہان کے دو محلّوں (یہودیہ اور شہرستانہ) دونوں کی عمارتیں مٹی کی ہیں۔

اور کہاں تک مثالیں دیتا چلا جاؤں۔ انتہا یہ ہے کہ سجستان کا مرکزی شہر جس کا نام ابنِ حوقل نے زرنج بتایا ہے اور لکھا ہے کہ:

"اس علاقے کا سب سے بڑا شہر زرنج ہے۔ یہ بھی فصیل رکھتا ہے عمارتیں اس کی وسیع ہیں۔ مکانوں کی کثرت ہے اسی میں علاقے کا دارالامارت ہے۔ خندق جو فصیل کے چاروں طرف ہے۔ اسی کے اندر ایک چشمہ ہے اور دوسرے چشمے بھی اسی میں آ کر گرتے ہیں، پانچ دروازے ہیں۔"

پھر ہر دروازے کا نام اور اُس کی صفت بیان کرنے کے بعد اسی نے لکھا ہے کہ اس علاقے کی آب و ہوا ایسی ہے کہ لکڑیوں میں فوراً گھن لگ جاتا ہے۔ اسی

Marfat.com

وجہ سے یہاں کے لوگ اپنے مکانوں میں لکڑی نہیں خرچ کرتے۔ مگر باوجود اس کے بھی۔

ابنتھا کلھا طین آفواہ معقود — سارے مکانات اس علاقے کے بھی مٹی کی کہگل کے ہوتے ہیں۔ (ص ۲۹۸)

مقصود اس طول بیانی سے یہ ہے کہ سلاطین اور ان کے ولاۃ و حکام کے مقابلہ میں مسلمانوں کا مذاق تعمیر کے متعلق عجیب معلوم ہوتا ہے مجھے تو کچھ ایسا محسوس ہوا کہ ایک طرف تو قرآن

اتبنون بکل ریع آیۃ تعبثون ○ وتتخذون مصانع لعلکم تخلدون ○ (سورۃ الشعراء ع ۶) — کیا تم ہر اونچے مقام پر بے ضرورت یادگاریں بناتے ہو اور بڑے بڑے محل تعمیر کرتے ہو۔ گویا تمہیں دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے۔

کی کڑکتی ہوئی آوازیں "الحیوٰۃ الدنیا" کی حقیقت جو واضح کر رہا تھا، یعنے یہاں اس قسم کا کوئی کام کرنا جس سے معلوم ہوتا ہو کہ کام کرنے والے کو اپنے متعلق شاید خلود اور واقعی بقائے دوام کا مغالطہ لگ گیا ہے۔ بدترین حماقت ہے اس لیے قرآنی روشنی میں اس قسم کی حماقتوں سے بچ کر وہ خود بھی آرام سے رہنا چاہتے تھے اور اپنے مہمانوں اور عام مسافروں کو بھی آرام پہنچانا چاہتے تھے۔ دونوں مسئلوں میں تطبیق دینے کی یہی شکل ہوسکتی تھی کہ بنانے کے لیے یوں تو وہ بڑے بڑے مکان۔ اونچی اونچی دیواریں اور اونچے اونچے دروازے اور طویل و عریض کمرے بناتے تھے۔ گذر چکا کہ ایک ایک مکان میں دو دو سو

Marfat.com

آدمیوں کی گنجائش ہوتی تھی۔ اتنے ہی بڑے بڑے مکان بخارا میں بھی ملتے ہیں اور مصر میں بھی۔ عموماً مٹی یا زیادہ سے زیادہ اینٹوں اور گچ تک وہ پہنچتے تھے، یہ ہوسکتا ہے کہ مٹی کے ان مکانات کے متعلق کوئی طبی نقطہ نظر بھی ان کے سامنے ہو۔ الہمدانی جو تیسری صدی ہجری کا مصنّف ہے صحت و عافیت کے لحاظ سے مکانوں کے متعلق مسلمانوں میں کس قسم کے خیالات اُس زمانے میں پھیلے ہوئے تھے ان ہی کو ظاہر کرتے ہوئے اس نے لکھا ہے کہ:-

"مکان بنانے کا بہترین محل و موقع ٹیلہ اور بلند جگہ ہے تاکہ اُس میں رہنے والوں کی نگاہ نیچے کی چیزوں پر پڑتی رہے۔ اسی طرح مکانوں کے رُخ اور دروازے۔ کھڑکی وغیرہ کے لیے بہترین سمت مشرق ہے۔ کیونکہ بدن کی صحت پر اس کا اچھا اثر اس لیے پڑتا ہے کہ آفتاب کی شعاعوں اور اس کی روشنی سے استفادے کا موقعہ اس قسم کے مکانات میں بہت جلد حاصل ہوتا ہے چاہیے کہ مکان جب بنائیں تو وہ کشادہ ہوں اور بلندی اُن میں کافی رکھی جائے اور اس کا تو ہمیشہ خیال کرنا چاہیے کہ دروازہ جب مکان کا ہو تو مشرق ہی کی طرف ہو۔"

(ابن الفقیہ الہمدانی ص ۱۰۳)

کیا تعجب ہے کہ مٹی کے متعلق مسلمانوں کا یہی خیال ہو کہ گرما و سرما اور ہر قسم کے موسم میں وہ عافیت بخش ہوتا ہے۔ گرمیوں میں زیادہ تپتا نہیں ہے۔ اور سردیوں میں حد سے زیادہ ٹھنڈا نہیں ہوتا۔ البتہ مٹی کے مکانوں کے لیے

Marfat.com

ایک چیز کی سخت ضرورت ہے یعنے اُس کی صفائی، لیپ، پوت کی طرف پوری توجہ رکھنی پڑتی ہے اور آپ دیکھ چکے ہیں۔ ماوراء النہر کے مسلمانوں کا اس باب میں ابنِ حوقل نے کیا حال بیان کیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ عام مسلمانوں کے تعمیری مذاق کی اس خصوصیت پر جب سے مجھے متنبہ ہوا ہے کہ ایک بڑا مسئلہ حل ہو گیا۔ ہندوستان کے اکثر صوبوں میں پہنچنے کے بعد بیان کرنے والوں کی زبانی مختلف قصبات و دیہات کے متعلق اس قسم کی باتیں جب سننے میں آتی ہیں کہ عہدِ اسلامی میں اس بستی کے لوگ بڑے خوشحال تھے۔ اتنی سواریاں روزانہ نکلا کرتی تھیں۔ یہ تھا وہ تھا۔

لیکن عموماً اس قسم کے مقامات میں خاک کے ایک بڑے تودے کے سوا چونکہ اور کچھ نظر نہیں آتا۔ اس لیے دل سوال کرتا ہے کہ اگر واقعی یہاں کے باشندے کسی زمانہ میں فراغبالی اور امارت و ریاست کی زندگی بسر کرتے تھے تو ان کے مکانوں کے ٹوٹے پھوٹے آثار تو کہیں ملنے چاہئیں۔ لیکن بجز خاص خاص بستیوں کے جہاں اب بھی پتلی اینٹوں کی بڑی بڑی حویلیاں اپنے بنانے والوں کی عظمت و شان کی نوحہ خوانیوں میں مصروف ہیں۔ عموماً "تودۂ خاک" کے سوا کوئی دوسری چیز نہیں ملتی تھی۔ اور جیسا کہ اس زمانہ میں یہ باور کرا دیا گیا ہے کہ اپنے اسلاف کے حالات کے بیان کرنے میں مسلمان عموماً مبالغہ، بلکہ غلط بیانی سے کام لیتے ہیں خیال گزرتا تھا کہ شاید یہ بھی اسی قبیل کی چیز ہو۔

لیکن بحمداللہ جب سے مسلمانوں کے اس عام تعمیری مذاق کا علم ان مؤرخین کے ذریعے سے ہوا ہے مسئلہ واضح ہو گیا۔ واقعہ یہی تھا کہ عموماً مسلمان خام یعنے

Marfat.com

کچے مکانوں ہی کے بنانے کے عادی تھے۔ امارت اور غربت کا فرق مکان کے طول و عرض وسعت و کشادگی سے نمایاں ہوتا تھا۔ ورنہ مٹی سے بنانے میں امیر ہوں یا غریب دونوں برابر تھے۔

مسلمانوں کی بعض پرانی بستیاں جواب ویران ہو کر کھنڈر بن چکی ہیں۔ ان میں اب بھی جاکر آپ دیکھ سکتے ہیں۔ بڑی بڑی اُونچی دیواریں اُن کی آپ کو نظر آئیں گی لیکن ہوں گی وہ دیواریں مٹی ہی کی۔

مکان کے مسئلہ میں مسلمانوں کا عام مذاق جیسا کہ بیان کر چکا ہوں یہ تھا کہ وسعت و کشادگی اور فراخی کے لحاظ سے تو وہ ایسے ہوتے تھے کہ دو دو سو مہمانوں تک کے اتارنے کی گنجائش آن واحد میں ایک ایک مسلمان کے گھر میں نکل آتی تھی۔ اسی کے ساتھ ہوا اور روشنی کا بھی معلوم ہوتا ہے کہ عموماً خیال رکھا جاتا تھا لیکن جیسا کہ میں نقل کر چکا ہوں بااین ہمہ ہوتے تھے۔ اکثر و بیشتر یہ مکان مٹی ہی کے میں نے کہا تھا کہ ویران ہونے کے بعد بھی وجہ اس بات کی شاہد ہے کہ مسلمانوں کی بستیاں کھنڈروں کی شکل میں نظر نہیں آتیں بلکہ جہاں سے اُٹھ کر کسی وجہ سے دوسری جگہ لوگ منتقل ہو جاتے تھے تو وہی مٹی جو دیواروں اور مکانوں کی دوسری چیزوں میں اُٹھا کر لگائی جاتی تھی۔ پھر زمین ہی میں واپس ہو کر زیادہ سے زیادہ کسی ٹیلہ کی شکل اختیار کر لیتی تھی۔ لیکن ایسے ویران کھنڈر جنہیں دیکھ کر آدمی کو وحشت ہو اور خواہ مخواہ اس طرف منتقل ہو کر ان میں بھوت اور جن رہتے ہیں۔ عموماً مسلمانوں کی عام آبادیاں اس شکل کو اختیار نہیں کرتی تھیں۔ الا ماشاء اللہ۔

Marfat.com

قدیم شہروں کے خرابے مثلاً بعل بک۔ اصطخر۔ اور مصر وغیرہ کے پرانے ویران شہروں کو دیکھ کر یہی وجہ تھی کہ مسلمان کے عوام عموماً ان کے متعلق خیال کر لیتے تھے کہ جنوں اور دیوؤں کے بنائے ہوئے ہیں۔

الہمدانی نے ایک موقعہ پر یہ قصّہ بھی نقل کیا ہے کہ ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ لُد کے کسی شخص سے ہم نے کہا کہ تمہارے یہاں یہ بڑے بڑے کوہ ہیکل مکانوں کے کھنڈر جو دُور تک پھیلے ہوئے ہیں کیا جنوں نے سلیمان کے لیے ان کو بنایا تھا اس پر اس سدّی نے جو غالباً عیسائی یہودی تھا کہا کہ "تم مسلمانوں کا عجیب حال ہے کہ جب کوئی ایسی عمارت تمہیں نظر آتی ہے جو تمہارے خیال میں غیر معمولی ہوتی ہے تو اس کو تم لوگ جن اور شیاطین کی طرف منسوب کر دیا کرتے ہو" (الہمدانی ص۱۷۱)

اور میں تو سمجھتا ہوں کہ مسلمان کو مقابر کے متعلق جو حکم دیا گیا ہے کہ انہیں کچّی رکھیں اس کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ پختہ قبروں والے قبرستان امتدادِ زمانہ سے ٹوٹی پھوٹی قبریں۔ گری پڑی چھتوں اور اُلٹے ہوئے تعویزوں وغیرہ کی وجہ سے کچھ ڈراؤنے سے ہو جاتے ہیں۔ کچّے قبرستان میں یہ کیفیت نہیں پیدا ہو سکتی۔ پس آدمی جس مٹی سے پیدا ہوا تھا۔ اسی میں واپس کر دیا گیا۔ کچھ دن قریب قریب کے رشتہ داروں کی تسلّی کے لیے ذرا قبر کی پشت نمایاں کر دی جاتی ہے۔ لیکن عموماً ایک دو پشت کے بعد پھر کسی کو خیال بھی نہیں رہتا کہ اُس کی اوپر والی پیڑھیوں والے کون لوگ تھے، اور کہاں مرے، کہاں دفن ہوئے۔ فراموشیدگی اور نسیان کے اس عہد کے آنے تک کچّی قبروں کے کوہان بھی ذہن سے برابر

Marfat.com

ہو جاتے ہیں۔ اور پتہ بھی نہیں چلتا کہ یہاں لوگوں کی قبریں تھیں بھی یا نہیں۔

بہرحال جہاں تک قرائن و قیاسات کا اقتضاء ہے۔ میں اُن ہی کی بنیاد پر یہ کہنا چاہتا تھا کہ منجملہ دیگر اغراض کے اپنے مکانوں کی تعمیر میں عموماً مسلمان پردیسی مسافروں اور مہمانوں کا بھی خاص طور پر خیال کیا کرتے تھے۔ المقریزی نے گو صرف مصر کے مسلمانوں کا یہ حال بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:۔

"صاحب مقدرت گھرانوں میں قاعدہ ہے کہ کھانا عموماً ضرورت سے زیادہ اس لیے پکوایا جاتا ہے کہ وقت پر اگر کوئی مہمان یا مسافر آجائے تو اسے تکلیف نہ ہو۔ اور زیادہ ضرورت کھانے کی مقدار بھی کافی ہوتی ہے۔ اگر اُس دن مہمانوں یا مسافروں کا کوئی مجمع نہیں پہنچتا ہے۔ اگر اس جا کر اُسے لے جاتے ہیں۔ اور اپنے بال بچوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ یا اس کو بیچ کر پیسے کھرے کر لیتے ہیں۔" (المقریزی جلد ا ص ۳۱۸)

یہ بات کہ اس دستور کا تعلق کچھ مصر کے خوش حال مسلمانوں ہی کے ساتھ مخصوص نہ تھا۔ اس کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ ہندوستان تک کے مسلمانوں میں اپنی حکومت کے آخری دنوں تک ہم اس دستور کے آثار و نتائج کو محسوس کرتے ہیں۔

مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے لکھا ہے کہ امیر الامرا حسین علی خان جس زمانے میں اورنگ آباد کے صوبہ دار تھے اُن کے باورچی خانہ میں اتنا کھانا پکتا تھا، کہ عام طور پر ایک پیسہ میں اُن کے نوکروں سے بریانی کا ایک تاب لوگوں کو مل جاتا

تھا۔ خود حیدر آباد کے اربابِ نعمت و ثروت کا تماشا آج سے تیس چالیس برس پہلے جن لوگوں کو دیکھنے کا موقعہ ملا ہے وہ اب بھی اس کی شہادت ادا کرتے ہیں کہ ان گذرے ہوئے امیروں کے بطبخ کا عام دستور یہی تھا۔ یہی وجہ اس بات کی ہے کہ مغربی تمدّن کا قدم جب تک راسخ نہیں ہوا تھا۔ آپ کو حیدر آباد میں اس قسم کے بڑے بڑے ہوٹل، کیفے نہیں مل سکتے تھے۔ جن سے آج اس شہر کا گوشہ گوشہ معمور ہے۔ دراصل مہمان نوازی اور مسافر پروری کے عام دستور نے کرایہ کے ان طعام خانوں اور قیام خانوں کی ضرورت ہی پیدا ہونے نہیں دی تھی۔

خیر میں پھر دوسرے مسئلہ کی طرف منتقل ہو گیا۔ گفتگو مکان کے متعلق ہو رہی تھی۔ میرے دعوے کی تائید میں ابن حوقل ہی کا وہ بیان بھی قابلِ توجہ ہے۔ جو ماوراء النہر ہی کے سلسلہ میں اس نے بیان کیا ہے کہ :۔

"تم عموماً یہاں کے اربابِ ثروت و نعمت کو پاؤ گے کہ اپنی دولت کا بہت بڑا مصرف ان لوگوں کے نزدیک اس قسم کی باتیں ہیں، مثلاً سرائیں بنوانی، راستوں کو درست کرنا۔ اور پلوں کی تعمیر۔ عام حال یہی ہے۔ چند استثنائی صورتوں میں نہیں نکھتا۔"

اس کے بعد وہ لکھتا ہے کہ :۔

لیس من بلاد لا طریق مطروق ولا قریۃ آھلۃ الا وفیھا من الرباطات ما یفضل عن من ینزل بہ ممن یطرقہ	کوئی شہر، یا کوئی گذرگاہ جس میں لوگوں کی آمد و رفت ہو، یا کوئی آباد گاؤں ایسا نہیں ہے۔ جس میں بڑی بڑی سرائیں بنی ہوئی نہیں ہیں۔ اتنی بڑی کہ اترنے والوں

Marfat.com

(ابنِ حوقل ص ۳۳۹) کے بعد بھی جگہ اس میں باقی رہتی ہے۔

پھر ان رباطوں یعنے مسافروں خانوں اور سراؤں کے اعداد و شمار گنتے ہوئے کہتا ہے کہ:۔

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ صرف اس علاقے میں (ماوراء النہر میں) دس ہزار سے اوپر رباطات (سرائیں) ہیں"

اور کیسے رباطات؟ اسی کے الفاظ ہیں:۔

فی کثیر منہا اذا نزل النازل اقیم علف دابتہ وطعامہ
(ایضاً ص ۳۳۹)

بہت سی سرائیں تو ایسی ہیں جن میں اس کا انتظام ہے کہ مسافروں کو اور ان کے جانوروں کو کھانا چارہ سرائے ہی کی طرف سے دیا جاتا ہے۔

پانی پلانے کا انتظام اور رفاہِ عام کے اوقاف

اور گو اُس زمانہ میں ہر جگہ اس کا انتظام نا ممکن تھا۔ لیکن ابنِ حوقل کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ماوراء النہر میں علاوہ قیام وطعام کے مسلمانوں نے مسافروں اور عام راہ گیروں کے لیے فیاضی کے ساتھ جس چیز کا نظم کر رکھا تھا وہ برف کا پانی تھا۔ میں بجنسہٖ ابنِ حوقل کے الفاظ نقل کر دیتا ہوں، لکھتا ہے اور اپنا مشاہدہ بیان کرتا ہے۔

وقل ما رأیت خانا او طرف سکۃ او محلۃ او مجمع فاس

اور میں نے ایسا بہت کم دیکھا کہ کہیں مسافر خانہ ہو یا سڑک کا موڑ یا ناکہ ہو۔ یا کوئی محلہ

Marfat.com

الیٰ حائط لسم قند یخلو ہو، یا کسی دیوار کے کنارے دسلیہ یعنی
من ماء جمد مسبّل[1] کے بیلے، لوگ جمع ہونے ہوں۔ وہ برف
(ابن حوقل ص ۳۳۹) کے پانی کی بیل سے خالی ہو۔

---

[1] مسبّل کا لفظ بہ ظاہر سبیل ہی سے بنا لیا گیا ہے۔ اللہ کی راہ میں ثواب کی نیت سے کوئی کام کرنا سبیل کے معنے لغت میں بھی لکھے ہیں۔ منتی الارب میں ہے سبّلا تسبیلا در یافت آزاد در راہ خدا تعالیٰ ۔ مشین سے برف بنانے کا عام طور پر اگرچہ رواج اس زمانہ میں نہیں تھا۔ لیکن جن ممالک میں سردیوں کے زمانے میں برف پڑتی تھی۔ اور سرد سیر ممالک کا یہ عمومی حال ہے ماوراء النہر بھی انہی علاقوں میں ہے جیسا کہ میں نے براہِ راست اپنے رفقاء درس سے جو بخارا وغیرہ کے رہنے والے تھے سُنا ہے کہ سردیوں کے موسم میں لوگ بڑے بڑے عمیق گڑھوں اور خندقوں میں برف کو گاڑ دیتے ہیں۔ پھر جب گرمی کا موسم آتا ہے تو ان ہی گڑھوں سے نکال نکال کر خرچ کرتے ہیں۔ بے ساختہ اس وقت زندگی کے وہ پرانے دن یاد آ گئے۔ جب ٹونک اور دیو بند میں یہ فقیر طالب علمی کرتا تھا۔ میرے ساتھ یہ عجب حسنِ اتفاق ہوا کہ جہاں کہیں رہا۔ بخارا۔ سمر قند۔ ہرات، ترمذ، کابل۔ قندھار کے طلباء سے عموماً میرے روابط دوستانہ ہو جاتے تھے۔ زیادہ تر ان علاقوں سے میری دلچسپی ان ہی لوگوں کی صحبت اور طویل رفاقت کا نتیجہ ہے۔ ان میں بعض میرے ہمدرس تھے اور بعض خصوصی طور پر مجبور کر کے مجھ سے پڑھتے تھے۔ قازان اور روس کے ایک بزرگ عاصم بے جب دیو بند میں شروع شروع آئے اور ان میں اُردو سمجھنے کی صلاحیت نہیں پیدا ہوئی تھی۔ تو منطق اور فلسفہ کی کتابیں بطورِ مشغلہ کے عربی زبان کے توسط سے

Marfat.com

اور یہ تو ابنِ حوقل کی عینی شہادت ہے۔ اُسی کے بعد سُنی ہوئی ایک روایت

وہ مجھ سے پڑھتے رہے۔ یہ ایک روشن خیالی روسی ترک تھے۔ فوج سے بھاگ کر مکہ معظمہ چلے گئے اور مکہ معظمہ سے ہندوستان آ گئے۔ ہندوستان میں تلاش کر کے دیو بند کو اپنا ٹھکانہ انہوں نے بنا لیا تھا۔ اخبار پڑھنے کا ان کو بہت شوق تھا۔ اُردو نہیں آتی تھی۔ بہت اُلجھتے تھے آخر میں بہت جلد اردو سمجھنے لگے۔ زار کی حکومت کا جب تختہ اُلٹ رہا تھا اور بولشویک اقتدار تام کی آخری خبر جس دن اخباروں میں چھپی تو باوجود باوقار آدمی ہونے کے عاصم بے کو میں نے دیکھا کہ وہ ناچ رہے ہیں۔ شوروائی حکومت سے ان کے بڑے توقعات تھے جو غالباً غلط ثابت ہوئے اس کے بعد وہ وطن چلے گئے پھر پتہ نہ چلا کہ کہاں گئے اسی طرح ٹونک میں ایک نوجوان بہت ہی خوش رُو سبزۂ آغاز طالب علم معلوم نہیں۔ کہاں سے بھٹک کر وہاں پہنچ گئے تھے، یہ شاش کے رہنے والے تھے جسے اب تاشقند کہتے ہیں۔ باوجود حسین ہونے کے اس شخص کے چوڑے ہڈے پنجے اور مجموعی ہیئت کذائی اتنی خوفناک تھی کہ دیکھ کر ڈر معلوم ہوتا تھا۔ یہ بھی ایک زمانہ تک نظامیہ درس کی ابتدائی کتابیں قطبی، شرح تہذیب، کنز وغیرہ مجھ ہی سے پڑھتے تھے۔ فارسی ذریعۂ تفہیم تھی۔ غصہ ناک پر رکھا رہتا تھا۔ ہمیشہ اس وہم میں رہتے کہ غریب الوطن ہونے کی وجہ سے لوگ مجھ سے بے اعتنائی برتتے ہیں۔ ادنیٰ شبہ اس کا ہوا اور منہ لٹکا لیتے تھے۔ اسی لیے میں نے مزاحاً ان کا نام غضبان رکھ چھوڑا تھا اور اسی نام سے وہ مشہور ہو گئے۔ حتیٰ کہ اصل نام ان کا مجھے یاد بھی نہیں رہا۔ وہ ہفتہ میں کم از کم ایک دفعہ مجبور کرتے کہ ”گذر پلاؤ“ جو خاص طریقے سے وہ پکاتے تھے۔ وہ ان سے

Marfat.com

یہ درج کی ہے کہ :۔

پکواؤں۔ بہت جلد تیار کر لیتے تھے۔ گاجر کو کدوکش کر کے چاول میں ملا لیتے تھے۔ اور کچھ دوسرے مصالحوں کے ساتھ گوشت، یہ واقعہ ہے کہ اپنی ساری عمر میں مولوی غضبان کے گذر پلاؤ کی لذّت مجھے دنیا کے کسی کھانے میں نہیں ملی۔ میں نے ان کو ایک دن دیکھا کہ بیٹھے رو رہے ہیں۔ مولانا غضبان! کیا ہے؟ یہ چیخ مار کر بولے حضرت اُستاد آج گرمی کے موسم میں مجھے اپنا گھر بے ساختہ یاد آ رہا ہے یہی موسم ہے جس میں ہمارے یہاں عموماً دستور ہے کہ لوگ مہینے دو مہینے کے لیے اپنے اپنے باغوں میں چلے جاتے ہیں۔ عورتیں بچّے سب ساتھ باغ ہی میں رہتے ہیں۔ بہتے ہوئے چشموں سے سیراب درختوں میں خصوصاً سیب جس کی بیسیوں قسم بتاتے تھے اور طرح طرح کے پھل، دُنبہ کا گوشت، چشمے کا پانی، بس یہی اس زمانے کی غذا اور پھلوں کی نگرانی، یہ ہم لوگوں کا کام ہوتا ہے، میرے بھائی اور بہنیں، والدہ، والد سب باغ ہوں گے اور میں بدقسمت اس ریگستان، اُجڑے دیار را چونا نہ میں ہوں۔ میں ان کو قصّے سُنا سُنا کر تسلّی دیتا تھا۔ بڑے دلچسپ آدمی تھے۔ ان کا بھی حال معلوم نہ ہو سکا کہ کیا ہوئے دیوبند میں مولانا عبدالحکیم بخاری حدیث کے دورے میں میرے ساتھی تھے اللہ اللہ ان کے اخلاقِ کریمانہ، مجھ سے عمر میں بہت زیادہ تھے۔ لیکن سبق سے واپس آنے کے بعد مجھ سے کہتے کہ اُستادوں سے سُنی ہوئی تقریروں کو۔ پھر تم سمجھا دو حضرت مولانا انور شاہ صاحب نوراللہ مرقدہٗ کے درس کا نوٹ عربی میں، میں التزاماً لکھا کرتا تھا ضخیم مجلد کی شکل اس نے اختیار کر لی تھی۔ مولوی عبدالحکیم نے حرف بحرف اس کو نقل کیا تھا۔ کہا کرتے کہ بخارا پہنچ کر اسی کے ذریعے سے تیری یاد کو تازہ کرتا رہوں گا۔ باوجود

Marfat.com

"ایسے آدمی سے جن کی خبر پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔"

مسافرت اور غریب الوطنی کے ہمیشہ کچھ نہ کچھ پکا کر کھلایا کرتے۔ ایک قسم کا پلاؤ یہ بھی پکاتے تھے۔ میرے سمرقندی دوست نے مجھ سے بیان کیا تھا کہ اب وہاں کا حال کیا پوچھتے ہو۔ بہت بڑا مشغلہ شہر والوں کا یہ رہ گیا ہے کہ کسی خاص میدان میں لوگ انڈے لے لے کر اکٹھے ہوتے ہیں اور ان ہی کو لڑاتے ہیں۔ جس کا انڈا ٹوٹ جاتا ہے وہ اپنا انڈا ہار جاتا ہے سب سے زیادہ یہ ہمارے ماوراء النہر ہی کے احباب اپنے ملک کی جس بات کے شاکی تھے وہ اس ملک کی اخلاقی پستی تھی۔ علماء تک کا کردار جیسا کہ انہی لوگوں کا بیان تھا ناگفتہ بہ حد تک برباد ہو چکا تھا۔ میں ان سے پوچھتا تھا کہ سارا علم تو ہندوستان میں اس علاقے سے آیا۔ بخاری شریف بخارا میں لکھی گئی۔ شفا اور اشارات کا مصنف بھی بخاری ہے لیکن یہ کتابیں چھپتی ہندوستان میں ہیں۔ وہاں کے مسلمانوں کو کیا ہو گیا ہے قرآن تک چھپا ہوا بخارا کا نظر سے آج تک نہیں گذرا۔ نہ کوئی مصنف پیدا ہوا ہے، نہ مدرس، نہ شاعر، تو گردن جھکا لیتے اور اس کی توجیہ میں وہ ایسی باتیں بیان کرتے تھے کہ کلیجہ کانپ جاتا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ ان ممالک پر جو مصائب آئے ہیں ان میں غیروں کے ساتھ ساتھ خود ان کے مظالم کو بھی دخل ہے۔ خدا کرے کہ مصیبت کا پہاڑ جو ان پر ٹوٹا ہے وہ ان کی بیداری کی وجہ بن جائے۔ بہرحال کچھ بھی ہو تو میں کہہ سکتا ہوں کہ اسلام اور پیغمبر اسلام سے ان کا اعتقادی رشتہ مسلمانانِ ہند سے کسی طرح کم مضبوط نہیں نظر آتا۔ میں یہ ماننے کے لیے قطعاً تیار نہیں ہوں کہ ماوراء النہر کے سارے مسلمان مرتد اور دہریے ہو گئے ہیں۔ کاش! خدا کا کوئی بندہ ان ممالک کے مسلمانوں کی صحیح رپورٹ لاتا۔ بے ساختہ دماغ

Marfat.com

یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ شہر سمر قند کی فصیل کے احاطہ میں دو ہزار سے زیادہ مکان ایسے ہیں جن میں برف سے ٹھنڈا کیا ہوا پانی مفت بہم پہنچتا ہے۔ اس کے لیے اوقاف ہیں۔ اور ان ہی اوقاف کی طرف سے سقایے بنے ہوئے۔ کہیں مسّی اور کسی جگہ مٹی کے بڑے بڑے خُم اور مٹکوں میں پانی روزانہ بھروا دیا جاتا ہے اور لوگ ان سے نفع اُٹھاتے ہیں[لہ]"

میں اس وقت یہ خیالات موجزن ہوئے اور خواہ مخواہ قلم تک آ گئے۔ معلوم نہیں ان لوگوں پر کیا گزری۔

قصبہ قراتگین نواحی بخارا کے مولانا عبدالرحمٰن اور کابل کے مولانا حفیظ اللہ کی یاد شاید دن میں ایک دفعہ تو ضرور آ جاتی ہے۔ اللہم ارحم اینا کا تو ا۔ ۱۲

لہ اوقاف اور ان کے مصارف کی مختلف نوعیت کے لحاظ سے مسلمانوں کی تاریخ میں عجیب چیزیں ملتی ہیں۔ یہاں تو خیر برف کے پانی کے لیے وقف کا ذکر ہے۔ اس قسم کے اوقاف دمشق میں بھی تھے اور مراکش میں بھی۔ ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ دمشق ہی میں ایک وقف کا مصرف صرف یہ ہے کہ کسی غلام سے اگر چینی کے برتن ٹوٹ جائیں تو فوراً غلام کی طرف سے اُس برتن کا معاوضہ برتن ہی کی شکل میں مالکوں کے پاس پیش کر دیا جائے۔ لکھا ہے کہ ہر سال اس وقف میں کافی ذخیرہ چینی کے ظروف کا اس لیے محفوظ رکھا جاتا ہے۔ اسی طرح مختلف علاقوں میں غربا کی لڑکیوں کی شادی کے لیے اوقاف ہوا کرتے تھے۔ ایک صاحب نے مکہ معظمہ میں اس لیے وقف کیا تھا کہ کتوں کو شہر مکہ میں نہ داخل ہونے دیا جائے اسی کا نظم ان

Marfat.com

اور یہ تو صحیح ہے کہ جس ملک کی ہر سڑک اور ہر محلہ میں برف سے بجھے ہوئے پانی کا مفت انتظام تھا اُسی ملک کے کسی شہر کے چند ہزار گھروں کو بھی پانی مفت اگر پہنچایا جاتا ہو تو تعجّب کی کیا بات ہے۔ اور گو ابن حوقل نے ماوراالنہر کے حالات میں اس انتظام کا ذکر کیا ہے لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا ہر وہ مُلک

کے ذنف کی آمدنی سے کیا جاتا ہے۔ بعضوں نے اس لیے اوقاف کیے تھے کہ جن مسلمانوں کی عورتوں کے پاس زیور نہ ہوں۔ عاریتًا ان کو ضرورت کے وقت زیور دیئے جائیں۔ مکہ معظمہ ہی میں ایک وقف اس لیے تھا کہ تقریبات کے موقع پر فرش فروش کا انتظام کیا جائے۔ مسلمان بچوں کی ختنہ کے لیے بعضوں نے ٹیونس میں وقف کیا تھا۔ دلچسپ وقف ٹیونس ہی میں ایک یہ تھا کہ سال کے خاص موسم میں ساحلِ ٹیونس پر ایک خاص قسم کی لذیذ مچھلیاں نمایاں ہوتی تھیں۔ قیمت ان کی اتنی زیادہ ہوتی تھی کہ ہر شخص خرید کر کھا نہیں سکتا تھا۔ کسی امیر نے اسی لیے جائیداد وقف کر دی تھی کہ اس کی آمدنی سے یہ موسمی مچھلیاں غربا رکو مہیا کی جائیں۔ ایک اور لطیف وقف اس مقصد سے کیا گیا تھا کہ میاں بیوی میں کسی کے اگر جھگڑا ہو جائے اور بیوی روٹھ کر میاں کے گھر سے باہر ہو جائے تو جب تک دونوں میں میل نہ ہو۔ بیوی کے مصارف ان کے وقف سے ادا کیے جائیں ان عورتوں کے لیے ایک مکان بھی مراکش میں بنا ہوا تھا۔ جس کا نام دارالدقہ مراکش میں ایک اور بڑا وقف ان لوگوں کی خبر گیری کے لیے ہے جو مجنون اور دیوانے ہو جائیں، اور یہ کہ شہر کے غربا میں ہر سال موسمِ سرما میں کپڑے تقسیم کیے جائیں۔ ایک فرانسیسی سیاح نے مراکش ہی کے متعلق لکھا ہے کہ وہاں ایک اسلامی وقف ہے جس کے مصارف سے اتنا بڑا مکان بنایا گیا ہے جس میں اسی سیاح نے دیکھا کہ چھ ہزار اندھوں کو پناہ ملی ہوئی تھی۔

Marfat.com

جہاں با آسانی برف کا بندوبست اُس زمانے میں ہو سکتا تھا۔ عام اربابِ خیر کی طرف سے اس قسم کی سبیلیں جیسا کہ واقعات سے معلوم ہے قائم تھیں۔ ماوراء النہر کی شہادت تو آپ سُن چکے۔ امیر شکیب ارسلان نے "حاضر العالم الاسلامی" کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ :۔

وفی مدینة مراکش وقف لسقی الماء المثلوج فی ایام القیظ کما فی دمشق (ص ۲۹۲ جلد ۱)

شہر مراکش میں اس کام کے لیے ایک وقف ہے کہ برف کا بجھا ہوا پانی گرمیوں کے موسم میں لوگوں کو پلایا جائے۔ دمشق میں بھی اسی غرض سے اوقاف تھے۔

دمشق کے متعلق امیر ہی نے لکھا ہے کہ علاوہ برف کے پانی کے بعض سبیلوں میں خروب کا پانی بھی پلایا جاتا ہے[1]۔

آپ نے دیکھا اسلامی ممالک کے اس زمانے میں یہی حدود تو تھے، ایک طرف مشرق میں سمرقند و بخارا تھا۔ دوسری طرف مراکش اور بیچ میں دمشق تھا۔ دیکھ رہے ہیں کہ تینوں مقامات میں مسلمانوں کا ایک ہی مذاق ہے۔ اور راستہ میں سرائیں، مہمان خانوں

ان کے کھانے پینے لباس اور تمام ضرورتوں کا کفیل وقف تھا۔ غرض کہ کوڑھیوں، معذوروں، بیماروں وغیرہ کے لیے اوقاف کی فہرست اسلامی ممالک کی بہت طویل ہے ۱۲ (دیکھو حاضر العالم الاسلامی کا حاشیہ از شکیب ارسلان جلد ۱ ص ۲۹۲)

[1] خروب کی ایک خاص قسم جو شامی خروب کے نام سے مشہور ہے ایک قسم کا پھل ہے جس کے عرق سے وہاں شربت اور (ربّ دجام) وغیرہ بناتے ہیں ۱۲

Marfat.com

کا انتظام، ان میں مسافروں کے قیام و طعام کا نظم کون نہیں جانتا کہ علاوہ عام مسلمانوں کا ایسا کون سا ملک ہے۔ جس کی تاریخ میں حکومت کے اس نظم کا ذکر نہیں کیا گیا ہے آج وہ نظم درہم برہم ہو گیا۔ لیکن جہاں کہیں تھوڑا بہت اس کا موقعہ باقی ہے کہ آزادی کے ساتھ اپنے اسلامی احساسات کو عملی شکل مسلمان عطا کر سکتے ہیں وہاں اب بھی کچھ نہ کچھ اس کے آثار پائے جاتے ہیں۔

طرابلس میں سنوسیوں کے زاویے

۱۹۱۱ء میں جب طرابلس کی جنگ چھڑی تو غازی انور پاشا کے ساتھ اور بھی چند با حمیت مسلمان طرابلس پہنچ گئے تھے۔ ان میں ایک امیر شکیب ارسلان بھی تھے۔ بعض مشاہدات کے معائنہ کا موقع ان کو اس سلسلہ میں اس صحرائی علاقے میں تھا۔ جن میں ایک چیز سنوسیوں کے زاویے یا خانقاہ تھی۔ جن کا جال ہزاروں میل تک اس ملک میں ایک طرف سے دوسری طرف تک پھیلا ہوا تھا۔ ان زاویوں کی نوعیت کیا تھی؟ مختصراً اس کو بیان کرتے ہوئے پہلے تو ان زاویوں کی حالت بتائی ہے کہ:

"تقریباً ہر قبیلے میں ایک زاویہ ہے، زاویہ کے متعلق آس پاس کی زمینیں ہوتی ہیں۔ ان زاویوں کے قیام کے لیے اس علاقے کا بہترین حصہ منتخب کیا جاتا ہے۔ زمین اس مقام کی عموماً زرخیز ہوتی ہے۔ اس میں بڑے گہرے عمیق کنوئیں بنے ہوئے ہیں۔ جن کا

Marfat.com

پانی ختم نہیں ہو سکتا۔ جہاں جہاں یہ زاویے ہیں۔ ان سنوسی درویشوں نے اُس مقام کو باغ و بہار بنا رکھا ہے۔ میں اپنے سفر کے سلسلے میں شاید کسی زاویہ سے نہیں گذرا جس کے متعلق میں نے کسی باغ کو نہ دیکھا ہو۔ بلکہ بعض زاویوں کے اطراف میں تو متعدد باغ اور بساتین نظر آئے، ان باغوں میں ہر قسم کے فواکہ اور پھلوں کو میں نے پایا۔ اور انہیں کے ساتھ اطراف کی زمینوں میں طرح طرح کی سبزیاں ترکاریاں، لہلہا رہی تھیں۔ صحرا میں یہ نظارہ بڑا نزہت انگیز اور کیف آور تھا"

پھر لکھا ہے کہ:۔

"قاعدہ یہ ہے کہ جس قبیلہ سے زاویہ کا تعلق ہوتا ہے اُس قبیلے کے ہر مرد پر ایک دن یہ واجب ہے کہ زاویہ کے متعلقہ باغات اور زمینوں میں کام کرے۔ اس کی وجہ سے نظم بآسانی بہت ہی معمولی خرچ سے مکمل ہو جاتا ہے"

آخر میں جو بات لکھی ہے۔ اُسی کا پیش کرنا مقصود ہے۔ امیر لکھتے ہیں:۔

"یہ سنوسی زاویے اس وقت اس لق و دق صحرا میں مسافروں کی پناہ گاہوں کا کام تنہا انجام دے رہے ہیں۔ آنے جانے والے جتنے بھی ہیں ان کا ٹھکانہ یہی زاویے ہیں"

پھر خود اپنا تجربہ بیان کرتے ہیں کہ:۔

"میں جب طرابلس کے جہاد پر روانہ ہوا تو اسکندریہ سے ریل

Marfat.com

پر سوار ہو کر آخری مقام جہاں ریل کو میں نے وداعی سلام کیا۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں سے تقریباً ایک ماہ چل کر میں لڑائی کے مقام بن غازی تک پہنچا۔ پہلا زاویہ جہاں سے اس صحرائی سفر کا میرے آغاز ہوا۔ سیدی ہارون القناشی کا زاویہ تھا۔ لیکن میں نے اپنے پورے اس سفر میں یہ پایا۔ کہ منزل سے نکلنے کے بعد تین گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں گذرنے پاتا تھا کہ کوئی نہ کوئی سنوسی زاویہ میرے سامنے نہ آجاتا ہو۔ اور یہ ان زاویوں کے سوا زاویے ہیں۔ جو سلطانی راستے سے ہٹ کر اندرونِ ملک میں بطورِ جال کے پھیلے ہوئے ہیں۔ کیونکہ یہاں تو نظم ہی یہ ہے کہ ہر قبیلے اپنا ایک مستقل زاویہ رکھتا ہے اور وہی اُس کے دین و دُنیا کا مرکز وحید ہے۔ بلکہ ایک ایک قبیلہ کی جو مختلف شاخیں ہیں ان کا قبیلہ ایک بڑا قبیلہ ہے۔ اس کی مختلف شاخیں ہیں جو مختلف عائلوں کے نام سے مشہور ہیں۔ ان میں ہر عائلہ (خاندان) اپنا مستقل علیحدہ زاویہ رکھتا ہے۔ مثلاً عائلہ منصور کا زاویہ عائلہ مریم کا زاویہ، عائلہ جازیہ کا زاویہ۔"

امیر کی جس چیز کو میں پیش کرنا چاہتا تھا وہ ان کے یہ آخری الفاظ ہیں کہ :-

ان الغریب وا السائل و الفقیر المعتر لینزل بزاویة

مسافر اور راہ گیر یا فقیر محتاج ان زاویوں میں سے کسی زاویے میں اتر پڑتے ہیں۔ پھر

Marfat.com

من ھٰذا النزد ایا فیقیم ما یشاء ویتضیف ما یشاء ولا یسألہ احد عن شیٔ (ص۱۰۸)

جب تک ان کا جی چاہے اُس وقت تک اس میں قیام کرتے ہیں اور مہمان بنے رہتے ہیں۔ ان سے کوئی کچھ نہیں پوچھتا۔

اور یہی چیز مسلمانوں کے تمدن کا ایک امتیازی عنصر تھا۔ خدا ہی جانتا ہے کہ طرابلس کے صحرا میں بھی جو انی تمدن کے دباؤ نے اس سلسلہ کو باقی رہنے کا موقعہ دیا۔ یا وہاں بھی ختم ہو چکا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ دُنیا کے دُور دراز علاقوں کے درمیان آمد و رفت، تجارت اور بیوپار کا غیر منقطع سلسلہ مسلمانوں کے عہد میں جو جاری تھا۔ اُس میں بہت زیادہ دخل مسافر نوازیوں کے اس عام دستور کو بھی تھا۔ جس کے قیام میں عام مسلمانوں کے علاوہ خود اسلامی حکومتیں بھی بہت بڑا حصّہ لیتی تھیں۔ آج تو عہدِ اسلامی کا نقشہ کچھ ایسے انداز میں کھینچا جاتا ہے کہ برّی ہوں بحری، ہر قسم کے راستوں پر ڈاکو اور چور بیٹھے رہتے تھے۔ پرے کر کوئی مسافر اس زمانے میں منزلِ مقصود تک اگر اتفاقاً پہنچ جاتا تھا۔ تو گویا یہ اس کی بہت بڑی خوش قسمتی تھی۔ کرانے والے بھی یہی باور کرا رہے ہیں اور باور کرنے والوں نے بھی باور کر لیا ہے۔

برّی اور بحری راستوں کی حفاظت کا انتظام

حالانکہ علاوہ ان خانات اور سرائیوں کے جن کا سلسلہ اسلامی ممالک کے طول و عرض میں ہر طرف پھیلا ہوا تھا۔ خود اسلامی حکومتوں کی طرف سے بھی لاگیردل اور مسافروں کی حفاظت میں بھی کوشش کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا جاتا تھا۔

Marfat.com

یہی ابنِ حوقل جس کے معلومات سے میں اپنے اس مضمون میں زیادہ تر مستفید ہوا ہوں مشرق سے مغرب تک گھوما ہے۔ لیکن اشارتاً وکنایۃً کہیں بھی اس نے کوئی ایسی بات نہیں لکھی ہے جس سے معلوم ہو کہ اُس زمانے میں راستوں میں ڈاکو، چور، اُچکے مسافروں کو لوٹ لیتے ہیں۔ اپنی اس پوری کتاب میں بہ مشکل صرف ایک جگہ یعنی "صحرائے خراسان" کے راستوں کی جہاں اس نے تفصیل کی ہے لکھتا ہے کہ:۔

"یہ ایسا لق ودق غیر آباد صحراء ہے کہ ان نشانات کے سوا جو حکومت کی جانب سے تھوڑی تھوڑی دور پر قائم کر دیئے گئے ہیں کسی اور چیز سے نہ منزل کا پتہ چل سکتا ہے، نہ مقام کا جس کی وجہ یہ ہے کہ علاوہ ان مقامات اور آبادیوں کے جو کہیں کہیں راستے میں مل جاتی ہیں، اس صحرا میں نہ زیادہ بستیاں ہی ہیں، اور نہ اُن کے رہنے والے۔"

اور اسی کے بعد اس نے یہ ذکر کیا ہے کہ:۔

"دنیا کے تمام صحراؤں میں یہی ایک ایسا صحراء ہے جس میں نسبتاً چور اور بٹ مار زیادہ پائے جاتے ہیں۔"

مگر اسی کے بعد وجہ اس کی اُس نے جو لکھی ہے وہ بھی سُنیئے۔ لکھتا ہے جس کا حاصل یہ ہے:۔

"چوروں اور بٹ ماروں کی کثرت اس علاقے میں اس وجہ سے ہے کہ اس صحراء کا تعلق کسی خاص اقلیم اور علاقے سے نہیں ہے

Marfat.com

اگر یہ صورت نہ ہوتی بلکہ کسی خاص اقلیم اور علاقہ سے اس کا تعلق ہوتا تو اس وقت اس اقلیم کی حکومت اس کی ذمہ دار ہوتی ہے کہ اس قسم کے فساد سے اس کو پاک رکھے لیکن مشکل یہ ہے کہ اس صحراء کے چاروں طرف مختلف اور متعدّد حکومتوں کی سرحدیں پھیلی ہوئی ہیں۔ متعدد سلاطین کے قبضے میں صحراء کے اطراف کے یہ علاقے ہیں۔ یعنی بعض حصّہ تو اس خراسان اور قومس سے متعلق ہے اور بعض سجستان سے اور بعض کا تعلق کرمان و فارس۔ اصفہان۔ قم۔ کاشان، رے وغیرہ سے ہے "

آخری الفاظ اس کے یہ ہیں:۔

فاذا افسد القاطع فی عمل دخل فی عمل آخر[1]
(ابن حوقل ص ۲۸۸)

جب راہزن کسی ایک علاقہ میں کوئی فساد برپا کرتے ہیں تو دوسرے علاقہ میں جاکر وہ پناہ گزین ہوجاتے ہیں۔

---

[1] ابن حوقل نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس صحراء کے قریب ایک دشوار کوہستان بھی ہے جسے جبل کرکس کہتے ہیں۔ یہ جتنے مفسدین، راہزن، چور، ڈاکو ہیں ان کی پناہ گاہ اسی کوہستان کی گھاٹیاں اور چوٹیاں ہیں۔ اسی میں وہ اپنی لوٹ اور چوری کے مال کو جاکر چھپا دیتے ہیں۔ اس نے لکھا ہے کہ دیکھنے میں تو یہ کوئی بڑا پہاڑ نہیں ہے۔ لیکن صحراء کے بیچ میں دوسرے پہاڑی سلسلوں سے بالکل قریب چونکہ اس کا محل وقوع ہے اس لیے تعاقب کرنے والوں کی رسائی میں دشواری ہوتی ہے۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ ہم بھی اس پہاڑ کو تفصیل کے ساتھ

Marfat.com

اسی سے سمجھا جا سکتا ہے کہ "صحراء خراسان" کی اس خاص خصوصیت کا نتیجہ یہ تھا کہ پوری قوت کے ساتھ فساد کا ازالہ نہیں ہو رہا تھا۔ مگر باوجود اس کے خود ابن حوقل جیسا کہ اسی کا بیان ہے۔ دو دفعہ اس صحراء سے گذرا ہے۔ لطف یہ ہے کہ ایک دفعہ تو اس نے لکھا ہے کہ اونٹوں کے قافلوں کے ساتھ میں گذرا ہوں اور دوسری دفعہ کے متعلق اس کا لفظ ہے کہ "مع المفردہ" گذرنے کی نوبت آئی۔ مفردہ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ پیدل مسافروں کی چھوٹی ٹولی کے ساتھ گذرا ہوگا۔ لیکن دونوں دفعہ اس کے ساتھ یا اس کے رفقاء کے ساتھ کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔

اب میں کیا کہوں کہ یہ مباحث میرے اس وقت کے موضوع سے خارج ہیں اس لیے ان کی تفصیل کا موقعہ نہیں ہے۔ ورنہ مسلمانوں کے زمانہ میں راستوں کی

نزدیک سکے۔ بالکل اس کے دامن سے گذر گئے۔ غالباً اس پر بھی خوف طاری ہوگا۔ اس نے لکھا ہے کہ اسی وجہ سے میں اس کے تفصیلات نہیں بیان کر سکتا۔ ص ۲۸۸۔ مقدسی نے بھی اپنی کتاب میں اس مفازہ کے چوروں اور راہزنوں کا ذکر کیا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ کان البلوص اشر منہم (یعنی ان ڈاکوؤں اور چوروں میں سب سے زیادہ بلوچ تھے) لکھا ہے کہ سانپ کے سر کو پتھر سے جیسے لوگ کچلتے ہیں یہی سلوک یہ لوگ ان مسافروں کے ساتھ کرتے تھے۔ جو ان کے ہاتھ آجاتے تھے۔ مقدسی نے اپنے زمانہ کا حال لکھا ہے کہ دیلمی بادشاہ عضد الدولہ نے ان راہزنوں کا قلع قمع کر دیا۔ یہ بھی لکھا ہے کہ بطور یرغمال کے ہر سال ایک خاص تعداد ان لوگوں کی فارس کی حکومت کے پاس رہتی ہے۔ ہر قافلہ کے ساتھ

Marfat.com

حفاظت اور صفائی مسافروں کے آرام کے متعلق جو انتظامات کیے جاتے تھے بھی ایک طویل داستان ہے۔ بنی امیّہ کی حکومت کا ابتدائی زمانہ ہے حکومت کو اطلاع ملتی ہے کہ انطاکیہ اور لصیصہ کے درمیانی علاقے میں شیروں کی کثرت ہوگئی ہے۔ سُننے کے ساتھ ولید بن عبدالملک نے جو اس وقت بادشاہ تھا۔ حکم دیا کہ شیروں کو شکار کر کے ختم کر دیا جائے۔ لکھا ہے کہ شیروں کو پھنسانے کے لیے جو بھینسے اور بھینس گڑھوں میں باندھی گئی تھیں۔ ان کی تعداد چار ہزار تھی۔ الہمدانی کے الفاظ یہ ہیں کہ:۔

فوجه اربعة آلاف جاموس وجاموسة فنفع الله عزوجل	چار ہزار بھینسے اور بھینسیں اس طرف بھیجی گئیں۔ پس اللہ تعالےٰ نے نفع پہنچایا
(الہمدانی ص۱۱۳)	(یعنی شیر اس علاقے کے ختم ہو گئے۔)

اسی ابن حوقل نے دریائے دجلہ کے انتہائی دہانہ کا جب وہ شط العرب میں گرتا ہے نہر ابلّہ کے پاس لکھا ہے کہ وہاں پر "خور عظیم الخطر" ہے یعنی مختلف سمت سے سمٹ کر پانی کے جمع ہونے اور رواں ہونے کی وجہ سے "گرداب عظیم" کی کیفیت پیدا ہوگئی تھی۔ اس کا بیان ہے کہ:۔

ماء جسیم دائم الضرر وکانت اکثر السفن تسلم من سائر الاماکن فی	یہاں پر پانی بھی بہت گہرا ہے۔ جس سے ہمیشہ نقصان پہنچتا تھا۔ اکثر جہاز سمندر کے تمام مقامات سے صحیح وسالم بچ کر

شاہی بدرقہ بھی اس راستہ میں ہوتا ہے۔ (۱۲ صفحہ ۲۹)

Marfat.com

البحر حتی نزده فیبتطعها وتغرت فیه بعد از تدار علی وجه الماء ایامًا وکان یعرف بجور الابلة

(ابن حوقل صنہ)

نکل آتے تھے۔ لیکن جوں ہی اس گرداب میں آکر پھنس جاتے تھے توان کو وہ نگل جاتا تھا اور جہاز ڈوب جاتے تھے (ہوتا یہ تھا کہ گرداب میں) پانی کی سطح پر پھنسنے کے بعد جہاز کئی دن تک گھومتا رہتا تھا (آخر میں ڈوب جاتا تھا)

آپ سمجھ سکتے ہیں کہ دریا کا یہ مقام کتنا گہرا ہو گا۔ جس میں سمندروں سے بچ کر نکل آنے والے جہاز ڈوب جاتے تھے۔ لیکن ایک مسلمان خاتون زبیدہ، ہارون رشید کی بیوی کی نسبت لکھا ہے کہ:۔

"زبیدہ نے اس گرداب کو پہلے کشتیوں کے ذریعہ سے قابو میں لانے کا حکم دیا اور آخر میں مسلسل پتھر کی چٹانوں کو ڈال ڈال کر اس کو بھروادیا۔ اور اب بحری سفر کے مسافر اس گرداب کی آفت سے محفوظ ہو گئے۔"

(ابن حوقل صنہ ۱۶)

المقدسی بحرِ ہند اور بحر عرب کے اہم مقامات اور ان سمندروں کے سفر کا حال بیان کرتے ہوئے اس کی بھی شہادت ادا کرتا ہے کہ:۔

ولابد فی کل مرکب من مقاتلہ ونفاطین

یعنی ہر ہر جہاز میں جنگی سپاہیوں کا اور ان لوگوں کے ایک گروہ کا ہونا ضروری ہے جو لفظ (پٹرول)، کے ذریعہ دشمن

Marfat.com

آگ پھینکتے ہیں۔ (صـ۱۲)

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بحری قزاقوں اور ڈاکوؤں سے بھی حفاظت کا سامان حکومت کی جانب سے لازمی طور پر ہر جہاز میں کیا جاتا تھا۔ ان ہی سیاحوں نے مختلف شہروں کے ذکر میں اس کا تذکرہ بھی کیا ہے کہ عموماً ان کے بازار کی سڑکیں پختہ، اینٹوں سے بنی ہوئی ہیں۔ گرم سیر ممالک میں بازاروں کو مسقف کرنے کا بھی رواج عام تھا۔

(ابن حوقل صـ۲۴۹)

بہر حال بری اور بحری اور آبادی کے اندر کے راستوں کے متعلقہ خدمات کے جو چند معمولی نمونے بطور مثال کے میں نے پیش کر دیئے ہیں، ان سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اپنے عہد میں رعایا کے آرام و آسائش کا اسلامی حکومتوں کو کتنا خیال تھا۔ قیاس کرنے کے لیے اتنا اجمال کافی ہے۔ ورنہ جیسا کہ میں نے عرض کیا یہ تو ایک بڑی داستان کا موضوع بن سکتا ہے۔ اس سلسلے میں جی چاہتا ہے کہ اس چیز کا بھی یہاں ذکر کر دیا جائے جس کا ذکر عموماً جغرافیہ کی کتابوں کے ان مصنفین نے کیا ہے۔

سرحدوں کی فوجی چھاؤنیاں

رباط کا لفظ جسے بعد کے لوگوں نے سرائے اور مسافر خانوں کے معنے میں استعمال کرنا شروع کیا اور اس وقت بھی مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کی عام سرائیں جن میں ہر سال حجاج جا کر اترتے ہیں رباط ہی کے نام سے مشہور ہیں۔ لیکن درحقیقۃ

Marfat.com

اسلامی عہد کا یہ ایک جہادی عنصر تھا۔ یعنے فتح کرتے ہوئے مسلمان زمین کے جس حصّے تک پہنچ کر رُک جاتے تھے تو ٹھیک اپنے مفتوحات کی آخری سرحد پر جسے ثغور کہتے تھے۔ سرحدی چھاؤنیاں دشمن کے علاقے کو رُخ پر رکھتے ہوئے مدافعت کے لیے بناتے تھے اور ان ہی سرحدی چھاؤنیوں کا نام رباط تھا۔ علاوہ ان لوگوں کے جو باضابطہ فوج میں بھرتی ہوتے تھے عام مسلمانوں کا مدّت تک یہ ایک دلچسپ مشغلہ تھا کہ دنیاوی کاروبار میں کچھ دن صرف کرنے کے بعد رضاکارانہ طور پر وہ ان ہی رباطوں میں کسی رباط پر جہاد کی فضیلت حاصل کرنے کے لیے چلے جاتے تھے۔ چونکہ ان سرحدی چوکیوں پر دشمنوں سے چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ عموماً جاری ہی رہتا ہے۔ اس لیے جہادی ولولوں کی تکمیل کا موقعہ لوگوں کو ملا کرتا تھا۔ بسا اوقات درجۂ شہادت پر لوگ اسی ذریعہ سے فائز ہوتے تھے جو موت جیسے دشوار شئے کے حل کا مسلمانوں کو ایک نہایت ہی آسان نسخہ مل گیا تھا۔ بڑے بڑے جلیل القدر ائمہ مثلاً عبداللہ بن مبارک۔ حضرت ابراہیم بن ادہم اور بھی دوسرے بزرگوں کے حالات میں پڑھتے ہیں کہ سال کا کچھ حصّہ ان سرحدی چوکیوں میں سے کسی چوکی پر یا اگر لڑائی کہیں ہوتی تو اس میں شریک ہو کر فریضۂ جہاد کو ادا کرتے تھے۔ ابن مبارک کا توکلّی قاعدہ تھا کہ چار مہینے تجارت۔ چار مہینے درس۔ اور چار مہینے جہاد۔ بس پورا سال ان ہی تین حصّوں پر منقسم تھا۔ جس میں کبھی تخلف واقع نہیں ہوا۔

بہرحال ان رباطوں کا حال کیا تھا؟ ابن حوقل کی زبانی سُنیے، منجملہ اور رباطی مقامات کے شام کی اس سرحدی سمت میں جو رومیوں کے ملک سے ملتی تھی۔ ایک مشہور

سرحدی چھاؤنی طرطوس نامی بھی تھی۔ ابنِ حوقل نے اسی کے تذکرہ میں یہ لکھتے ہوئے کہ:۔

"اس میں سوار اور پیادے کی ایک کافی تعداد ہمیشہ مقیم رہتی ہے۔ اور اسلحہ کا ایک بہت بڑا ذخیرہ اس میں مہیّا رکھا جاتا ہے"۔

اس نے بیان کیا ہے کہ:۔

"معتبر لوگوں سے مجھے معلوم ہوا کہ اس رباط میں ایک لاکھ تو صرف سوار فوج رہتی تھی اور یہ زیادہ دن کی بات نہیں ہے خود میں نے بھی اس رباط کو اسی حال میں دیکھا ہے"۔

پھر آخر میں اس نے لکھا ہے کہ:۔

"واقعہ یہ ہے کہ سجستان و کرمان۔ فارس۔ خوزستان۔ جبال طبرستان۔ الجزیرۂ آذربائیجان۔ عراق۔ حجاز۔ یمن۔ شامات۔ اور مصر و عرب وغیرہ ان سارے ممالک کے سرحدی مقامات میں بڑے بڑے مکان اور عمارتیں بنی ہوئی ہیں۔ جن میں اس علاقے کے مجاہدین فروکش ہوتے ہیں۔ اور مرابطہ (اسلامی حدود کی حفاظت) کے فرض کو انجام دیتے ہیں"۔

اس کا بیان ہے کہ:۔

"ان سرحدی چوکیوں میں رہنے والے مجاہدین کے ساتھ لوگ بڑی فیاضی کا سلوک اور دل کھول کر داد و دہش کرتے ہیں۔ حکومتوں کی طرف سے بھی اور عام اربابِ ثروت و دولت کی طرف سے بھی،

Marfat.com

بڑی بڑی بلیش قرار رقمیں اور مختلف قسم کی چیزیں مسلسل آتی رہتی تھیں۔ مسلمان ان میں رہ کر رضا کارانہ طور پر اس اسلامی فرض کو پورا کرتے تھے۔ میں نے جن جن علاقوں کا ذکر کیا ہے ان میں کوئی قابلِ ذکر رئیس یا بڑا آدمی ایسا نہیں پایا جاتا ہے جس کی طرف سے ان رباطی مقامات پر بڑے بڑے زرخیز دیہات اور شہروں کی دکانیں وقف نہ ہوں۔"

(ابنِ حوقل ص ۱۴۳)

دوسری جگہ اسی ابنِ حوقل نے مغربِ اقصیٰ کے آخری حدود کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

"وادیٔ فاس کے آگے برغواطہ نامی شہر ہے۔ یہاں سے ڈاک کی چوکی سے ایک منزل کے قریب فاصلہ پر سلا کی وادی ہے۔ اور یہی وہ وادی ہے جہاں پر مسلمانوں کے علاقہ کی آخری حد ہے۔"

اس کے بعد آخری حد کی رباط یا سرحدی چوکی کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے:۔

"اس علاقہ کا یہی مقام یہاں کی رباط ہے۔ جس میں مسلمان مرابطہ (اسلامی حدود کی حفاظت) کا فرض اسی میں مقیم ہو کر انجام دیتے ہیں اسی وادی کے ساحل پر سلا کا پرانا شہر تھا۔ جو ان دنوں صرف کھنڈر بن کر رہ گیا ہے۔ اسی کھنڈر کے چاروں طرف مسلمانوں کی چھاؤنیاں ہیں۔"

آخر میں بیان کرتا ہے کہ:۔

Marfat.com

"بسا اوقات اس سرحدی چوکی میں ایک ایک لاکھ آدمی بھی اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ کبھی بڑھ بھی جاتے ہیں۔ اور کبھی گھٹ بھی جاتے ہیں۔" (ابن حوقل ص ۵۶)

اور یہی حال اس نے مسلمانوں کے آخری مشرقی حدود کا۔ اس زمانے کا بیان کیا ہے۔ لکھتا ہے:۔

"ماوراء النہر کے تمام سرحدی علاقے جو دار الحرب سے ملے ہوئے ہیں اور خوارزم سے شروع ہو کر اسبیجاب تک ان کا جو سلسلہ چلا گیا ہے۔ یہ تو غزی ترکوں (جو اس زمانہ تک مشرف باسلام نہ ہوئے تھے) کے مقابلہ کی سرحدی چوکی ہے اور اسبیجاب سے فرخانہ تک خزلجی کافر قبائل کے مقابلہ کے تغور ہیں۔"

آخر میں لکھتا ہے کہ:۔

"مسلمان ہمیشہ ان غیر مسلم اقوام کو روکے اور دبائے رکھتے ہیں جو اس علاقے میں دور دور تک پھیلے ہوتے ہیں۔ بلکہ مشہور تو یہ ہے کہ اسلام کے مقابلے میں کوئی دار الحرب (یعنی کافروں کا علاقہ) ترک کے اس علاقہ سے زیادہ سخت نہیں ہے۔ پس یہی مسلمان ان ترکوں کے مقابلہ میں سرحد کی حفاظت کا کام کرتے ہیں، اور دار السلام کی طرف چڑھ دوڑنے سے ان کو روکے رہتے ہیں۔ یہ حقیقی ماوراء النہر کی سرحدی چوکیاں ہیں۔ ہمیشہ غزا اور جہاد ہی میں مصروف رہتی ہیں۔ دشمن کے مقابلہ میں جنگ کا جب اعلان ہوتا ہے

Marfat.com

تو یہ بات عام طور پر سمجھی جاتی ہے اور شہرت رکھتی ہے کہ نصر بن احمد کے زمانے میں جو اندازہ کیا گیا تھا اس سے معلوم ہوا تین لاکھ جنگجو افراد یہاں سے اکٹھے کیے جا سکتے ہیں۔"

(ابن خرقل صہ ۳۴)

بہرحال ان چند بیانات سے مسلمانوں کی مرابطت اور رباط کے نظم کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ حکومت کی جانب سے ان علاقوں میں مکانات کا ایک طویل سلسلہ بطور بیرکیں کے بنا ہوا رہتا تھا۔ ان عمارتوں کی نوعیت کیا ہوتی تھی؟ اس کا پتہ الہمدانی کے اُس بیان سے چل سکتا ہے جو اس نے ہارونیہ نامی سرحدی چوکی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

"ہارونیہ شام کا ایک شہر ہے۔ دراصل یہ فوجی چھاؤنی ہے یہاں پر عرافہ کے لیے دو دو کمرے اس طور پر بنے ہوئے ہیں کہ ہر کمرہ میں دو دو منزلیں ہوتی ہیں۔ ایک بالائی اور ایک نشیبی۔"

پھر عرافہ کی تشریح اس نے خود یہ کی ہے کہ:۔

"دس سے پندرہ آدمیوں کی ٹولی عرافہ کہلاتی ہے۔"

(الہمدانی صہ ۱۶۴)

جس سے معلوم ہوا کہ دس سے لے کر پندرہ سپاہیوں کی کمپنی کے لیے اس قسم کی دو منزلہ بیرکیں ان چھاؤنیوں میں عموماً بنی ہوئی تھیں۔ گویا ایک عرافہ کے قبضہ میں نیچے اور اوپر کی منزلوں کو ملا کر چار چار کمرے ہوا کرتے تھے۔

Marfat.com

رہا ان چھاؤنیوں کا محل وقوع۔ سو اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے جو ابن حوقل نے شام ہی کی مشہور سرحدی چوکی مصیصہ کے متعلق لکھا ہے، یہ بھی رومیوں کی مدافعت کے لیے بنائی گئی تھی۔ کسی زمانہ میں اسے بڑی اہمیت حاصل تھی۔ بڑے بڑے محدثین اور علماء اس چھاؤنی کے رہنے والے سپاہیوں کی تربیت و تعلیم کے لیے یہاں رہتے تھے۔ جن کا اسلامی تاریخوں میں بکثرت ذکر آتا ہے۔ بہر حال ابن حوقل اسی مصیصہ کے متعلق لکھتا ہے کہ :۔

"مصیصہ دراصل دو شہروں کا مجموعہ ہے ایک کا نام تو دراصل مصیصہ ہی ہے۔ اور دوسرے کو کفر بیّا کہتے ہیں۔ جیحان دریا (یہ شام کا دریا ہے۔ ماوراء النہر والے جیحون سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے) کے دونوں کناروں پر یہ دونوں چھاؤنیاں آباد ہیں۔ دونوں کو ایک سنگین پل کے ذریعہ سے متصل کر دیا گیا ہے۔ دونوں کی دونوں بڑی مستحکم اور مضبوط ہیں۔ محل وقوع ان کا ایک بلند قطعۂ اراضی ہے۔ جامع مسجد میں بیٹھ کر آدمی جب سامنے سمندر کی طرف دیکھتا ہے تو قریب قریب بارہ میل تک نظر سمندر کی سطح پر پھیل جاتی ہے۔ گویا ایک خنک بخش تر و تازہ نظارہ اس کے سامنے جلوہ پرداز ہوتا ہے[1]" (ابن حوقل صد ۱۲۲)

---

[1] ابن حوقل کے اس بیان کو پڑھ کر بے ساختہ سلطان عالمگیر اورنگ زیب کے پوتے شاہ زادہ عظیم الشان کا بسایا ہوا شہر مرحوم "عظیم آباد" یاد آگیا۔ جو خود تو اپنی ویرانی کی داستان

Marfat.com

مسلمانوں کا علمی شغف اور امراء کی فیاضیاں

مسجد کے ذکر کے سلسلے میں ابن حوقل کی بعض جگہ ان باتوں کا خیال آتا ہے

اپنے کھنڈروں کی زبانی کہہ رہا ہے۔ لیکن بجانب مغرب کچھ دور ہٹ کر انگریزوں کے عہد کی آبادی بنام نانکی پور اور اس سے بھی آگے خود انگریزوں کی سول آبادیاں بونام "نیو پٹنہ" آباد ہو گئی ہے۔ اس مرحوم "عظیم آباد" کی وہ جامع مسجد جو خود تو دست و برد زمانہ سے ایک حد تک اب تک کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔ لیکن چاروں طرف اس کے صرف ٹوٹی پھوٹی عمارتوں کے آثار دور دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔ مسجد کافی وسیع اور خوبصورت بنی ہوئی ہے۔ محلِ وقوع اس مسجد کا بھی ٹھیک منصورہ کی جامع مسجد کے مشابہ ہے۔ بالکل لبِ گنگا ایک بلند ٹیلے پر تعمیر کی گئی تھی۔ گنگا کا پاٹ وہاں پر دو ڈھائی میل سے کم عریض نہ ہو گا۔ مسجد کی دیواروں سے گویا یوں سمجھئے کہ گنگا کے شفاف۔ رواں پانی کی موجیں ٹکراتی رہتی ہیں۔ مسجد میں کھڑے ہوکر جہاں تک نظر جائے تک پانی ہی پانی کا وہ نظارہ کتنا جاں بخش اور روح پرور ہو سکتا ہے۔ لیکن جب کبھی اس مسجد میں جانے کا اتفاق ہوا۔ خصوصاً تنہائی میں تو بجائے سرور کے آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب ہی جاری ہوا۔ تخیل اپنے سامنے اضطراراً اس عہد کو لا کر کھڑا کر دیتا تھا۔ مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی ہے اور اطراف کے حجرے جن کے متعلق علم ہوا کہ طلبار کے حجرے تھے طلبا ان میں آباد ہیں۔ مدرسین جس وقت اس مسجد کے صحن اور برآمدے میں بیٹھ کر سامنے گنگا کی موجوں کے رقص کا تماشا کرتے ہوئے مشغول درس ہوں گے تو وہ کیا دن ہوں گے پٹنہ کے گورنر کی سواری جمعہ کے دن جب اسی مسجد میں آتی ہو گی کیا شان اور کیا شکوہ ہو گا۔

Marfat.com

جو اس زمانہ میں مسلمانوں کی مسجدوں کی خصوصیت تھی۔ اس نے ہرات کی جامع مسجد کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ بیان کر کے کہ:۔

"یہاں کی جامع مسجد بیچ شہر میں واقع ہے۔ جس کے چاروں طرف بازار ہے، اور قید خانے کی عمارت جامع مسجد کے قبلہ کی دیوار کی پُشت پر ہے۔"

اس مسجد کے متعلق لکھا ہے کہ:۔

"میں نے ماوراء النہر اور جہاں کے ان تمام علاقوں میں اس جامع مسجد سے زیادہ آباد کسی جگہ کی جامع مسجد نہیں دیکھی۔ شب و روز لوگوں کی آمد و رفت کا سلسلہ اس میں جاری رہتا ہے اور یہی حال میں نے بلخ کی جامع مسجد کا بھی دیکھا ہے اور قریب قریب یہی کیفیت سجستان کی جامع مسجد کی بھی ہے۔"

تخیل اس تماشے کو سامنے لاتا تھا اور آنکھیں یہ دیکھ رہی تھیں کہ پوری مسجد یہاں سے وہاں تک خالی ہے۔ نمازوں کے اوقات میں بھی، بجز چند ٹوٹے پھوٹے گرے پڑے غریب مسلمان یا تر توت بوڑھوں کے کوئی جھانکنے کے لیے بھی نہیں آتا۔ علماء کہاں گئے؟ طلباء کیا ہوئے؟ مغل کی حکومت کے گورنر کہاں ہیں؟ شاہی سطوت و صولت کدھر گئی؟ کلیجہ اگر پھٹ نہ جائے تو آپ ہی بتائیے کہ اور کیا ہو۔ ہند کا چپّہ چپّہ ان جگر خراش نظاروں سے معمور ہے۔ اب ہمارے لیے اس ملک میں صرف یہی باقی رہ گیا۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان الارض للہ یورث من یشاء ولا ینال عہد الظالمین ۱۲

Marfat.com

لیکن یہ آبادی اور گہما گہمی جس کا نظارہ ان مساجد میں ابنِ حوقل نے کیا۔ کن لوگوں سے تھی؟ اسی کا بیان ہے کہ:۔

"وجہ اس کی یہ ہے کہ ان مسجدوں میں ایک بڑا گروہ علماء اور فقہاء کا مقیم ہے۔ اور جیسے شام یا مسلمان ملکوں کی سرحدی چوکیوں کی مسجدوں کا حال ہے وہی حال ان کا بھی ہے۔ یعنے ان علماء سے استفادہ کرنے والوں کی حالت یہ ہے کہ کھوے سے کھوا چھلتا ہے"۔

(ص ۳۲۵)

اور یہ بھی اس زمانہ کا حال تھا کہ مسلمانوں کی یہی مسجدیں دراصل مدرسہ کا کام دیتی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس زمانہ میں ابن حوقل ان علاقوں میں آیا ہے اس وقت تعلیمی اور تدریسی حیثیت سے مشرق میں ہرات اور بلخ کو بہت اہمیت حاصل ہو گئی تھی۔ جیسے مغربی اور اسلامی ممالک کے وسطانی علاقوں کی مسجدیں بڑی بڑی تعلیم گاہوں کی شکل اختیار کیے ہوئے تھیں۔

بلخ کے تذکرے میں بھی اس نے پھر اسی بیان کو دہراتے ہوئے لکھا ہے۔

"بلخ بھی مسلمانوں کا ایک بہت بڑا شہر ہے۔ مرد اور ہرات کی طرح اس کی آبادی بھی گھنی ہے۔ ایک کشادہ اور مسطح میدان۔ اس شہر کا محل وقوع ہے کوئی پہاڑ بھی اس کے قریب نہیں ہے۔ قریب ترین پہاڑ کا فاصلہ قریب قریب بارہ میل سے کم نہیں ہے۔ جامع مسجد اس کی بھی ٹھیک بیچ شہر میں واقع ہے اور بازار کی دکانیں چاروں طرف پھیلی ہوئی ہیں۔ یعنے جامع مسجد کے اطراف کو ان دکانوں

Marfat.com

نے گھیر رکھا ہے اور صبح وشام، ہر وقت، ہر گھڑی، لوگوں کی آمدو رفت کا تانتا اس مسجد میں بندھا رہتا ہے۔ اسی کی ایک نہر ہے جس کا نام وہ آس ہے۔ یعنے دس پن چکیوں والی نہر۔ یہ نہر نوبہار[1] کے قریب سے گذرتی ہے اور سیاہ جرو نامی قصبہ تک دوسرے قصبوں کو سیراب کرتی چلی جاتی ہے، بلخ کے تمام دروازوں کے باہر جہاں تک دیکھو، بساتین، باغات اور پاکستان ہی تاکستان نظر آئیں گے، اس شہر کی شہر پناہ بھی مٹی کی ہے۔"

---

[1] جامع مسجد کے قریب نوبہار کا ذکر اس شہر کے لوگوں کے خصوصی علمی ذوق میں ممکن ہے کہ اس نوبہار کو بھی دخل ہو۔ دراصل یہ وہی لفظ ہے جس کا اصلی لفظ وبہار ہے۔ بودھ متی کے مدارس کیلئے یا خانقاہوں کا ہندی نام تھا۔ واد نے کثرتِ تلفظ سے ب کی شکل اختیار کر لی، جیسے بید وید کو، ودّیا لوگ عموماً کہتے ہیں۔ ہندوستان خصوصاً بہار میں بودھ والوں کے ان بہاروں یا دہاروں کی تو اتنی کثرت تھی کہ آخر ایک پورا صوبہ ہی بہار کے نام سے موسوم ہو گیا. خود بخارا لفظ بھی وہارا ہی کے لفظ کی ایک شکل ہے سرحد میں اب بھی ح کا لفظ لوگ خ سے کرتے ہیں۔ یہ سارا علاقہ جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں۔ بودھ متی کا پابند تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بلخ کا دہارا سب سے آخری اور نیا دہارا تھا۔ اس لیے نوبہار کے نام سے موسوم ہے، اس نوبہار کے تفصیلی حالات ہماری کتابوں میں لکھے ہیں۔ یہاں مہاتما بدھ کی بہت بڑی بڑی عملیقی قد کی دو مورتیاں ہیں جن میں ایک کا سُرخ اور ایک کا سیاہ رنگ ہے۔ ہندوستانی علوم کا رشتہ عربی زبان سے جوملا۔ اس میں سچ تو بلخ کے اسی نوبہار کا ہاتھ شریک

Marfat.com

آخر میں لکھا ہے کہ:۔

"اس شہر کے باشندوں پر عموماً علم و ادب کا ذوق غالب ہے غور و فکر اور دقیق علوم کے مسائل سے انہیں بڑی دلچسپی ہے۔ یہاں سے بڑے علماء اُٹھے ہیں"

(ابن حوقل ص ۳۳۶)

اور یہ واقعہ ہے، خصوصاً ابتداءً اسلام کے بعض جلیل القدر اکابر صوفیا بلخ ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً حضرت ابراہیم بن ادہم اور شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہم۔ بہرحال میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ مسلمانوں نے چونکہ مسجدوں خصوصاً ہر شہر کی جامع مسجد ہی کو مدرسہ بنا رکھا تھا، یہی وجہ ہے اس بات کی کہ تعلیم کی اس عام اشاعت کے باوجود ابن حوقل وغیرہ جیسے محتاط مؤرخین کی شہادتوں سے معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم۔

ہے اسی نو بہار کا افسر اعلیٰ جسے برمک کہتے تھے یعنی بڑا مونک جو بودھ مذہب کے علماء و فقراء کا خطاب ہے۔ اس کا بڑا مونک برمک کے نام سے موسوم تھا۔ الہمدانی نے اس کا طویل قصہ لکھا ہے کہ اس نے کشمیر میں طب اور نجوم فلسفہ وغیرہ ہندوستانی علوم کی تعلیم حاصل کی تھی۔ یعنی مسلمان ہو کر عباسی دربار میں داخل ہوا اور بتدریج اس کے خاندان والوں نے وہ عظمت و جلالت حاصل کی جس کے ذکر سے اسلامی تاریخ کی کتابیں معمور ہیں۔ میرا خیال ہے کہ کشمیر میں تعلیم پانے ہی کا اثر تھا کہ جب بغداد میں بیت الحکمت قائم ہوا تو یونانی علوم کے ساتھ ہندی علوم و فنون کے ترجمہ کی سفارش برامکہ والوں نے کی۔ نیز ان کے قدیم مذہب کا بھی تعلق ہندوستان ہی سے تھا۔ ۱۲ (الہمدانی ص ۳۲۴)

Marfat.com

والعہدۃ علی الراوی۔ یعنی خوزستان کے شہروں سے جب وہ گذر رہا تھا۔ (تستر جندساپور۔ اہواز وغیرہ جس علاقہ میں واقع ہیں) وہ لکھتا ہے۔ میں بجنسہ اس کے الفاظ ہی ترجمہ کے ساتھ نقل کر دیتا ہوں۔

ولقد رأیت حمالاً عبر	میں نے ایک حمال (قلی) کو گذرتے ہوئے
وعلی رأسه وقر ثقیل	دیکھا کہ اس کے سر پر یا پیٹھ پر بھاری بوجھ
او علی ظهره وهو یسائر	لدا ہوا تھا اور ایک دوسرا حمال بھی اسی کے ساتھ
حمالاً آخر علی حاله و	ساتھ جا رہا تھا۔ اور دونوں التاویل (یعنی
یتنازعان فی التاویل	قرآنی آیات کی تفسیر) اور علم کلام کے حقائق
وحقائق الکلام غیر	ومسائل پر جھگڑتے جا رہے تھے، ایسا معلوم
مکترثین بما	ہو رہا تھا کہ ان دونوں پر جو بوجھ لدے ہوئے
علیهما فی جنب ما	تھے اپنے خیالات کے مقابلہ میں ان کی
خطر لهما	کوئی پرواہ ان کو نہیں ہے۔

یہ صحیح ہے کہ یورپ اور امریکہ میں بھی آج تعلیم عام ہے لیکن عام تعلیم کا معیار ان ممالک میں کیا اس سے زیادہ ہے کہ مادری زبان کے حروف کی لکیروں سے وہ آشنا ہو جاتے ہیں۔ لیکن اتنی دماغی تربیت قلیوں تک کی تفسیر اور کلام کے مسائل ومباحث پر وہ اتنے انہماک سے گفتگو کرنے میں مشغول ہوں کہ سر کے بوجھ کی خبر بھی انہیں باقی نہ رہتی ہو۔ میں نہیں جانتا کہ مغرب کی عام حالت آج بھی ان نتائج کو پیش کر سکتی ہے؟

واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنے عہدِ عروج واقبال میں علم کی قدر ومنزلت

Marfat.com

یں جو خدمات انجام دی ہیں، اس وقت تک دنیا کی قومیں اُن کی نظیر بمشکل ہی سے پیش کر سکتی ہیں۔ حکومت اور سلطنت کے سوا عام مسلمانوں میں علم و فضل کا جو احترام تھا۔ اگر ان واقعات کو کوئی جمع کرنا چاہے تو ایک کتاب بن سکتی ہے۔ جاحظ جو تیسری صدی ہجری کا ایک منشی اور ادیب ہے خود اُس کا بیان ہے کہ:۔

"میں نے کتاب "الحیوان" لکھ کر عبدالمالک الزیات کی خدمت میں ہدیہ کی تو اُس کے صلہ میں پانچ ہزار اشرفیاں اُس نے مجھے بھیجیں پھر میں نے اپنی کتاب "البیان والتبیین" احمد بن ابی داؤد کے دربار میں پیش کی۔ اس نے بھی اُسی وقت پانچ ہزار اشرفی سے میری ہمت افزائی کی۔ پھر کتاب "الزرع والنخل" لکھ کر میں نے ابراہیم بن عباس الصولی کے پاس بھیجی۔ جواب میں نے اس نے بھی پانچ ہزار اشرفیاں روانہ کیں"

(الجاحظ ص ۳۴)

اور سچ تو یہ ہے کہ علم والوں کو جس قوم نے سونے اور چاندی سے تول تول کر رکھ دیا ہو۔ ادبار کی ہمت افزائیوں کے سلسلہ میں یہ واقعہ کر کے دکھا دیا ہو کہ ان کے منہ موتیوں سے بھر دیئے گئے۔ تیمور جیسا آتشیں مزاج آدمی جس نے محض خلافِ شان ایک فقرے سے ترکی بادشاہ یلدرم کے ملک پر حملہ کر دیا تھا اور یلدرم کو قفسِ آہنی میں بند کرنے کا جو عہد کیا تھا اسے پورا کر کے رہا ہو۔ اس کا سارا غصہ علم کے مقابلہ میں اس طرح ٹھنڈا ہو کر رہ جاتا ہے کہ گویا اس کے مزاج میں کبھی غصہ تھا ہی نہیں۔ کیا دنیا کی کسی گذشتہ یا موجودہ قوموں

Marfat.com

میں علمی عظمتوں کی ان مثالوں کو تلاش کر سکتے ہیں اور تلاش بھی کریں تو اپنی اس کوشش میں آپ کامیاب ہو سکتے ہیں؟ اس مسئلہ پر اُردو زبان میں لکھنے والوں نے کافی مواد جمع کر دیا ہے۔ مسلمانوں کے زمانے میں علماء اور طلباء کے ساتھ نہ صرف حکومت بلکہ عام پبلک کا جو سلوک تھا۔ میں نہیں جانتا کہ آسمان نے اس کے تماشے کبھی کہیں اور بھی دیکھے ہوں گے۔ یورپ جسے اپنی تعلیمی قدر شناسیوں پر آج بہت ناز ہے لیکن زیادہ دن کی بات نہیں ہے۔ انیسویں صدی عیسوی کے آخری سالوں کا واقعہ ہے بلکہ صاحب واقعہ تو بیسویں صدی تک زندہ رہا۔ میری مراد ویمبری سے ہے جس نے رشید آفندی کے نام سے اسلامی ممالک خصوصاً وسط ایشیا ترکستان، بخارا، خیوہ کا سفر بعض باطنی اغراض کے تحت کیا تھا اور اسلام دشمنی میں خصوصی شہرت رکھتا ہے۔ ہمیشہ مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبے کی تحقیر و توہین اس کا عام شیوہ ہے۔ لندن میں مسلمانوں قاریوں کے لہجہ کی نقل بنا بنا کر وہاں کی سوسائٹیوں کا گویا مسخرہ بنا ہوا تھا۔ متعدد زبانوں خصوصاً عربی، فارسی، ترکی کا ماہر تھا۔ اس نے وسط ایشیا والے سفرنامے میں خود اپنی ابتدائی تعلیمی زندگی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

"ابتداء میں ہنگری کے مدرسہ سینٹ جارج میں، جو پیٹرس برگ کے قریب تھا داخل ہوا۔ رات کا کھانا مجھے سات مختلف کنبے ہفتہ میں دیا کرتے تھے۔ ہر روز ایک کنبہ کے ہاں رات کا کھانا کھاتا تھا۔ اور جب کھا چکتا تھا تو وہ مجھے ایک روٹی صبح کے ناشتہ کے لیے بھی دے دیتے تھے اور اس مدرسہ میں جو امیر طالب العلم تھے۔ اُن کے

Marfat.com

اُتارے ہوئے کپڑے بھی مجھے مل جاتے تھے" ص۸

اگرچہ یہ ایک شخصی زندگی کا شخصی حال ہے لیکن اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ کہ یورپ کے عام باشندوں کا طلبۂ علم کے ساتھ انیسویں صدی کے اخیر تک کیا برتاؤ تھا۔ ایک طالب علم کو بھی دونوں وقت کھانا دینے کی ہمّت وہاں کے لوگوں کو نہیں ہوتی تھی۔ سات کنبوں نے وہ بھی صرف رات کے کھانے کی ہفتہ میں ایک دن کی ذمّہ داری لی تھی۔ لیکن اسی کے مقابلہ میں اب آپ مسلمانوں کی تعلیمی تاریخ پڑھ جائیے، شمال میں، جنوب میں، مشرق میں، مغرب میں، جہاں کہیں وہ تھے طلبۂ علم کو کس طرح ہاتھوں ہاتھ لیتے تھے۔ خود ہندوستان کا حال اس معاملہ میں آج سے کچھ دن پہلے کیا تھا۔ اس کی تفصیل آپ کو میری کتاب "مسلمانانِ ہند کے نظامِ تعلیم و تربیت" میں مل سکتی ہے۔

البتہ اینٹ اور چونے کے ساتھ تعلیم جیسی عام اور آزاد شے کو مقید کرنا مسلمان اس کو غیر ضروری سمجھتے تھے اور یہی چیز لوگوں کے لیے باعث غلط فہمی بنی ہوئی ہے لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا۔ مدرسوں کی عمارتوں کی جگہ مسلمانوں میں مسجدوں کا تو جال پھیلا ہوا ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے آپ مجھ ہی سے سُن چکے کہ بہت دن بعد نہیں۔ بلکہ پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سے کل ۱۵ سال کے اندر اندر چار ہزار مسجدیں ممالکِ اسلامیہ میں تعمیر ہو چکی تھیں۔ صرف ایک شہر قرطبہ میں تین ہزار آٹھ سو تہتّر (۳۸۷۳) مسجدیں تھیں اور صرف قرطبہ کا یہ حال ہے تو تعداد کا پوچھنا ہی کیا ہے۔ اور کیسی مسجدیں کم و بیش چالیس ہزار نمازیوں کی گنجائش تھی۔ وہی ولید والی جامع اموی جس کے معماروں پر ہزار کی سبزی اور ترکاریاں خرچ ہوتی

Marfat.com

تھیں۔ الہمدانی نے لکھا ہے کہ:۔

انہ فی بجامع الاموی مقعد عشرین الف رجل (الہمدانی ص۱۰۱) — جامع اموی میں بیس ہزار آدمیوں کی نشستگاہ ہے۔

اور یہی حال فسطاط مصر کی جامع عمرو بن کا تھا۔

قرطبہ کی مسجد کا طول وعرض آخر میں جس نوبت پر پہنچ کر رہا تھا اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے ۱۲۹۳ ستونوں پر یہ مسجد کھڑی تھی اور ان ستونوں سے بیچ بیچ میں قبے بن گئے تھے جنہیں اس زمانہ میں ثریا کہتے تھے ان کی تعداد ۲۸۰ تھی۔ گویا یہ ۲۸۰ درسگاہیں تھیں۔ کیا اتنی بڑی بڑی عمارتیں جو صرف نماز کے وقتوں میں نماز کے کام آتی تھیں، ان کے رہنے والے مسلمانوں کو مدرسوں کے لیے علیحدہ عمارتوں کے بنانے کی ضرورت باقی رہی تھی؟ مگر انہوں نے یہ واقعہ ہے کہ باوجود غیر ضروری ہونے کے مدارس بھی بنوائے جن کے حالات سے آپ لوگ کافی طور پر واقف ہو چکے ہیں۔

اُس زمانے کے لباس اور کھانے پینے کی تفصیلات

اپنے ابتدائی تخمینے سے اب یہ "مقالہ" کافی متجاوز ہو چکا ہے۔ تاہم چند چیزوں کا ذکر اور سُن لیجئے!

ابن حوقل اور اسی صنف کے دوسرے مؤرخین نے دوسرے اُمور کے ساتھ ساتھ کہیں کہیں اس زمانے کے لباس، اور ان کے کھانے پینے کی خصوصیتوں کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلام کا نقطۂ نظر اس باب میں باوجود مذہب

Marfat.com

اور دین ہونے کے کچھ منافی ہی کا نہ تھا۔ بلکہ لوگوں کو جیسا کہ معلوم ہے قرآن ہی میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ "طیبات من الرزق" یعنے صاف ستھری پاک و خوشگوار غذاؤں اور خدا نے جن چیزوں کو اپنے بندوں کے تجمل اور زیب و زینت کے لیے پیدا کیا ہے ان کو حرام ٹھہرانے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ بلکہ سمجھا جائے کہ ان چیزوں سے احتراز کی روش اختیار کرنے والوں کی قرآن نے سرزنش کی ہے تو یہ اس کے کھلے کھلے نصوص کا اقتضاء ہے۔

بہرحال ہے یہ ایک الگ مستقل حقیقت ہے۔ میری کتاب "اسلامی معاشیات" میں اسلام کے تفصیلی نقطۂ نظر کو آپ پڑھ سکتے ہیں۔ اس وقت میری گفتگو کا تعلق اصول سے نہیں بلکہ واقعات سے ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ خلافت نے جب سے بجائے خلافت کے "ملوکیت" کی شکل اختیار کی اس وقت سے مسلمان سلاطین اور بادشاہوں کا بتدریج حدود سے گزر کر تکلفات کی طرف قدم بڑھتا چلا گیا۔ جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں۔ مسلمانوں کے لیے ان چیزوں کا ذکر ندامت اور شرمندگی ہی کے جذبات کو متحرک کرتا ہے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ:۔

اول من تنعم فی ماکلہ و مشربہ وملبسہ معاویۃ (الدمیری ص ۵۲)	مسلمانوں میں سب سے پہلے جن صاحب نے کھانے پینے لباس وغیرہ میں تکلف کی ابتدا کی وہ حضرت امیر معاویہ رضی ہیں۔

اور اس سلسلہ میں محاضرات و مسامرات کی کتابوں میں امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے متعلق دلچسپ حکایتیں نقل کی جاتی ہیں۔ بلکہ لکھنے والوں نے تو یہاں تک

Marfat.com

لکھ دیا ہے کہ بنی اُمیہ کے توشک خانہ سے لباس کا جو ذخیرہ برآمد ہوا تھا۔ اس میں حضرت معاویہ رض کے کپڑے اپنی روغنی آستینوں ہی کی علامت سے پہچانے جاتے تھے۔ اگرچہ ابنِ اثیر نے اسی کھانے پینے کے قصے میں امیر معاویہ رض کا یہ لطیفہ بھی نقل کیا ہے کہ:۔

"عبیداللہ بن ابی بکرہ رض معاویہ رض کے دسترخوان پر ایک دن اپنے صاحبزادے کے ساتھ کھانے کے لیے بیٹھے۔ عبیداللہ کے یہ صاحبزادے کچھ پُرخور تھے۔ بار بار معاویہ رض کی نظر اس بچے پر پڑ رہی تھی۔ عبیداللہ نے اس کو بھانپ لیا۔ دوسری دفعہ جب کھانے کے لیے عبیداللہ مدعو ہوئے تو آپ کے وہ تنہا بیٹھے امیر معاویہ رض نے دریافت کیا کہ:۔

ما فعل ابنك التلقامه تمہارا تلقامہ[1] بیٹا کیا ہوا جو آج نہیں آیا؟

اس کے جواب میں عبیداللہ رض نے کہا کہ "بیمار ہو گیا ہے"۔ امیر معاویہ رض نے سُن کر فرمایا کہ میں تو پہلے ہی سمجھے ہوئے تھے کہ اُس کے کھانے کا جو انداز ہے ضرور کسی بیماری کو دعوت دے گا"۔

(کامل ابن اثیر جلد ۴ ص۵)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بذاتِ خود امیر معاویہ رض کا طرزِ عمل اس بات میں کچھ ہی رہا ہو لیکن اصولی طور پر "پرخوری" کو وہ بھی پسند نہیں فرماتے تھے۔

---

[1] تلقامہ مبالغہ کا صیغہ ہے لقمہ اس کا مادہ ہے۔ بہت کھانے والا آدمی اس سے مراد ہے ۱۲

Marfat.com

لیکن دولت جن لوازم کے ساتھ آئی ہے اُن سے مسلمان کیسے بچ سکتے تھے عوام کے متعلق تو نہیں کہتا لیکن اربابِ حکومت کی بے احتیاطیاں جو آہستہ آہستہ بڑھتی جارہی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شروع ہیں۔ بجائے کیفیت کے کمیت میں لوگوں نے مبالغہ شروع کیا۔ خود حجّاج کے متعلق ابن عساکر نے یہ نقل کیا ہے کہ "ایک ایک نشست میں وہ اسّی اسّی روٹیاں اور ہر روٹی میں ایک کفِ دست مچھلی بھر بھر کر نگل جاتا تھا اور بھی اس کے پرخوری کے قصّے کتابوں میں منقول ہیں"

مشہور ہے کہ اپنے طبیب تیا ذوق نامی سے حجاج نے ایک دفعہ ضعفِ معدہ کی شکایت کی اُس نے ہدایت کی کہ بھُنے ہوئے پستے استعمال کیجئے۔ یہ سن کر اپنے اربابِ حاشیہ سے حجاج نے ذکر کیا کہ بھُنے ہوئے پستوں کا مشورہ آج تیا ذوق نے مجھے دیا ہے خوشامدیوں کے مختلف گھروں سے بھُنے ہوئے پستوں کی سینیوں پر سینیاں تھوڑی دیر کے بعد ہی نازل ہونے لگیں، یہ کہتے ہوئے کہ طبیب نے حکم دیا ہے، مٹھیوں میں بھر بھر کر حجاج پستے پھانکنے لگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قریب قریب ہیضہ کی شکل اس نے اختیار کر لی۔ بڑی مشکل سے جان بچی" (عیون الانباء جلد ا صـ ۱۲۲)

بنی اُمیہ کے گورنروں میں ابن ہبیرہ مشہور "تلقاموں" میں تھا۔ وہی ابن ہبیرہ جس نے حضرت امام ابو حنیفہ رح کو تازیانوں سے پیٹا تھا۔ لکھا ہے کہ:

"صبح ہونے کے ساتھ پہلا کام ابن ہبیرہ کا (حاجاتِ ضروری اور نماز وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد) یہ تھا کہ دُودھ کا ایک بڑا

Marfat.com

پیالہ اُس کے سامنے پیش کیا جاتا تھا۔ شہد یا شکر کو پیالے میں رکھ کر دودھ کو اسی پر دوہتے تھے۔ اور اسی تازہ تازہ دُودھ کے "قدح کبیر" کو وہ چڑھا جاتا تھا۔ آفتاب جب نکلتا تب ناشتہ حاضر کیا جاتا تھا۔ یہ ناشتہ کیا تھا؟ دو تلی ہوئی مرغیاں۔ دو کبوتر کے پٹھے اور ایک حیوان کا بُھنا ہوا دھڑ اس کے سوا مزید چند دوسرے قسم کے گوشت بھی ناشتے کے اس دستر خوان پر ہوتے تھے اور یہ سب کچھ ایک ابنِ ہبیرہ کا ذاتی ناشتہ تھا۔ اس کے بعد وہ دفتری کاروبار میں مشغول ہو جاتا تھا۔ دوپہر تک کام کرتا رہتا۔ اس کے بعد دفتر سے اُٹھ کر پھر آرام گاہ میں اپنی آتا۔ اور اب دوپہر کے کھانے کا دستر خوان چنا جاتا۔ اس وقت بھی بڑے بڑے لقمے اٹھاتا تھا کیونکہ دوپہر کے کھانے میں اس کے ساتھ دوسرے ارباب حکومت بھی شریک رہتے تھے۔ کھانے کے بعد اندر حرم میں چلا جاتا تھا۔ ظہر کی نماز کے لیے پھر آمد ہوتا اور نماز کے بعد کاروبار میں مشغول ہو جاتا۔ عصر کی نماز پڑھ کر بیٹھتا۔ اس وقت عام مجلس ہوتی تھی۔ خود تو تخت پر بیٹھتا تھا۔ اور گرد و پیش میں لوگ کرسیوں پر بیٹھتے۔ اس کے بعد دُودھ شہد آمیختہ اور دوسرے قسم کے مشروبات کا دُور چلتا۔ اسی طرح (عشے) میں پھر دستر خوان بچھ جاتا جس پر کھانے والوں کی ایک بڑی تعداد بیٹھتی تھی۔ عوام کے لیے تو دستر خوان پر کھانے چُنے جاتے تھے۔ اور خود ابن ہبیرہ اور

Marfat.com

اس کے مخصوص درباریوں کے لیے خوان (یعنے چھوٹے پائے کی میز رکھی جاتی ہے۔ مغرب کے وقت تک کھانے کا یہ قصہ ختم ہوتا تھا"[1]

باقی اموی خلفار میں سلیمان بن عبد الملک کی پُرخوری تو ایک عام مشہور بات ہے۔ تقریباً ہر مورّخ نے اس لطیفہ کو اس کے لکھا ہے کہ:

"طائف موسم گرما بسر کرنے کے لیے ایک دفعہ گیا ہوا تھا۔ کسی باغ میں پہنچا۔ ستّر انار کھانے کے بعد مسلّم حلوان اور چھ مرغیاں مسلّم بھنی ہوئی سب کو چڑھا گیا۔ اس کے بعد طائف کی کشمکش مٹھیوں میں بھر بھر کر پھانکتا رہا۔ کچھ نیند آگئی۔ سو کر بیدار ہوا، اور حسب معمول دوپہر کے کھانے میں جو کچھ کھانا تھا سب کھایا۔ کہتے ہیں کہ اسی میں بیچارے کی جان بھی گئی"

"رابق سیر کے لیے گیا ہوا تھا۔ قریب میں کوئی نصرانی رہتا تھا دو تھیلیاں اس نے تحفہ میں پیش کیں۔ ایک میں انجیر اور دوسری میں

---

[1] بنی اُمیہ اور ان کی تقلید میں عباسی خلفاء کا ایک دوامی دستور یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ولاۃ حکام جس شہر میں رہتے تھے وہاں کے ممتاز باشندوں کو کم از کم ایک وقت وہ اپنے ساتھ کھانا ضرور کھلاتے تھے۔ اور حکومت کی طرف سے اس کا ان کو اشارہ تھا۔ اور خرچ ملتا تھا۔ کہ عوام کی ہمنوائی اور ہمدردی کے حاصل کرنے کا ایک کارگر ذریعہ اس کو وہ خیال کرتے تھے ۱۲

Marfat.com

اُبلے ہوئے انڈے تھے۔ دونوں تھیلیوں کو صاف کر کے فارغ بھی نہ ہوا تھا کہ گودا اور شکر پیش ہوئی۔ ان کو زنبیل میں داخل کر دیا۔ اور اسی بھری ہوئی زنبیل کے ساتھ عالم آخرت کی راہ لی تجمہ ہو گیا تھا۔"

مسعودی نے تو بطور ضرب المثل کے لکھا ہے کہ اموی دور میں امیر معاویہ رضؓ عبیداللہ بن زیاد۔ حجاج اور سلیمان اور عباسیوں میں امین کثرتِ اکل میں مشہور ہیں۔ (ص ۲۶۷ جلد ۲)

بہر حال جہاں تک میرا خیال ہے کہ "تنعم فی الماکل" کا جو الزام امیر معاویہ رضؓ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور ان کے زمانہ میں بھی اور ان کے بعد بھی بنی اُمیہ کی حکومت تک اس تنعّم کا تعلق بجائے کیفیت کے زیادہ ترکمیت یعنی مقدار کی زیادتی ہی معلوم ہوتا ہے [1] البتہ بنی عباس کے ہاتھ میں جب حکومت آئی تو

---

[1] اور سچ پوچھیے تو ایک حد تک "تلقامون" کا یہ طبقہ جو عموماً ہر ملک اور ہر زمانہ میں پایا گیا ہے اپنی شکمی صلاحیتوں کی بنا پر کچھ مجبور بھی تو ہوتا ہے۔ آخر بیچارے کیا کریں انسانی کھانے کی جو عام مقدار ہے اس سے اگر ان کی سیری نہ ہوتی ہو تو اس میں خود ان بیچاروں کا کیا قصور ہے؟ ہندوستان کی تاریخ میں بھی ان تلقاموں کا ایک گروہ مختلف زمانوں میں پایا گیا ہے اکبری دربار کے امیر میر نمکین کے حالات میں لکھا ہے کہ "گویند اشتہا بسیار داشت۔ ہزار انبہ و ہزار سیب سکری، دو خربزہ یک بک منی، می خورد" آثر الامراء ص ۲۷ ان کو میر نمکین کا خطاب اس لیے دیا گیا تھا کہ سیندھا نمک کا جو پہاڑ پنجاب میں سندھ ساگر کے دوآبے

اس کے بعد کیفیت میں وہ رنگارنگی پیدا ہوئی کہ بیان کرنے والوں کے بیان پر مشکل ہی سے بھروسہ کیا جاسکتا ہے، ابراہیم بن مہدی جو ہارون کا حقیقی بھائی تھا اسی نے ہارون کی دعوت میں۔ دعوت سے پہلے ایک پیالہ پیش کیا۔ پوچھا گیا کہ کیا ہے؟ تو ابراہیم نے خلیفہ سے عرض کیا کہ "ایک قسم کی مچھلی جس کی زبان لذیذ سمجھی جاتی ہے ان ہی مچھلیوں کی یہ زبان ہے"۔ ہزار درہم صرف ایک پیالہ پر خرچ ہوئے تھے۔ ہارون کو ابراہیم کا یہ اسراف سخت ناگوار گذرا۔

ابنِ عساکر نے لکھا ہے کہ ہارون نے کہا کہ جب تک ہزار اشرفیاں میرے

میں واقع ہے۔ اسی پہاڑ کی نمکین چٹانوں سے رکابی۔ کٹورا بنوا کر اکبر کی خدمت میں تحفہ پیش کیا تھا۔ اسی لیے میر نمکین کے نام سے مشہور ہو گئے۔ مآثرالامراء میں لکھا ہے کہ سیندھا نمک اس پہاڑی نمک کو کہتے ہیں کہ سندھ ساگر کے علاقے میں تقریباً بیس میل کے طول میں یہ پہاڑ واقع ہے۔ اسی کی طرف بہ نسبت ہے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ سترہ من پر حکومت ایک روپیہ محصول لیتی ہے۔ اسی میں ہے کہ لوگ نمکیں پتھر سے طبق۔ سرپوش اور اقسام اقسام کے ظروف تراشتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں ظروف سازی کا ایک عام اور مقبول رواج تھا۔ ابنِ حوقل نے بھی فارس کے ذیل میں دارالبجرد کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "اس علاقہ میں سفید، سیاہ، زرد، سُرخ۔ سبز اور بھی ہر طرح کے رنگ کے متعدد نمک کے پہاڑ ہیں ان کی چٹانیں زمین کے اوپر ہیں۔ لوگ نمک کی انہیں چٹانوں سے تراش تراش کر ٹیبل۔ کھانے کی میز اور قسم قسم کے برتن بناتے ہیں، اور فارس و بیرونِ فارس کے علاقوں میں جاکر بکتے ہیں۔ ص ۲۱۵ ۱۲

Marfat.com

سامنے نہ لائی جائیں گی جنہیں میں خیرات نہ کرلوں اس وقت تک میں اسے نہیں کھا سکتا۔" ابراہیم نے ہزار اشرفیاں پیش کیں۔ ہارون نے غرباء میں تقسیم کر دینے کا حکم دیا اور ابراہیم کو مخاطب کر کے اس نے کہا۔

(مجھے امید ہے کہ شاید یہ تمہاری فضول خرچی کا کفارہ بن جائے)

اس کے بعد جس جام میں زبان آئی تھی اُس کی قیمت ہارون نے دریافت کی معلوم ہوا کہ ایک سو ستر اشرفیوں میں خریدا گیا تھا۔ ہارون نے حکم دیا کہ ابھی اس کو باہر لے جاؤ اور سب سے پہلے جس فقیر پر نظر پڑے اس کو دے دو۔ ابراہیم کا بیان ہے کہ میں نے اپنے بعض ملازموں کو اشارہ کیا کہ جس فقیر کو یہ جام دیا جائے اس سے خرید کر واپس لے آؤ۔ ہارون تاڑ گیا۔ اس نے اشارہ کیا کہ فقیر کو جام دیتے ہوئے یہ بھی کہہ دینا کہ ڈھائی سو اشرفیوں سے کم میں اسے فروخت نہ کرے یہ ہی ہوا کہ ابراہیم کے ملازموں نے ڈھائی سو اشرفیاں دے کر اس جام کو فقیر سے خرید لیا۔ (ابن عساکر ص ۲۷۹ جلد ۲)

اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدود سے تجاوز کرنے کے باوجود اس وقت تک کھانے کی ان رنگینیوں کو عموماً پسند نہیں کیا جاتا تھا۔ بہ ظاہر عباسیوں میں ان چیزوں کی اشاعت کے ذمہ دار دربار کے ایرانی و رومی عناصر ہیں۔

ہارون کے دربار کے عیسائی طبیب بختیشوع کے متعلق ابن اصیبعہ نے لکھا ہے کہ گرمیوں میں جو چوزے مرغیوں کے وہ کھاتا تھا۔ خود اُسی کا بیان تھا کہ ان چوزوں کو غذا میں صرف بادام و پستہ دیا جاتا ہے۔ اور عرق انار پلا پلا کر ان کی پرورش کی جاتی ہے۔ اسی طرح جاڑوں میں وہ ان چوزوں کو جھلے ہوئے

Marfat.com

اخروٹ کھلوانا تھا اور دہی پلوانا تھا۔

لکھا ہے کہ بخور کے لیے کوئلے خاص طور پر بنوانا تھا۔ یعنی اولاً جن لکڑیوں سے کوئلے بناتے جاتے تھے۔ وہ لکڑی خود کسی خوشبودار درخت کی ہوتی تھیں پھر جلی ہوئی لکڑیوں کو کوئلہ بنانے کے لیے جب بجھاتے تھے تو عرقِ گلاب جس میں مشک کافور، بیدمشک، پرانی شراب وغیرہ چیزیں ملی رہتی تھیں، اُسی پانی کو چھڑک چھڑک آگ ٹھنڈی کی جاتی تھی۔

اور اُس میں کوئی شبہ نہیں کہ کم از کم امراء کا بالائی طبقہ ان امیرانہ چونچلوں میں ضرور مبتلا ہو گیا تھا۔ ہندوستان تک کا جب یہ حال تھا کہ ابوالفضل کی ایک دعوت کا نقشہ شاہ نواز خاں نے ان الفاظ میں کھینچا ہے۔ یہ خداوند خاں دکنی کی ضیافت کا قصہ ہے۔ لکھا ہے کہ:۔

"خداوند خان دکنی کے ہر ہر نوکر (جن کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہو گی عموماً وہ گورنری کے عہدوں پر سرفراز رہے تھے) کے سامنے تو تو تاب پلاؤ اور ایک ایک مسلّم بھنا ہوا بکرا اور سو چپاتیاں رکھی گئیں اور خود خداوند خان کے سامنے بیسیوں رکابیاں چنی گئیں جن میں مرغ، تیتر، بٹیر اور قسم قسم کی بھاجیاں ترکاریاں تھیں[1]" (ص ۶۶)

---

[1] ابوالفضل کی اسی دعوت کے سلسلہ میں شاہ نواز خان مصنف مآثر الامراء نے جو خود اورنگ آباد کے رہنے والے تھے عجیب فقرہ لکھا ہے یعنی خداوند خان کے سامنے بجائے مسلّم بکرے کے مرغ، تیتر وغیرہ پرندوں کی پلیٹیں جو رکھی گئیں تو ان کو سخت ناگوار گذرا اور

Marfat.com

اور اس قسم کے واقعات مثلاً ببیر محمد خان شروانی کے متعلق کہا ہے کہ:۔

"روزانہ ہزار قاب بر دستر خوانش می کشیدند"

(مآثرالامرا ص ۱۷۶ جلد ۳)

صفاری بادشاہ عمرو بن لیث کے متعلق الفخری نے لکھا ہے کہ:۔

"چھ سو اونٹ پر اُس کا سفری باورچی خانہ چلتا تھا"

(ص ۲۳۲)

دستر خوان سے یہ کہتے ہوئے اُٹھ گئے کہ پیش ما کباب مرغ آوردند از روئے استہزاد مخریت بودہ" (میرے سامنے مرغی کا کباب محض مجھ سے مذاق کرنے اور میری توہین کے لیے رکھا گیا) گویا ان کو حقیر خیال کر کے بجائے بکرے کے مرغی جیسی چھوٹی چیز دی گئی۔ لکھا ہے کہ اُٹھ کر چلے ہی گئے اور ابوالفضل سے اخیر وقت تک صاف نہ ہوئے۔ حالانکہ خود اکبر نے بھی سمجھایا کہ ہندوستان میں معزز مہمانوں کے احترام کا یہی طریقہ ہے لیکن ان کی سمجھ میں بات نہ آئی۔ بہ ظاہر اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ والد خداوندخان کے گر ایرانی مشہدی تھے لیکن ماں ان کی حبشن تھی، اور یہ کیفیت ان میں اپنی والدہ ہی کی طرف سے منتقل ہوئی ہوگی۔ مگر مجھے تعجب ہے کہ شاہ نواز خان نے اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد خدا جانے یہ فقرہ آخر میں کیوں لکھا ہے کہ:۔

"ازیں ست کہ ہندوستان اہلِ دکن بحماقت و سخافت عقل شہرت دارند" (ص ۲۶۰)

حبشی حماقت کو نہ معلوم کیوں انھوں نے بلاوجہ دکن کی طرف منسوب کر دیا۔ ۱۲

Marfat.com

اس میں علاوہ طعامی عیاشیوں کے ممکن ہے کہ غربا پروری کا جذبہ بھی ان لوگوں کے سامنے ہو۔

اور یہی حال لباس کا تھا۔ اس میں بھی تفریط کی ابتداء کا الزام لوگوں نے امیر معاویہ رضؓ پر لگایا ہے۔ بلکہ حافظ ابن حجر نے اصابہ میں یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ جن دنوں امیر معاویہ رضؓ حضرت عمر رضؓ کی طرف سے شام کے والی تھے اُسی زمانہ میں ایک دفعہ مدینہ منوّرہ اس حال میں پہنچے کہ ایک خوبصورت سبز جوڑا ان کے بدن پر تھا۔ ان کے اس لباس کو دیکھ کر صحابہ کرام رضؓ کی نگاہیں اٹھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق لکھا ہے کہ دُرّہ لیے ہوئے سیدھے امیر معاویہ رضؓ کے سر پر پہنچے اور

فجعل ضربًا بمعاویۃ معاویہ رضؓ کو مارنا شروع کیا۔

فاروقی دُرّہ ادھر مسلسل عمل میں مصروف تھا اور اُدھر امیر معاویہ رضؓ کی زبان سے یہ فقرہ نکل رہا تھا۔

اللہ اللہ یا امیرالمؤمنین اللہ اللہ اے امیر المومنین! کیوں

فِیمَ فِیمَ۔ کیوں؟

لیکن حضرت عمر رضؓ اس کا جواب بھی صرف دُرّے سے دے رہے تھے۔ جب دیکھے ہوئے تو اپنی جگہ پر آکر بیٹھ گئے۔ لوگوں نے پوچھنا شروع کیا کہ آخر اس بیچارے نوجوان میں کیا بات آپ نے دیکھی جو دُرّے کا مستحق قرار دیا۔ جواب میں آپ نے صرف اشارہ کیا۔ راوی کا بیان ہے کہ اس سے سمجھا گیا کہ دماغ میں کچھ بلندی پیدا ہو گئی تھی۔ اسی کا ازالہ مقصود تھا۔ حضرت عمر رضؓ کے اشارے

Marfat.com

سے بھی بات لوگوں کی سمجھ میں آتی۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ امیر معاویہ رضؓ کے بعد بنی اُمیہ کے امراء جو اب بنی اُمیہؓ کے شہزادے کہلاتے تھے لباس میں بہت زیادہ آگے بڑھے چلے جاتے تھے۔ مگر اس میں بھی بجائے کیفیت کے کمیت ہی پر معلوم ہوتا ہے کہ ان کے عہد تک زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ ہشام بن عبدالملک کے متعلق جو کچھ لکھا ہے عقد الفرید وغیرہ میں لباسی تکلّفات کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس سے بھی کپڑوں کی کثرت ہی کا زیادہ تر پتہ چلتا ہے۔ مثلاً یہ کہ حج میں جب ہشام گیا تھا۔ نوسات سو اونٹوں پر اُس کے ذاتی مصرف کے کپڑے لدے ہوئے تھے (عقد الفرید صفحہ ۲۶۶ جلد ۲)

اسی طرح جو قمیصیں وہ پہنتا تھا۔ جب گننے والوں نے انہیں گنا تو واللہ اعلم بالصواب بتایا گیا کہ ایک لاکھ بیس ہزار قمیصیں نکلیں اور دس ہزار ریشمین ازار بند تھے۔ (المستطرت صفحہ ۴ جلد ۲)

لیکن اس کے بعد پھر جن نفاستوں اور نزاکتوں کا مسلسل اضافہ ان سلاطین اور امراء نے لباس میں کیا انہیں کون بتا سکتا ہے۔ سونے اور چاندی کے تاروں سے مزرکش کیے ہوئے کپڑے تو خیر کس شمار اور قطار میں تھے۔ یہ واقعہ ہے کہ جواہرات اور موتیوں کو ان کپڑوں میں طرح طرح سے کھپانے کی کوشش کی جاتی تھی اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ ترکی بادشاہ مراد نے شاہ جہاں کو جو تحائف میر ظریف کی معرفت بھیجے تھے ان میں ایک عبا تھی جو مروارید صادق سے بنی گئی تھی۔ خیال تو کیجئے کہ بنی آدمؑ نے پتوں سے لباس کے مسئلہ کو شروع کیا۔ جیسا کہ قرآن سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ پھر شاید چمڑوں سے ستر پوشی کا کام لوگوں نے لیا۔ تب اُن پر

Marfat.com

آئے۔ اُن سے روئی اور کتان تک پہنچے، آخر پرواز ریشم تھی۔ لیکن بادشاہوں اور ان کے درباریوں نے سونے چاندی کے تار کھچوا کر ریشم اور اون کے ساتھ ان کو شریک کیا اور آخری انتہا اس کی یہ ہوئی کہ عبائے مرداریدِ دُور تک بات پہنچ کر رہی۔ (ماثر الامراء صـ۱۱ جلد ۱)

آدم کی اولاد جب تکلّف کی طرف بڑھتی رہے تو جہاں تک جس چیز کو وہ پہنچا کر رہے کم رہے۔

المقریزی نے ابن طولون والیٔ مصر کی پوتی قطر الندیٰ جو خلیفہ معتضد باللہ سے بیاہی گئی تھی اس کے جہیز کی جو فہرست لکھی ہے اور جو کچھ اس میں تھا وہ تو خیر تھا ہی۔ میں تو ان الفاظ کو پڑھ کر دنگ رہ گیا کہ:

"جہیز کی اسی فہرست میں ہزار ازار بند تھے جن میں ہر ازار بند کی قیمت دس دس اشرفیاں (اور وہ بھی مصری اشرفیاں تھیں)"

(مقریزی جلد صـ۳۱۹)

قریب قریب ڈھائی سو روپے کا ایک ازار بند اس حساب سے پڑتا ہے انتہا ہے اس زر پرستی کی؟

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس قسم کے تکلفات سلاطین و امراء ہی حد تک محدود تھے لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی غلط ہے کہ عوام اس زمانہ میں فقر مدقع (کمر توڑ دینے والے) افلاس میں مبتلا تھے۔ گذشتہ مثالیں غالباً میرے بیان کی تائید کے لیے کافی ہیں۔

بہر حال غیر ضروری مصارف کے متعلق تو میں نہیں کہتا لیکن عام ضروریات

Marfat.com

زندگی، خورد اد نوش، لباس، مکان وغیرہ کی حد تک عام مسلمانوں کا ایک معیار ضرور قائم ہو گیا تھا۔ جس کی وجہ یہی تھی۔ یعنی باوجود مذہب اور دین ہونے کے اسلام نے رفاہی اور ریاستی زندگی سے صرف یہی نہیں کہ مسلمانوں کو روکا نہیں تھا بلکہ روکنے والوں کو تو قرآن میں ڈانٹا گیا ہے، پوچھا گیا ہے کہ "الطیبات من الرزق"۔ یعنی صاف ستھرے پاکیزہ کھانوں اور آرائش و زیبائش کے لیے جن چیزوں کو خدا نے پیدا کیا ہے۔ اُن کو حرام کرنے والے کون ہیں ؟ یہی وجہ ہے کہ خود صحابہ اور صحابہ کے بعد بھی عمومی طور پر لوگوں کا طعام و لباس میں بھی وہی حال تھا جو میں نے مکانوں کے سلسلہ میں عموماً مسلمانوں کے نقطۂ نظر کو بیان کیا ہے۔ لوگ اچھا کھانے اور اچھا پہنتے تھے، لیکن حدود سے تجاوز نہیں کرتے تھے۔

طبقات ابن سعد میں ہے کہ عبدالکریم ابو اُمیہ مجھ سے ملنے آئے۔ میں نے دیکھا کہ ان کے بدن پر موٹے اُون کا لباس ہے۔ تو میں نے کہا:۔

ھٰذا ذی الرھبان و	یہ تو تارک الدنیا عیسائی فقیروں کا بانا ہے
ان المسلمین اذا تزاوروا	مسلمانوں کو تو چاہیئے کہ باہم ایک دوسرے
وا تجملو	سے جب ملاقات کریں تو اسی وضع میں ملنا
(طبقات ابن سعد ص۸۳ جلد)	چاہیئے جس سے جمال کا اظہار ہو۔

صوفیائے اسلام کے سرخیل خواجہ حسن بصریؒ کے حوالہ سے طبقات ہی میں ہے۔ لکھا ہے کہ ان کی مجلس میں ان لوگوں کا ذکر ہوا جو فقیرانہ خرقہ اور گودڑ پہنتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا:۔

اکنوا الکبر فی قلوبھم	دلوں میں کبر اور برائی کے جذبہ کو چھپائے

Marfat.com

واظهروا التواضع فی لباسهم
والله لاحدهم اشد
عجبا بکسائه من صاحب
مطرف بمطرفه
(طبقات ابن سعد ص ۱۳۳ ج ۸)

ہوئے ہیں اور بہ ظاہر فروتنی اور خاکساری ظاہر کرتے ہیں۔ خدا کی قسم اپنے خرقہ پر پر ان میں ہر ایک اسی درجہ نازاں ہے جتنا کہ ایک دوشالے والا اپنے دوشالے پہ ناز کرتا ہے۔

مدینہ کے فقہائے سبعہ جن کے متعلق لوگوں نے اس تجربہ کو مشہور کیا ہے اور کم از کم میں نے تو اس تجربہ کو صحیح پایا ہے کہ ان کے مبارک اسماء کو لے کر دردِ سر والے کو اگر دم کیا جائے تو فوراً دردِ سر میں کمی ہو جاتی ہے۔ ان میں سے حضرت عروہ اور حضرت قاسم کے متعلق ابنِ سعد نے لکھا ہے کہ حضرت عروہ روزانہ غسل کے عادی تھے۔ ملحفہ جو اوڑھتے تھے تو وہ ہلکے زعفرانی رنگ کی ہوتی تھی لیکن اتنی نفاست سے وہ رنگی جاتی تھی کہ ایک دینار رنگوائی کا معاوضہ ادا کرتے تھے۔ (ابن سعد ص ۱۳۳ جلد ۵)

عہدِ صحابہ میں ایک خاص قسم کا کپڑا جس کا نام خز[1] تھا۔ بہت مقبول ہوا۔

---

[1] خز کی تشریح میں لوگ مختلف ہیں۔ لیکن طبقات ابن سعد سے یہ مسئلہ حل ہو جاتا ہے معلوم یہ ہوتا ہے کہ سدی (بانا) تو اس کا ریشم (حریر) کا ہوتا تھا۔ اور لحمہ (تانا) اس میں مختلف چیزیں مثلاً سوت یا کتان یا اون استعمال کرتے تھے۔ پھر اون کی نوعیت بھی مختلف ہوتی تھی۔ جن جن جانوروں کے اون خصوصی طور پر نرم اور ملائم ہوتے تھے انہی کا تاگا بنا کر تانا بنایا جاتا تھا۔ اسی لیے بعض لوگ لکھ دیتے ہیں۔ کہ نر خرگوش کا اون

Marfat.com

طبقات ابنِ سعد سے معلوم ہوتا ہے کہ مشکل ہی سے کوئی صحابی ایسے تھے جو اس کپڑے کو استعمال نہیں کرتے تھے۔ بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کپڑے کی قیمت بھی کافی ہوتی تھی۔ ابنِ سعد ہی میں ایک جگہ خزؔ کے مطرف کا دام سات سو درم بتایا گیا ہے۔ (صہ ۵۴ جلد ۵)

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ عام طور پر صحابہ اور تابعین اس خزؔ کے کپڑے کو بکثرت استعمال کرتے تھے۔ حضرت قاسم کے حالات میں لکھا ہے کہ:۔

"کبھی کبھی برآمد ہوتے اور ان کا جبہ بھی خزؔ کا چادر بھی خزؔ ہی کی، عمامہ بھی خزؔ ہی کا۔ عمامہ کے نیچے ٹوپی بھی خزؔ ہی کی ہوتی"

حالانکہ اسی طبقات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عام سوتی کپڑوں کی قیمت اس زمانہ میں بھی قریب قریب وہی تھی، جو آج کل ہے۔ یعنی لنگی سوتی تین درم میں، اور کرباسہ راز یہ جس سے کرتہ قمیص وغیرہ بناتے تھے، کل بارہ درم میں

ہوتا تھا۔ بعض لکھتے ہیں کہ بحیرۂ خزر اور ترکوں کے ملک سے لومڑیوں کے بال سے جو تاگا بنایا جاتا تھا اس سے اس کا تانا تیار ہوتا تھا۔ بعضوں نے دریائی جانوروں کا بھی نام خز کے سلسلے میں لکھا ہے جن کے بال لمبے لمبے ہوتے تھے۔ اصل یہ ہے کہ تانے میں سب ہی چیزیں استعمال کرتے تھے اونی خز کو سردیوں میں اور سوتی وکتانی کو گرمیوں میں استعمال کرتے ہوں گے کیونکہ ہر زمانے میں دیکھتے ہیں کہ خز استعمال کرتے تھے۔ اس کپڑے کا رنگ بھی مختلف ہوتا تھا۔ یعنی جس قسم کا رنگ لوگ پسند کرتے تھے اسی قسم کا رنگ چڑھا دیا جاتا تھا ۱۲

Marfat.com

بن جاتا تھا۔ (دیکھو طبقات ابن سعد ص ۸۲ جلد ۷)

سچ تو یہ ہے کہ تین درم یعنی قریب قریب بارہ آنے میں سُوتی لنگی آج بھی مشکل ہی سے مل سکتی ہے۔

عام استعمال کپڑوں کی ان ہی ارزانیوں کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کے عہد میں ستر پوشی کے مسئلہ میں کبھی کسی ملک اور کسی زمانہ میں کسی قسم کی شکایت کی روایت کتابوں میں نہیں ملتی۔ کھانے پینے کی چیزوں کا حال سو ان کی ارزانیوں کا ذکر تو پہلے بھی آچکا ہے۔ جہاں تک واقعات سے پتہ چلتا ہے۔ مسلمانوں میں فواکہ اور فواکہ کے بعد گوشت، مچھلی، یہ ان کی مرغوب غذائیں معلوم ہوتی ہیں۔ ابن حوقل ہو یا الہمدانی، خرداد بہ ہو یا اصطخری، ان سب کی کتابیں مسلمانوں کی عام آبادیوں کی اس خصوصیت سے بھری ہوئی ہیں یعنی ہر جگہ بتاتے ہیں کہ مختلف قسم کے میووں اور پھلوں کے باغات سے وہ گھری ہوئی ہیں۔ تھوڑی بہت تفصیل اس کی گذشتہ اوراق میں آپ پڑھ بھی چکے ہیں۔

اور یہی حال ان مویشیوں کا ہے جن کا گوشت عموماً مسلمان استعمال کرتے تھے پکانے میں بھی لطافت اور پاکیزگی کا خیال رکھا جاتا تھا۔ سرتاج صوفیہ خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ تک جیسے حضرات غذائی لطافتوں کا خاص خیال رکھتے تھے۔ طبقات میں ہے کہ بیان کرنے والے بیان کرتے تھے کہ:۔

كان الحسن يشترى لحماً كل يوم بنصف درهم وقال ما شممت مرقد قط اطيب ريحا من مرق الحسن	حسن بصری روزانہ نصف درہم کا گوشت خریدا کرتے تھے۔ ان کے شوربے کی جیسی خوشبو میں نے کسی شوربے میں

Marfat.com

(طبقات ابن سعد ص۱۲۱ جلد ۷) نہیں پائی۔

یہ اُس زمانہ کی بات ہے جب بصرہ اپنے تمدّن و عمران کے انتہائی نقاط تک گویا پہنچ چکا تھا۔ لیکن گوشت کی ارزانی کا اس سے اندازہ کیجئے کہ خواجہ حسن بصری رح جن کا کنبہ بھی اچھا خاصا تھا۔ نصف درہم کا گوشت دونوں وقت کے لیے ان کے یہاں کافی ہو جاتا۔ قریب قریب دو آنے یومیہ کا اوسط پڑتا ہے۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ گوشت اس زمانے میں مسلمانوں کی روزمرّہ کی غذا میں شریک ہو چکا تھا۔ اگرچہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روزانہ گوشت کھانے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ حضرت جابر بن عبداللہ صحابی کو ایک دفعہ آپ نے ڈانٹا بھی تھا۔ (تیسیر الوصول)

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ بتدریج یہی رواج غالب آگیا، جو قریب قریب اس وقت تک جاری ہے۔

طبقات ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ نفاست پسند حضرات عام بازاری گھی استعمال نہیں کرتے تھے۔ عامر بن عبدالقیس کے ذکر میں ابن سعد ہی نے نقل کیا ہے کہ گھی کے متعلق ان سے جب دریافت کیا گیا تو بولے کہ:

آکل من ھھنا واشار الی البادیۃ وھھنا واشار الی الجبل

(طبقات ابن سعد ص۵۷ جلد ۷)

میں یا تو اس گھی کو کھاتا ہوں جو یہاں سے آتا ہے اور بادیہ (صحراء) کی طرف اشارہ کیا۔ یا جو گھی وہاں سے آتا ہے اور پہاڑ کی طرف اشارہ کیا۔

اسی طرح بعض لوگ عام کھیتوں کی ترکاریاں اور بھاجی بھی اس لیے استعمال

Marfat.com

نہیں کرتے تھے۔ کہ ان کے کھیتوں میں غلاظت وغیرہ کھاد کے طور پر ڈالی جاتی ہے۔ رفیع بن مہران ابو العالیہ کے ذکر میں ابنِ سعد نے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے باغ سے ان کے پاس ترکاریاں بھیجیں۔ جو بغیر کھاد کے اگائی جاتی تھیں، توان کو انھوں نے شوق سے لیا، اور اور ایک صاحب سے عام ترکاریوں اور بقول کے متعلق فرمایا کہ:

تنبت فی منبت خبیث تعلم ما ھو قلت ما ھو قال تخر والبول والحائض

(طبقات ابنِ سعد ص۸۴)

یہ ترکاریاں نہایت گندی جگہوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ مخاطب نے پھر پوچھا کہ وہ گندگی کیا ہے؟ پھر خود ہی جواب دیا کہ غلاظت، پیشاب، حیض وغیرہ۔

ابو العالیہ الریاحی کا شمار اگرچہ کبار تابعین میں ہے لیکن ابتدا میں یہ بھی موالی میں تھے۔ بعد کو ان کی مالکہ عورت نے ان کو آزاد کر دیا تھا۔ پھر علم حاصل کیا اور بڑے آدمی ہوئے۔ مزاج میں بڑی لطافت تھی۔ یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ کھاد کی پیدا کی ہوئی ترکاریاں نہیں کھاتے تھے۔ ان ہی کے حال میں یہ بھی لکھا ہے کہ ورشکر، جو یہ استعمال کرتے تھے وہ مختلف مہر لگی ہوئی پڑیوں میں محفوظ

لہ لیکن سننِ بیہقی میں حضرت سعد بن وقاص فاتح ایران رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق یہ روایت نقل کی ہے کہ اپنی زمین کا کھاد خود اپنی پیٹھ پر لاد کر لے جاتے اور ڈالتے اور فرماتے کہ کھاد کا ایک تھیلا گیہوں کا ایک تھیلا ہے۔ میری کتاب "اسلامی معاشیات" میں اس قسم کی چیزیں تفصیل سے ملیں گی۔

Marfat.com

رہتی تھی۔ لکھا ہے کہ:۔

لبسکر مختوم فعض و اعطاء عشر سکرات	ملازم مہرزدہ پڑیوں میں شکر کی ڈلیاں لایا۔ تب آپ نے دس ڈلیاں شکر کی ملازم کو عطا کیں۔

(ایضاً جلد ۷ ص۸۷)

اس سے اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ شکر کو ڈلی کی شکل میں ڈھال بلینے کا رواج اُسی زمانے میں ہو چکا تھا اور یہ پہلی صدی ہجری کے واقعات ہیں۔ گویا دنیا جس زمانے میں حرف راب اور گڑ میں چپکی ہوئی تھی۔ مسلمانوں کی لطافت طبعی نے اس کو صفائی میں ترقی کے اُس آخری زینے تک اُسی زمانے میں پہنچا دیا تھا۔ جس سے آگے اس میں اس وقت تک ترقی نہیں ہوئی ہے۔ جرجی زیدان تک نے یہ مانا ہے، اور برٹانیکا انسائیکلو پیڈیا" میں "شوگر" پر جو مقالہ ہے اس سے یہ فقرہ اس نے نقل کیا ہے۔ ترجمہ یہ ہے:۔

"سارے عالم میں شکر کی عام اشاعت مسلمانوں ہی کے ذریعہ سے ہوئی ہے۔ مسلمانوں ہی نے اس کے اصلی وطن (ہندوستان) سے اس کو فارس پہنچایا اور پھر کارخانے قائم کر کے اس کی مختلف قسمیں انہوں نے پیدا کیں جن کے اس سے پہلے کوئی نظیر موجود نہیں۔"

یعنے گنے سے رس نکال کر اس کو پکا نا پکا کر راب اور گڑ بنانے کی صنعت بہ تو ہندوستان میں بہت زمانے سے جاری تھی۔ لیکن اس سے آگے قدم ہندوستان نے نہیں بڑھایا تھا۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس وقت تک بھی

Marfat.com

اس مسئلہ میں اپنے پرانے ہی مقام پر ہے۔ عام طور پر دیسی طریقہ سے ہندوستان میں گڑ اور راب زیادہ سے زیادہ کچی کھانڈ تک لوگ بناتے ہیں۔ لیکن یہ راز کہ گنے کے اس عرق میں بلوریت تک پہنچنے کی صلاحیت ہے، بہ ظاہر اس کے موجد مسلمان ہی معلوم ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ پہلی صدی ہجری میں اس کو ارتقاء کی اس منزل تک پہنچا دیا تھا۔

مسلمانوں کے اس عہد حیات میں اُن کی زندگی کا جو نظام تھا۔ ان سیاحوں کی زبانی اس کے قصے سُن سُن کر آج بھی منہ میں پانی بھر آتا ہے۔ مقدسی صابور نامی ایک ایرانی علاقہ کا ذکر ان الفاظ میں کرنے کے بعد کہ اس خطہ کے ایک ایک باغ میں کھجور، زیتون، نرنج، خرنوب، اخروٹ، بادام، انجیر، انگور بیر، گنے، بنفشہ، چمیلی، الغرض مذکورہ بالا سب طرح کے فواکہ، پھل پھول تم کو نظر آئیں گے، نہروں کو ان باغوں میں رقص کناں پاؤ گے۔ آبادیاں قریب قریب ہیں، میلوں تم درختوں کی چھاؤں میں چلے جاؤ گے۔ پھر اس زمانہ میں نان بائیوں کی دکانوں کا جو نظم اسلامی ممالک میں قائم تھا اُس کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے۔

"ہر تین میل پر نان بائی کی دکان تم کو یقیناً ملے گی اور وہیں پر بقال کی دکان بھی ہوگی"

(المقدسی ص۴۴۴)

اسی نے یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

Marfat.com

والشواش دکاکین علیحدۃ (ایضاً ص۴۴)

کباب والوں کی دکانیں الگ رہتی ہیں

اور سچ تو یہ ہے کہ قوموں میں جب زندگی ہوتی ہے تو اس زندگی کے آثار ہر شعبہ میں محسوس ہوتے ہیں۔ غذاؤں ہی کے سلسلہ میں ایک دلچسپ بات ایران کے شہر دارابجرد کے متعلق لکھی ہے کہ خدا جانے یہاں کے باشندوں نے کہاں سے مچھلیوں کی ایک ایسی قسم ڈھونڈھ نکالی تھی کہ ابن حوقل کہتا ہے:۔

بدارابجرد حوت من الخندق
المحیط بالبلد فیه لاشوك
فیه لاعظم ولا فقار
لكن له فلوس

(ابن حوقل ص۲۸)

دارابجرد شہر کے چاروں طرف جو تالاب ہے اس میں ایک خاص قسم کی مچھلی ہوتی ہے جس میں نہ کانٹے ہوتے ہیں نہ ہڈیاں نہ ریڑھ کی ہڈیاں لیکن بالائی جسم پر چھلکے (فلوس) ہوتے ہیں۔

اور طرفہ لطیفہ جو اسی ابن حوقل کا ذاتی تجربہ ہے یہ ہے کہ کھانے کے بعد اس نے یہ فیصلہ دیا کہ:۔

وهو عندی
الذ السموك

تمام مچھلیوں میں یہ مچھلی میرے خیال میں لذیذ ترین مچھلی ہے۔

یہ ایک ایسے شخص کا بیان ہے کہ جسے ہم جہانیاں جہاں گشت کہہ سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ فلوس (چھلکے) والی مچھلیوں کی یہ خصوصیت یقیناً عجیب ہے کیونکہ بغیر فلوس کی مچھلیوں میں کبھی یہ دیکھا گیا ہے کہ ان میں کانٹے کم ہوتے

Marfat.com

ہیں۔ لیکن اتنی لذیذ نہیں ہوتیں، بلکہ امامیہ فرقہ کے مسلمان تو ان کو مچھلی ہی نہیں سمجھتے اسی لیے کھانے سے احتراز کرتے ہیں۔

ضرورت کیئے یا جستجو اور تلاش، کن کن چیزوں کو نہیں پیدا کر دیتی۔ گھاس کھانے والے یا نباتات خوار جانوروں کے متعلق یہ کتنی عجیب بات ہوگی کہ گوشت اور مچھلی ان کی غذا بنا دی جائے۔ لیکن ابن حوقل ہی نے حضر موت کے علاقے مہرہ کا حال لکھتے ہوئے بیان کیا ہے کہ:۔

"مہرہ (عرب کے جس علاقے کا نام ہے) اس کے مرکزی شہر کا نام الشجر ہے۔ یہ بالکل بنجر اور بن کھیتی کا اُجاڑ بیابان ہے، ان لوگوں کی زبان بھی کچھ نامفہوم سی ہے۔ ان کے مُلک میں نہ تو نخلستان ہی ہیں، اور نہ کسی قسم کی کھیتی، ان کی ساری دولت بس اونٹ ہیں اور بھیڑ بکریاں"

سوال یہ ہے کہ آخر ان مویشیوں کو وہ کھلاتے کیا تھے۔ اسی کا جواب ابنِ حوقل نے دیا ہے کہ:۔

"یہ اپنے اونٹوں اور تمام مویشیوں کو ایک قسم کی مچھلی کھلاتے ہیں۔ جو چھوٹی چھوٹی ہوتی ہے۔ نام اس مچھلی کا ورق ہے۔"

(ابن حوقل ص ۳۲)

لیکن اس لحمی خوراک کا ان کی مویشیوں پر کیا اثر مرتب ہوتا ہے؟ اس کا بھی جواب سُنیئے۔ وہی لکھتا ہے کہ:۔

"ان کے یہاں بختی قسم کے جو اونٹ ہیں۔ وہ اپنی چال میں بھی اور

Marfat.com

محنت و جفاکشی میں بھی دُنیا کے تمام بختی اونٹوں سے بہتر ہیں۔"

یہ حال تو اونٹوں کا ہوا۔ بھیڑ بکریوں کے دُودھ کی کیفیت یہ ہے کہ:۔

"ان ہی بکریوں اور بھیڑوں کے دودھ اور مچھلیوں سے ان کی زندگی ہے۔ ان کے سوا روٹی یا اس قسم کی دوسری غذاؤں سے وہ قطعاً ناواقف ہیں۔"

(ابنِ حوقل ص۳۲)

خورد و نوش کی اس بحث کو ختم کرتے ہوئے، کھانے پینے کی تہذیب جو اس زمانہ میں مسلمانوں میں مروّج تھی۔ اس کا ذکر بھی سُن لیجئے۔ فارس کے ذکر میں ابنِ حوقل نے لکھا ہے کہ:۔

"عام طور پر سلیقہ شعاری اور وضع کی پابندی ایک عام دستور رہے نیز باورچی خانوں، اور دستر خوانوں کے متعلق خاص سلیقہ سے کام لیا جاتا ہے۔"

یہ سلیقہ کیا تھا؟ اس کی تفصیل ان الفاظ میں کی گئی ہے:۔

"کھانا عموماً گھروں میں کثرت سے پکتا ہے، اور دستر خوانوں پر بھی جو کھانے چُنے جاتے ہیں۔ اُن کی تعداد بھی کافی ہوتی ہے لزوماً ہر کھانے میں میٹھا اور پھلوں کا ہونا ناگزیر ہے، دستر خوان بچھنے سے پہلے (مٹھائیاں اور میوے) پیش کیے جاتے ہیں۔ کھانے کے وقت دستر خوان پر گفتگو میں اس کا خاص لحاظ کیا جاتا ہے کہ شریفانہ درجہ سے گری ہوئی کوئی بات زبان سے نہ نکلے، بیحیائیوں

Marfat.com

کے اعلانیہ اظہار سے سخت پرہیز کیا جاتا ہے۔ گھروں کو بھی
اور دستر خوانوں کو بھی ہمیشہ پاک صاف رکھنے کی کوشش کی
جاتی ہے۔ اس میں گویا باہم ایک دوسرے سے مقابلہ کرتے ہیں۔"

(ابنِ حوقل ص ۲۰۶)

خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا عام طبقہ خواہ خالص اسلامی تعلیم سے جس حد تک بھی دور ہوتا چلا جا رہا ہو لیکن اعتدال کے جس نقطۂ عدل پر اسلامی تعلیمات کی بنیاد قائم ہے اسی کا اثر یہ تھا۔ اور میں تو خیال کرتا ہوں کہ اب تک اسی کے آثارِ باقیہ کا یہ نتیجہ ہے کہ دنیا کی قوموں میں بعض اقوام کو اگر ایک طرف اس حال میں دیکھا جا رہا ہے۔ کہ کھانے میں اب تک انہوں نے درخت کے ان پتّوں کے استعمال کو ترک نہیں کیا ہے جن پر شاید نسلِ انسانی کے ابتدائی طبقات نے کھانا کھانے کی ابتدا کی ہو گی۔ پینے میں اب بھی بجائے گلاس اور پیالے کے ہاتھ کے چلّوؤں سے پانی پینے کی مشق ان کا دلچسپ مشغلہ بلکہ شاید آرٹ ہے۔ پہننے میں پتّوں کے لباس کو تو انہوں نے چھوڑ دیا ہے۔ لیکن بے سلے کپڑوں کے پہننے پر ان کا اصرار اب تک باقی ہے۔ رہنے میں اس وقت تک ان کے بڑے سے بڑے خاندان کے لیے ایک دو کوٹھریاں کافی ہیں۔ بجائے دیواروں کے حجاب اور آڑ کا کام زیادہ تر رات کی تاریکیوں سے لیا جاتا ہے۔

الغرض زندگی کے ہر شعبے میں پستی اور تنزل کا جو آخری نقطہ ہو سکتا ہے اس وقت تک اس پر اڑے ہوئے ہیں اور اس سے ہٹنا نہیں چاہتے ان ہی کے مقابلہ میں بعض دوسری قوموں میں آلو کی ایک قاش گوشت کی ایک ایک بوٹی

Marfat.com

کے لیے منتقل پلیٹ کی کھانے میں ان کو ضرورت ہے۔ پانچ چھ آدمیوں کی ٹولی اس وقت تک کھانے کی میز پر بیٹھ نہیں سکتی جب تک چالیس پچاس پلیٹوں کا نظم نہ کر لیا جائے۔ یہی حال لباس کا ہے کہ صبح و شام دوپہر الغرض دن اور رات کے چوبیس گھنٹوں میں معمولی معمولی تغیرات پر خاص خاص وضع کے لباسوں کا بدلنا ان کے ہاں ضروری ہے۔ جن کپڑوں میں جاگتے ہیں اُن ہی میں سونا ان کے لیے ناممکن ہے۔

مکانوں کی کیفیت یہ ہے کہ ایک جوڑے کے لیے بھی ایسا مکان کافی نہیں ہوسکتا جس میں سونے، بیٹھنے، کھانے، آرائش و زیبائش، ملاقات اور اور خدا جانے کن کن چیزوں کے لیے الگ الگ کمرے نہ ہوں۔ خلاصہ یہ ہے کہ سابق الذکر قوموں کی پست زندگی کے مقابلہ میں انہوں نے اپنے عوام و خواص کی زندگی کو بلندی کے ایک ایسے نقطہ پر پہنچا دیا ہے کہ وہاں تک پہنچنے کی کوششوں نے ان کی زندگی کو ان پر دوبھر بنا دیا ہے۔ گویا باہر کی اس جنّتیت کی تعمیر سے اندر کو ایک دوامی جہنم کے قالب میں ڈھال دیا ہے۔

مگر آپ دیکھ رہے ہیں زندگی کے ان ہی شعبوں میں مسلمانوں کا اوّل سے آخر تک کیا حال رہا ہے۔ اس سلسلے میں بطور مثال کے مسلمانوں کے مکان اور لباس ہی کو لیجئے جس کے واقعات اور مشاہدات کافی حد تک گذر چکے ہیں۔

کپڑے کی حیرت انگیز پائیداری

بہر حال مکانوں کے متعلق مسلمانوں کا اس زمانہ میں جو عام مذاق تھا یعنے

Marfat.com

اس کا خیال رکھا جاتا تھا کہ بنانے والے پر خلود کے مغالطہ میں مبتلا ہو جانے کا الزام قائم نہ ہو۔ اور یہ کہ ویرانی کے بعد ان کے کھنڈروں کی شکل ڈراؤنی نہ بن جائے ٹھیک اسی کے مقابلہ میں لباس کے متعلق ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جہاں تک پائیداری اس میں پیدا ہو سکتی تھی اس کے پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ ابن حوقل وغیرہ نے اس زمانہ میں کپڑوں کے جو حالات بیان کیے ہیں۔ اگر ان پر اعتبار کیا جائے تو اس کے گویا یہ معنی ہوں گے کہ اپنی پوری زندگی میں تین چار دفعہ سے زیادہ لباس کی تیاری کی جھنجھٹوں میں مبتلا ہونے کی ان لوگوں کو شاید ضرورت نہ ہوتی ہوگی۔ آپ خود خیال کیجیے۔ اسی ابن حوقل کا بیان ہے کہ کسی ایک جگہ نہیں، بلکہ اس زمانے میں مختلف ممالک مثلاً یمن، عدن، اور ایران کے مختلف شہروں میں ایسے کپڑے بُنے جاتے تھے کہ اُن کی بقا کی مدّت۔

اقلہ من الخمس سنین الی العشرین سنۃ۔ (ص ۲۲۳) پانچ برس سے بیس برس تک ہوتی ہے۔

بیس بیس سال تک جو کپڑے باوجود کثرتِ استعمال کے نہ پھٹتے ہوں تو خود سوچئے کہ اس کا مطلب کیا ہوا۔ آدمی کی اوسط عمر ساٹھ سال اگر فرض کی جائے تو تین دفعہ سے زیادہ کیا لباس بنانے کی اُس کو ضرورت ہوگی؟ اور کم از کم پانچ سال جن کپڑوں کی زندگی کی مدّت اس نے بتائی ہے شاید اس کا مطلب یہ ہو کہ ان مقامات کے یہ کپڑے جو گھٹیا قسم کے ہوتے ہوں گے ان کی پائیداری کی مدت پانچ سال ہوتی ہوگی۔

ان ہی کپڑوں کے سلسلے میں ابنِ حوقل نے خراسان کے شہروں اور وہاں

Marfat.com

کے مختلف مصنوعات کا ذکر کرتے ہوئے سمرقند کے قریب ایک جگہ ویذار نامی تھی۔ اس کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ اور اس کی خصوصیت ہی یہ بیان کی ہے کہ مشہور سوتی کپڑا جو عموماً بازاروں میں "ویذاری" کے نام سے مشہور ہے وہ یہیں تیار ہوتا ہے۔ اس موقعہ پر جب میں پہنچا تو ہدایہ کا خیال آگیا۔ مختلف مقامات میں اس کتاب کے اندر بعض مسائل کے تذکرے کے سلسلے میں "ثوب ذاری" کا صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے۔ شروح و حواشی والے تو صرف اتنا لکھ کر گذر جاتے ہیں کہ ورایک مقام ہے جس کی طرف یہ کپڑا منسوب ہے۔ لیکن ابن حوقل سے اس کی تفصیل معلوم ہوئی اس نے لکھا ہے کہ:۔

"در اصل یہ ایک قسم کا "قطنی" (کوٹن) کپڑا ہے، سمرقند سے چھ میل پر ایک شہر ویذار نامی آباد ہے، اسی میں یہ بتایا جاتا ہے، اس کپڑے کی خوبی یہ ہے کہ بغیر دھوئے یونہی کارخانے سے نکلنے کے بعد بھی لوگ اس کو پہنتے ہیں۔"

جس سے معلوم ہوا کہ اس زمانے میں سوتی کپڑوں کو استعمال سے پہلے عموماً ان کو دھلوانا شاید ضروری تھا۔ بہرحال اس کے بعد اس کپڑے کی خصوصیتوں کو بیان کرتے ہوئے اس نے لکھا ہے کہ:۔

"رنگ اس کا مائل بزردی[1] ہوتا ہے، اور اس میں خاص قسم کی نرمی

---

[1] اسلامی عہد کے کپڑوں کی ایک یادگار جسے حکومتِ آصفیہ نے حال میں کچھ دن سے نئی زندگی عطا کرنے کی کوشش کی ہے اسے ہمرو کہتے ہیں اور آج کل اورنگ آباد (دکن) میں کچھ

Marfat.com

ہے، چھُونے میں اچھا معلوم ہوتا ہے، کپڑا ذرا موٹا اور دبیز ہے۔"

اور آخر میں سب سے بڑی خصوصیت اس کی بھی یہی بیان کی ہے، اور خود اپنا تجربہ لکھا ہے کہ :۔

"میں نے خود ایک سے زاید کپڑے اس کے پانچ پانچ سال تک استعمال کیے ہیں۔ خدا جانے پانچ سال کے بعد بھی وہ پھٹتے تھے یا تنگ آکر جیسے اس قسم کے کپڑوں کو آخر کو کسی کو لوگ دے دیا کرتے ہیں۔ ابنِ حوقل بھی کسی کو دے دیا کرتا ہوگا۔"

خیر یہ سب تو اپنی جگہ ہے مجھے اس سلسلہ میں جس چیز کا پیش کرنا مقصود ہے وہ ابنِ حوقل کا یہ فقرہ ہے :۔

ولیس بخراسان امیرًا ووزیر اوقاض او ثانی او عامی، او جندی الا یلبس الثیاب لوینذاریہ

خراسان میں نہ کوئی ایسا امیر ہے، نہ وزیر ہے، نہ قاضی ہے، نہ دفتری کارندہ، نہ عامی، نہ فوجی آدمی جو ان دیذاری کپڑوں کو

دنوں سے حکومت کی حوصلہ افزائیوں کی وجہ سے پھر تیار ہونے لگے ہیں، یہ واقعہ ہے کہ کچھ اس قسم کی بناوٹ اس کی ہوتی ہے کہ پھٹنے کا اس کے کوئی احتمال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں نے تو لوگوں کو دیکھا ہے کہ بالآخر تنگ آکر ہمرو کی شیروانیاں کسی کو وہ دے دیتے ہیں۔ کیونکہ آپ خواہ کچھ کیجئے، کسی طرح استعمال کیجئے، وہ نہ گھسنے کا نام لیتے ہیں اور نہ مسکنے کا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ اسی قسم کی چیز ان علاقوں میں بنتی تھی۔ ۱۲

استعمال نہ کرتا ہو۔ (ابن حوقل ص۴۰۳)

کپڑے یا جن چیزوں کے کپڑے بنتے تھے ان کے متعلق بعض جزئی باتوں کا ابن حوقل نے کہیں کہیں اور بھی تذکرہ کیا ہے۔ مثلاً تنینیز فارس کے ایک قصبہ کا ذکر کرتے ہوئے اور یہ لکھتے ہوئے کہ یہاں منبر بھی ہے وہ کہتا ہے کہ:۔

"اسی قصبہ میں کتان سے ایک خاص قسم کا کپڑا بنایا جاتا ہے جس کے متعلق بالاتفاق لوگ کہتے ہیں کہ عطر اور خوشبو کا اثر اپنی نرمی اور خوبی سے جس قدر قبول کیے رہتا ہے، یہ بات کسی اور کپڑے میں نہیں پائی جاتی۔" (ابن حوقل ص۱۷۵)

اسی طرح مختلف مقامات کے ذکر میں جہاں دوسرے مصنوعات کا تذکرہ کیا ہے، وہیں کپڑوں کی خاص خاص قسم جہاں جہاں بنتی تھی اُن کو بھی بتاتا چلا گیا ہے مثلاً تستر کے ذکر میں لکھتا ہے :۔

"یہیں وہ مشہور دیباج (ریشمین کپڑا) بنتا ہے جو ساری دنیا میں برآمد ہوتا ہے۔ اور بیت اللہ کے لیے ایک پردہ یہیں سے بن کر جاتا تھا۔" (ص۱۷۵)

یا مرو کے ذکر میں لکھتا ہے کہ:۔

"یہاں سے ابریشم اور ابریشم کے کودے برآمد کیے جاتے ہیں اور یہیں سے مرو کی وہ خاص روئی بھی برآمد ہوتی ہے جس کے بنے ہوئے کپڑے مرو کی طرح سارے جہان میں مشہور ہیں اور واقعہ بھی یہ ہے کہ ہے بھی یہ روئی حد سے زیادہ نرم ہ مرو میں اس روئی

Marfat.com

سے کپڑے بھی بُنے جاتے ہیں اور دُنیا کے مختلف حصّوں میں روانہ ہوتے ہیں۔"

(ابن حوقل ص ۳۱۶)

کابل اور بصنّیٰ کی پارچہ بافی

کابل کے ذکر میں بھی ابنِ حوقل لکھتا ہے کہ:۔

یرتفع من کابل ثیاب حسنة من قطن یعمل منها سنبیات وتدخل الی الصّین وتخرج الی خراسان وتبعث بالسّند و اعمالها۔

کابل سے بہترین سوتی کپڑے باہر بھیجے جاتے ہیں۔ سبنیات (انہی کابلی کپڑوں سے) بنتے ہیں۔ چین بھی جاتے ہیں، اور خراسان کی طرف بھی روانہ ہوتے ہیں، سندھ اور اس کے ملحقہ علاقوں میں بھی بھیجے جاتے ہیں۔

(ابنِ حوقل ص ۳۲۸)

اگر ابنِ حوقل اونی کپڑوں کا ذکر کرتا تو شاید مجھے تعجّب نہ ہوتا۔ اگرچہ اس وقت تو یہ بھی اچنبھے ہی کی بات ہو کر رہ گئی ہے۔ آنکھیں یہ دیکھنے کے لیے تو ترس ہی گئی ہیں۔ جیسا کہ ابنِ حوقل ہی نے خوزستان یعنی آہنواز، تستر، جند سابور وغیرہ ایرانی شہروں کا جو علاقہ ہے۔ اس میں بصنّیٰ نامی بھی ایک آبادی تھی وہ بھی پارچہ بافی میں مشہور مقام تھا۔ اسی کے متعلق لکھا ہے کہ:۔

وبصنی تعمل الستور المشهورة فی جمیع الارض المکتوب علیها

البصنیٰ میں وہی پردے بنتے ہیں جو روئے زمین میں مشہور ہیں، ان پردوں پر لکھا ہوتا

Marfat.com

"عمل یصنّیٰ" (ص ۱۷۵) ہے۔ "عمل یصنّیٰ"

کاش! پھر آنکھیں "میڈان مانچسٹر" اور "میڈان لنکاشائر" کی جگہ "عمل کابل" کپڑوں پر خواہ وہ ادنیٰ ہوتے لکھا دیکھیں، لیکن ادنیٰ تو ادنیٰ یہ مسلمان سیاح اپنی چشم دید گواہی یہ ادا کرتا ہے کہ کابل میں روئی کے کپڑے اتنی کثیر مقدار میں تیار ہوتے تھے جو وہاں کی مقامی ضروریات سے بچنے کے بعد ایک طرف مشرقِ بعید میں چین تک جاتے تھے اور خراسان و ہندوستان کی ضرورت بھی ان سے پوری ہوتی تھی۔ کیا اب وہی کابل ہے؟ یقیناً اس کی سرزمین بھی وہی ہے اور اس کا آسمان بھی وہی ہے اور کیا تعجب ہے کہ اسی سرزمین میں آسمان پھر اس تماشے کے دہرانے کا موقعہ عطا کرے لیکن سچ پوچھیے تو یہ "مصنوعات" کے عنوان کے درج ہونے کی چیزیں ہیں اور ان کے لیے الگ مضمون بلکہ شاید کتاب کی ضرورت ہے۔ انہی جغرافیائی مورخین کی کتابوں میں اس کا بہت کافی مواد ہے۔ طبیعت اگر کبھی موزوں ہوئی تو ممکن ہے کہ اس کام کو میں کبھی کر دوں ورنہ امید ہے کہ کوئی اور صاحب تھوڑی سی محنت برداشت کر کے اس کام کو پورا کریں گے۔ اس وقت تو لباس اور کھانے پینے کا ذکر ہو رہا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں میں ایک خاص قسم کا تمدّنی اشتراک مسئلہ لباس میں پایا جاتا تھا۔ یہی کیفیت ان کے اکل و شرب کی بھی ہے۔ جس کی ایک وجہ تو وہی تھی کہ اسلام نے جن چیزوں کے کھانے پینے کو حرام کر دیا تھا۔ عام اسلامی ممالک میں وہ حرام سمجھی جاتی تھیں۔

Marfat.com

مسلمانوں میں شراب سے بے رغبتی

ہاں بعض بد بخت سلاطین اور امراء نے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اور تو کسی چیز میں نہیں لیکن "شراب نوشی" میں افسوس ہے کہ اپنے آپ کو اسلامی حدود پر قائم نہ رکھا۔ اور ان ہی باتوں کو بتنگڑ بنا کر مورخین خصوصاً مغربی مورخین نے مزے لے لے کر پھیلانے کی کوشش کی ہے۔ لیکن ان تمام کتابوں میں جن کا میں ذکر کرتا چلا آرہا ہوں، ان کے مصنفین نے ہر طرح کی چیزوں کا ذکر کیا ہے۔ مگر مجھے یاد نہیں آتا کہ کسی جگہ کے مسلمانوں کی شراب خواری کا بھی انہوں نے تذکرہ کیا ہو۔ بلکہ ابنِ حوقل کا ایک لطیفہ اس موقعہ پر قابلِ ذکر ہے۔ ہندوستان ہی کے ساحلی شہروں کا تذکرہ کرتے ہوئے یعنی ماہل، سندان، صیمور، کھمبات، جہاں ظاہر ہے کہ اس وقت تک اسلامی حکومت قائم نہیں ہوئی تھی۔ صرف تھوڑے سے مسلمان آباد ہو گئے تھے ان ہی کے ذکر میں یہ لکھتے ہوئے کہ:۔

"ان شہروں میں جامع مسجدیں پائی جاتی ہیں۔ اور مسلمان اسلامی احکام کی پابندی علانیہ کرتے ہیں۔"

آگے یہ بیان کیا ہے کہ:۔

"ان شہروں میں ناریل کے درخت بھی ہیں۔ اسی ناریل سے سرکہ اور شراب بناتے ہیں۔ جس سے نشہ بھی پیدا ہوتا ہے اور المزر بھی یہ لوگ استعمال کرتے ہیں۔ جو مصر والوں کا نبیذ ہے۔"

لیکن معاً اس قصے کے بعد ہی وہ لکھتا ہے کہ:۔

Marfat.com

لا واللہ ما اعرف ولا رئیتہ ولا ادری ای شئی ھو ولا کیف کیفلیۃ ۔ (ابن حوقل ص ۲۳۱)	خدا کی قسم میں اس کو نہیں جانتا اور نہ اس کو دیکھا ہے اور نہ اس سے واقف ہوں کہ وہ ہے کیا چیز۔ اور اس کا مزہ کیسا ہے ۔

یہ فقرہ اس کے قلم سے بے ساختہ نکل گیا ہے ۔ میں نے جب اس کو پڑھا تو خیال آیا کہ مسلمانوں کے شہروں اور آبادیوں میں شراب نوشی اگر واقعی اسی قدر عام ہو چکی تھی جیسا کہ موجودہ شہروں کے مؤرخین لکھتے ہیں ۔ خصوصاً اسلامی تمدن کے علم کے مدعیٔ اعظم جرجی زیدان نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ :۔

"لیکن مسلمانوں کا عام گروہ سو وہ تو مسکرات اور نشہ آور چیزوں میں ڈوبا ہوا تھا ۔ اور ان کی مختلف قسموں کو وہ استعمال کرتا تھا یہی حال ان کا ہر زمانے میں تھا ۔ یعنے ان دنوں میں بھی جب ان کے حکّام مسکرات سے پرہیز کرتے تھے ۔ پھر خیال کرنا چاہیئے کہ ان کے حکّام ہی جب پینے لگے ، تو اب عوام کو کون روک سکتا تھا "

(التمدن الاسلامی ص ۱۲۴ جلد ۵)

یہاں کیا ؟ ہر جگہ زندگی کے ہر شعبہ میں ان لوگوں نے دانستہ یا نادانستہ طور پر یہی غلطی کی ہے ۔ وہ مسلمان سلاطین اور امراء پر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عام امت کو قیاس کر لیتے ہیں لیکن میں نے پہلے بھی کہا ہے اور اس وقت بھی یہی کہنا چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کی صحیح ذہنیت کا ان لوگوں کو اندازہ نہیں ہے ۔

Marfat.com

اب آپ دیکھئے کہ ابن حوقل جیسا کہ آدمی جس کی زندگی کا اکثر حصہ سیر و سیاحت ہی میں بسر ہوا ہے۔ وہ شہروں، قصبوں، دیہاتوں، الغرض ہر قسم کی آبادیوں میں گھومتا رہا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ عام مسلمانوں میں شراب نوشی کا رواج اگر اسی طریقہ سے ہوتا جیسا کہ اسلامی تمدن کے اس مدعیٔ علم نے دعویٰ کیا ہے تو اس کی نظر سے شراب کبھی نہ گذرتی اور اس کے حالات سے وہ اتنا ناواقف ہوتا؟ جیسا کہ اس نے بیان کیا ہے اور بالفرض مان لیا جائے کہ اس کا یہ بیان غلط ہی۔ حالانکہ اس کی کوئی وجہ نہیں ہے اس شدت کے ساتھ شراب کے متعلق اپنی ناواقفیت کا احساس یقیناً اس کا ایک بیّن ثبوت ہے۔ کہ عام مسلمانوں کو اس سے سخت نفرت تھی اور ان ہی کے جذبات کی رعایت سے وہ بیساختہ ان الفاظ کے لکھنے پر مجبور ہوا ہے۔

عام مسلمانوں میں شراب نوشی کا عمومی رواج کسی اسلامی ملک میں کبھی نہیں رہا ہے۔ یوں چھپ چھپا کر پینے والے پیتے ہوں۔ لیکن کھلے بندوں دوسری جائز چیزوں کی طرح مسلمانوں نے شراب اور نشہ آور چیزوں کو کبھی استعمال نہیں کیا ہے ہاں! نبیذ کا رواج بعض ممالک میں رہا ہے لیکن اس کو الخمر کہنا غلط ہے اور یہ ایک شرعی مسئلہ ہے جس کی تفصیل کا یہاں موقعہ نہیں ہے نبیذ کو شراب قرار دینا ایسا ہی ہے جیسے سرکہ کو کوئی شراب ٹھہرائے۔ کیونکہ سرکہ ہو یا شراب یا نبیذ، ایک ہی چیز کے مختلف مدارج کی تعبیر ہے۔ صفات کے بدلنے سے احکام بھی بدل جاتے ہیں۔

بہرحال دروغ بیانی کی تہمت خواہ مخواہ ایک شخص پر جوڑنے کی ضرورت

Marfat.com

نہیں خصوصاً جب ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ابنِ حوقل نماز روزے کا بھی پابند تھا وہ بلغار جو روس کے قریب دریائے اتل پر تاتاری مسلمانوں کا قدیم پرانا شہر ہے، ابن بطوطہ نے تفصیل کے ساتھ جس کا حال اپنے سفرنامے میں بیان کیا ہے اُسی شہر کے متعلق اوقاتِ نماز کا جو مسئلہ ہے اُسی کا تذکرہ کرتے ہوئے ابنِ حوقل نے بھی لکھا ہے کہ:-

"گرمیوں میں ان لوگوں کے یہاں رات اتنی ہی مختصر ہوتی ہے کہ چھ میل بھی آدمی آسانی سے چل نہیں سکتا جس سے اس کی تصدیق ہوتی ہے اور میں نے اس کا خود مشاہدہ کیا ہے۔ میں سردیوں کے موسم میں ان لوگوں کے پاس پہنچا تھا۔ دن ان لوگوں کا اتنا ہی مختصر اس زمانے میں تھا کہ دن کی چاروں نمازیں (صبح۔ ظہر، عصر، مغرب اس طرح ہوتی تھیں کہ مسلسل ایک نماز کے بعد دوسری نماز ہم اس طرح پڑھتے جاتے تھے کہ درمیان میں اذان اور اقامت کا وقفہ ہوتا تھا" لہ (ابنِ حوقل ص۲۸۵)

بہرحال میرے نزدیک یہ قطعاً غلط خیال ہے کہ سلاطین اور امراء کی شراب نوشی

لہ گویا اس کے معنی یہی ہوئے کہ چاروں نمازیں ایک ساتھ ان لوگوں کو پڑھنی پڑتی ہوں گی۔ اور اس کے بعد رات ہوجاتی ہوگی۔ اس وقت عشاء کی نماز پڑھ کر فارغ ہوجاتے ہوں گے۔ زندگی کا نظام ان لوگوں کا بھی کوئی ہوگا۔ خدا ہی جانتا ہے کہ آخر اتنی لمبی چوڑی رات کیسے گذارتے ہوں گے۔ بظاہر کاروبار زیادہ تر راتوں ہی کو انجام دیتے ہوں گے ۱۲

Marfat.com

پر قیاس کر کے یہ حکم لگا دیا جائے کہ عموماً مسلمان بھی مسکرات میں ڈوبے ہوئے تھے۔"

سسلی کے مسلمانوں کی عاداتِ قبیحہ

ہم دیکھتے ہیں، اسی ابنِ حوقل کو دیکھتے ہیں کہ وہ اس قسم کے جزئیات تک کو تو بیان کرتا ہے۔ مثلاً "سسلی کے مسلمانوں کا حال بیان کرتے ہوئے اس نے لکھا ہے:۔

"یہاں کے باشندے کثرت سے پیاز کھاتے ہیں۔ ان لوگوں کے حواس کی خرابی کا سبب بھی پیاز خوری ہے، بالکل کچی پیاز یہ چباتے رہتے ہیں۔ ان میں ایسا کوئی نہیں ہے جو کچّی پیاز روز نہ کھاتا ہو۔ بلکہ ہر گھر میں ہر صبح و شام یہ پیاز کھاتے رہتے ہیں اوپر سے نیچے تک باشندوں کے ہر طبقہ میں اس کا عام رواج ہے، دراصل اسی چیز نے ان کے تخیل کو بگاڑ دیا ہے۔ اسی نے ان کے دماغوں کو بری طرح متاثر کیا ہے، حواس اس کے ٹھکانے نہیں ہے۔ عقلیں ان کی الٹ پلٹ گئی ہیں۔ سمجھ بگڑ گئی ہے۔ چہرے کی رونق بھی اسی کے استعمال نے اڑا دی ہے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ واقعات کی صحیح صورت ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔" (ابنِ حوقل ص ۸۷)

اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جس نے پیاز کے متعلق اتنی باتیں لکھی ہیں۔ جن لوگوں میں شراب نوشی کی عام عادت وہ پاتا کیا اس کا ذکر وہ ترک کر دیتا۔ میرے

Marfat.com

خیال میں ان لوگوں کا ذکر نہ کرتا یقیناً اس کی دلیل ہے کہ عام مسلمانوں میں شراب نوشی کا عمومی رواج کسی اسلامی ملک میں کبھی نہیں رہا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اچھی بات ہو یا بری، مسلمان مؤرخین چونکہ محض واقعات کا اظہار اپنا فرض سمجھتے تھے کسی خاص مضامین کو پیش نظر رکھ کر کتابیں نہیں لکھا کرتے تھے۔ جیسا کہ اس زمانے کا دستور ہے اس لیے وہ کسی چیز کو نہ چھپاتے ہیں اور نہ واقعات کو بڑھا کر نمک مرچ لگا کر بیان کرنے کے وہ عادی ہیں۔ آپ دیکھئے یہی ابن حوقل ہے مغربی افریقہ کے شہر سوس کے مسلمانوں میں اُس نے جو باتیں دیکھی تھیں بے کم و کاست بیان کر دیں۔ وہ لکھتا ہے کہ:۔

"اس شہر کے باشندے دو فرقوں میں منقسم ہیں ایک موسویہ کے نام سے مشہور ہے اور موسیٰ بن جعفر کے معتقد ہیں۔ ان کے مزاج میں سختی اور طبیعت میں گنوار پن پایا جاتا ہے اور دوسرا فرقہ سنیوں کا ہے جو امام مالکؒ کے پیرو ہیں"

اس کے بعد جو واقعہ ہے ان الفاظ میں اس کا اظہار کرتا ہے:۔

"ان دونوں فرقوں میں رات دن لڑائی جھگڑے ہوتے رہتے ہیں اور دوامی خونریزی ان میں جاری رہتی ہے۔ ان کی ایک ہی مسجد ہے جس میں دونوں فرقے کے افراد اپنی اپنی نمازیں جدا جدا ادا کرتے ہیں۔ جب ایک فرقہ والے نماز ادا کرتے ہیں۔ تب دوسرے فرقے والے آتے ہیں، اذان دیتے ہیں اور اقامت کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں۔ گویا ان کی مسجد میں دس اذانیں اور دس اقامتیں ہوتی ہیں۔ ان میں جو مالکی ہیں وہ موسویوں سے (جو شیعہ ہیں) طبیعت کی سختی میں اور اخلاق کی خرابی میں اسی قدر

Marfat.com

بڑھے ہوئے ہیں۔ جتنی ان کو فارغ البالی حاصل ہے۔ جہل اور غصہ میں حد سے گذر جاتے ہیں۔" (ص ۶۶)

اسی سے مسلمان مورخین کی سادگی اور صداقت کا اندازہ ہوتا ہے اور جیسے اس نے سوس کے مسلمانوں کا یہ حال بیان کیا ہے۔ اگرچہ اسی سے یہ بھی ثابت ہوتا کہ اس قسم کے مذہبی جھگڑوں کی نوعیت مسلمانوں میں بعض خاص خاص مقامات ہی تک محدود تھی۔ مجھے یاد نہیں پڑتا ہے کہ سوس کے سوا ابنِ حوقل یا اسی سلسلہ کے دوسرے مورخین نے اسلامی فرقوں کے باہمی اختلافات کے نتائج کے متعلق اس قسم کی باتیں کہیں اور بیان کی ہیں۔ یعنی خونریزی تک نوبت پہنچ جاتی ہو۔ میری نظر سے اس نظیر کسی دوسرے اسلامی ملک کے متعلق نہیں گذری ہے۔ ہاں! سسلی کے منحوس مسلمانوں کی پیاز خوری کی بدعادت کے سلسلے میں اسی ابن حوقل نے ایک بات یہ ضرور لکھی ہے۔ یعنی پہلے تو یہ بیان کیا ہے کہ سسلی کے مسلمانوں کی کثرتِ آبادی کا اندازہ ان کی اس مسجد سے ہوتا ہے کہ:۔

"جس کا میں نے اندازہ کیا تو مجھے یہ محسوس ہوا کہ بھر جانے کی صورت میں سات ہزار اور کچھ زاید نمازیوں کی گنجائش اس مسجد میں پیدا ہو سکتی ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ اس مسجد میں میں نے دیکھا کہ نماز کے لیے ۳۶ صفوں سے زیادہ صفیں قائم ہوتی ہیں۔ اور ہر صف میں ۲۰۰ آدمیوں سے زیادہ گنجائش نہیں ہے۔"

لیکن اسی کے ساتھ اس نے بیان کیا ہے کہ:۔

"اس شہر میں اسی ۸۰ مسجدیں ہیں۔ جن میں کچھ تو اپنی اصلی حالت میں

Marfat.com

قائم ہیں اور کچھ شہید ہو گئی ہیں۔ ان سے شہر بھرا پڑا ہے۔ فصیل کے اندر اور فصیل سے باہر، عام محلّوں میں ہر جگہ مسجد ہی مسجد ہے۔"

آخر میں مساجد کی کثرت کی وجہ سے یہ بیان کرتا ہے۔ وہیں کے ایک عالم جن کا ابو محمد القفصی الفقیہ الوثائقی نام تھا اور غالباً ابن حوقل کے میزبان بھی تھے انہی سے مسجدوں کی کثرت کی وجہ اس نے پوچھی کہ اتنے قریب قریب میں لوگوں نے یہاں کیوں بلا ضرورت مسجدیں تعمیر کی ہیں تو اس سے کہا گیا کہ :۔

"یہاں کے باشندوں کے دماغ میں نخوت کی ہوا بھری ہوئی ہے اسی لیے ان میں ہر ایک یہی چاہتا ہے کہ اس کی مسجد الگ ہو۔ کسی دوسرے کی شرکت اس میں نہ ہو۔ بس خود اور اس کے گھر کے لوگ اور خدام و حاشیہ نشینوں کے سوا اس میں کوئی دوسرا نہ رہے۔"

پھر اپنی چشم دید شہادت بیان کرتا ہے :۔

"بسا اوقات دو حقیقی بھائی جن کے مکانوں کی دیواریں ایک دوسرے سے ملی ہوتی ہیں۔ لیکن ہر بھائی کی مسجد الگ ہے، ہر ایک نے اپنے لیے الگ مسجد تعمیر کرائی ہے۔" (ص ۸۴)

پھر ان ہی فقیہ صاحب کے متعلق (جن کا ابن حوقل مہمان تھا) بیان کرتا ہے کہ :۔

"ایک تیر پرتاپ کے فاصلہ میں دس مسجدیں مجھے نظر آئیں، ان ہی مسجدوں میں ایک مسجد تو وہ ہے جس میں ابو محمد القفصی نماز پڑھتے ہیں، اور بیس قدم کے فاصلہ پر اس مسجد سے ایک اور مسجد ان ہی فقیہ صاحب کے صاحبزادے کی ہے۔ یہ مسجد صاحبزادے صاحب کے لیے

Marfat.com

تعمیر کرائی گئی ہے تاکہ اس میں وہ تعلیم حاصل کریں لیکن دراصل غرض ان میں سے ہر ایک کی صرف یہ ہے کہ فلاں کی مسجد کے نام سے یہ مسجد مشہور ہو۔ اس کے سوا اور کوئی دوسری نیت نہیں ہوتی "۔ (ص ۸۴)

خراسانی مسلمانوں کا دینی جذبہ

میں نے غالباً پہلے بھی ابن حوقل کے حوالہ سے لکھا ہے۔ یعنی ایک طرف تو وہ اس زمانہ کے خراسانی مسلمانوں کی تعریف میں رطب اللسان ہے کبھی لکھتا ہے کہ :-

"جہاد کرنے میں ان خراسانی مسلمانوں سے اپنی طاقت و قوت، جوش کے لحاظ سے اسلامی ممالک میں کوئی ملک ان کے جوڑ کا نہیں ہے "

کبھی لکھتا ہے کہ :-

"ان میں جن لوگوں کا حکومت سے کسی قسم کا تعلق نہیں ہے، ان کا بھی حال یہ ہے کہ باوجود اتنی بُعد مسافت کے حج کا انتہائی ذوق ان لوگوں پر غالب ہے۔ صحرا کے (جو خراسان اور عرب کے درمیان واقع ہے) قطع کرنے میں ان سے زیادہ جری کوئی نہیں ہے "

مسلمانوں کے زوال کے آثار

بہرحال ان کی شجاعت، بہادری، مہمان نوازی، دینداری کی تعریف کرتے

Marfat.com

ہوئے ان ہی کے مقابلہ میں وہ اندلس میں چوتھی صدی کے مسلمانوں کا حال ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ یعنی ان کی رفاہیت و دولت و ثروت سب کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:۔

"اس جزیرے کا یہ عجیب حال معلوم ہوتا ہے۔ تعجّب ہوتا ہے کہ ان کا قبضہ اس ملک پر باقی کیسے ہے؟ یعنی عقلیں ان کی اتنی کوتاہ ہیں، اور قوت، دلیری، بہادری، شہسواری، بے جگری، اس قسم کے تمام صفات جن کی ضرورت میدانِ جنگ میں لڑنے والوں سے مقابلہ کرتے وقت پڑتی ہے، ان سے انہیں دُور کا بھی تعلق نہیں ہے"

پھر اندلسی مسلمانوں کی پیشانی کی لکیروں کو پڑھ کر جو باتیں اُس کے خیال میں آئیں اُن کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:۔

"مغرب میں اگرچہ دولت و امارت کے لحاظ سے ان قرطبہ والوں کے برابر کسی دوسری جگہ کے لوگ نظر نہیں آتے، ان کے لباس بہترین ہیں زیوروں کی ان کے یہاں کثرت ہے، اگرچہ دیکھنے میں وہ کچھ اچھے نہیں معلوم ہوتے مگر باوجود اس کے اس شہر کی فوج میں مجھے کوئی ایسی بات نظر نہ آئی جو آنکھوں کو بھلی معلوم ہو، نہ ان بیچاروں کو شہسواری آتی ہے، نہ اس کے قواعد قوانین سے بہ واقف ہیں، نہ بہادری کا کوئی جذبہ ان میں ہے"

پھر چند سطروں کے بعد لکھتا ہے کہ:۔

"ان کے لباس بڑے پاکیزہ صاف ستھرے ہیں۔ زندگی بڑے

Marfat.com

عیش و تنعم کی ہے اور عوام تک کو حاصل ہے، قریب قریب ہر ایک ان میں خدام سے کام لینے کا عادی ہے، بہت کم ان میں ایسے ہیں ایک گھر سے دوسرے گھر یا شوہر اپنے گھر سے بیوی کے گھر بغیر سواری کے جاتا ہو، اور سواری بھی بڑی شان و شوکت کی ہونی چاہیئے یہ لوگ محنت اور پیدل چلنے کے عادی نہیں ہیں۔ زیادہ سے زیادہ مزدور اور نچلے طبقے کے لوگ پیدل چلتے ہوں تو چلتے ہوں لیکن سواری میں ان کی زیادہ تر خچر استعمال ہوتے ہیں۔ خچروں کے متعلق یہاں کے باشندوں میں مقابلہ جاری ہے اور جس کے پاس جتنے زیادہ خچر ہوں اس پر اسے ناز ہوتا ہے۔"

پھر ان خچروں کے متعلق کچھ دوسری باتیں، کہ کہاں سے لائے جاتے ہیں اور کہاں کہاں یہ پیدا ہوتے ہیں۔ آخر میں لکھتا ہے:۔

"میں نے خچروں کو اس شہر میں دیکھا کہ ان کی قیمت پانچ پانچ سو دینار تک پہنچ جاتی ہے۔ باقی سو دو سو اشرفیوں کی قیمت والے تو ان کی نہ حد ہے نہ شمار۔ مگر یہ لوگ خچروں میں یہ نہیں دیکھتے کہ چلنے میں تیز ہے یا نہیں، یا چال اس کی کیسی ہے۔ بلکہ صرف یہ دیکھتے ہیں کہ جسم ان کے بھاری بھر کم ہیں، اور نقش و نگار ان کے کیسے ہیں۔ دیکھنے میں خوبصورت معلوم ہوتے ہیں یا نہیں، پیٹھ ان کی اونچی ہے یا پست، ہڈے پینچے مضبوط ہیں یا نہیں" (ابن حوقل ص ۹)

اگرچہ کچھ غیر ضروری امور کا ذکر یہاں آگیا۔ لیکن مجھے دو باتیں ثابت کرنی تھیں، ایک تو

Marfat.com

مسلمان مؤرخوں کے طریقۂ بیان کی خصوصیت کا اظہار مقصود تھا۔ یعنی محض اس لیے کہ اپنی قوم کا حال ہم چونکہ بیان کر رہے ہیں اس لیے وہ ایسا نہیں کرتے کہ صرف ان کے اچھے پہلو کو نمایاں کر کے کمزور پہلوؤں پر ان کے پردہ ڈال دیں۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ جس علاقے کے مسلمانوں میں جو باتیں ان کو نظر آتی ہیں، بلا رورعایت وہ ان کو بیان کرتے چلے جاتے ہیں اور دوسری بات جس سے ان کی بصیرت اور روشن ضمیری کا ثبوت ملتا ہے، سسلی اور اندلس کے مسلمانوں میں تباہی کے آثار کا احساس ہے جو ان کو اسی زمانے میں ہو چکا تھا جس کا تماشہ چند ہی دنوں بعد دیکھا گیا اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان جس علاقے میں بھی تباہ ہوئے ہیں۔ اپنے ہی ہاتھوں تباہ ہوئے ہیں چوتھی صدی ہجری کا زمانہ، اندلس اور سسلی کے مسلمانوں کا وہ زمانہ تھا کہ عروج کے بعد زوال کی طرف وہ تیزی سے جا رہے تھے، بہ ظاہر ابھی ان کی شان و شوکت میں کمی نہیں ہوئی تھی لیکن اسلامی مؤرخ کی نگاہوں کے سامنے ان کا انجام جھانک رہا تھا۔ بخلاف خراسان کے مسلمانوں کے کہ ان کے اقبال کا آغاز تھا۔ نتائج نے دونوں کے متعلق ان مورخین کی رائے کی تصدیق کی، بعد کو خراسانی مسلمانوں کو بھی وہی عوارض لاحق ہوئے جن میں مغرب کے مسلمان مبتلا ہو چکے تھے۔ پھر ان کا انجام بھی ان کے سامنے آگیا۔

"وما ظلمناھم ولکن کانوا انفسھم یظلمون

ایک موقعہ پر ابن حوقل قدرت کے اس اٹل قانون یعنی:۔

فاکثروا فیھا الفساد فصب علیھم ربک سوط عذاب۔ (سورۃ الفجر)

پھر بگاڑ کر انہوں نے بڑھا دیا (یعنی غالب کر دیا) پس برسائے تیرے رب نے ان پر عذاب

Marfat.com

کے کوڑے۔ (سورۃ الفجر)

خود بھی اعادہ کیا ہے اور اپنی چشم دید شہادت اس نے پیش کی ہے۔ جب اس بحث کی طرف بھٹکے ہوئے میں آ ہی گیا ہوں تو اس کا ذکر بھی کیوں نہ کردوں، واقعہ بڑا عبرت ناک ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ابنِ حوقل جب آذربائیجان پہنچا ہے اور اس علاقے کے سب سے اہم مرکزی شہر اردبیل میں داخل ہوا ہے تو اس وقت وہاں اس کو عجب تماشا نظر آیا لکھتا ہے کہ:۔

"اس شہر کے اردگرد ایک عجیب و غریب فصیل کی دیوار محیط تھی لیکن ۳۳۱ھ میں اس عجیب و غریب شہر پناہ کو سالار مرزبان بن محمد بن مسافر نے توڑ پھوڑ کر زمین کے برابر کر دیا"

اور خود نہیں توڑا بلکہ عبرت کا مقام ابنِ حوقل ہی کے بیان کے مطابق یہ ہے کہ:۔

"مرزبان بن محمد بن مسافر نے جب اس شہر پر حملہ کیا اور شہر والوں نے تنگ آ کر امان مانگی تو صلح کی شرائط میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ اس شہر کے باشندے اپنے ہاتھوں سے اپنے شہر کی اس فصیل کو توڑ دیں گے جو ان کے کبر و ناز کا سب سے بڑا سرمایہ ہے"

اس کا بیان ہے کہ:۔

"پھر خود اس شہر کے بڑے بڑے تاجر اور خوشحال باشندوں کے ہاتھوں میں یہ دیوار تڑوائی گئی اور اس طور پر منہدم کرائی گئی کہ شہر کے

Marfat.com

معززین، اربابِ جاہ و جلال اپنے ہاتھوں میں پھاوڑے کے لیے ان ہی کپڑوں میں جو عطریں بسے ہوئے ہوتے، آتے ان کے ساتھ شہر کے تاجر بھی ہوتے، دیوار کو گراتے اور اپنی قیمتی طیلسانوں اور عباؤں اور جبّوں میں بھر بھر کر مٹی اور پتھر پھینکتے۔ حالانکہ ان میں اس بوجھ کے اُٹھانے کی صلاحیت بھی نہ ہوتی اس لباس میں جس میں ایک دوسرے سے مقابلہ کر رہے تھے، اس کام کو انجام دینا پڑا۔ تا ایں کہ پوری دیوار اس طرح غائب ہوگئی کہ گویا اب اس کا نشان پتہ بھی نہیں ہے اور اس کے بعد ان کے پاس جو کچھ تھا۔ وہ بھی رفتہ رفتہ سالار کے شدید مطالبات کی بنیاد پر ختم ہوگیا۔"

اس دردناک قصّے کو بیان کرنے کے بعد وہ لکھتا ہے:-

"یہ سب جو کچھ بھی ہوا۔ درحقیقت خود اس شہر کے باشندوں کے طرزِ عمل کا نتیجہ تھا۔ ان میں بدترین قسم کا تمرّد اور بُری طرح کی سرکشی پھیل گئی تھی دھوکہ اور فریب کو انہوں نے اپنا شعار بنا لیا تھا۔ ان لوگوں نے شیطان کے دامن کو تھام لیا تھا۔ عصیان اور شورش کو انہوں نے اپنا طریقۂ کار بنا لیا تھا۔ مسافروں کا مال ان کے یہاں لوٹا جاتا تھا اور ان بے چاروں کا خون گویا مباح تھا۔"

آخر میں اس شہر کے باشندوں کی اخلاقی تباہی کا ایک جزئی قصّہ بھی نقل کیا ہے۔ لکھا ہے کہ:-

"ایک سے زیادہ آدمیوں نے مجھے یہ قصّہ سنایا ہے کہ اس زمانہ

Marfat.com

کا حال یہ تھا کہ قصاب کی دکان پر لوگ گئے ہیں جو گوشت وہ دے رہا ہے اگر خریدار کے منہ سے اتفاقاً یہ نکل گیا کہ بجائے اس کے دوسرے عضو کا گوشت دو بس قصاب آپے سے باہر ہو جاتا اور اور بیچارے خریدار کی چادر پھاڑ پھاڑ کر اس کی دھجیوں کو گوشت پر ڈال دیتا۔ یا کبھی خریدار کی آستین نوچ لیتا یا اس کے رومال کو پرزے پرزے کر کے شرارت اور بدمعاشی سے بجائے گوشت کے اسی کو گوشت پر ڈال دیتا۔ یہ تھا ان لوگوں کے طغیان اور سرکشی کا حال"

ابن حوقل نے اس کے بعد لکھا ہے کہ :۔

"پس خدائے حلیم کے حلم نے کچھ دن ان لوگوں کو ڈھیل دی۔ لیکن کب تک۔ آخر قدرت کے قانون کی چکی گھومی، اور اب یہ شہر اپنے منہ کے بل گرا پڑا ہے یعنی جس حال میں تھا اس حال کے لحاظ سے گویا کھنڈر ہی بن گیا ہے" (ابن حوقل صد ۲۳۸)

اسلامی ممالک میں غیر مسلموں کے حقوق

مگر اسی کے ساتھ جہاں دوسرے قسم کے واقعات نظر آئے ہیں انہیں بھی بیان کرتا ہے آرمینیہ میں جب پہنچا ہے تو وہاں کے حالات درج کرتے ہوئے اس نے لکھا ہے کہ :۔

"اس علاقے میں زیادہ تر عیسائی آباد ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن میں بنی امیہ

Marfat.com

دیبنی عباس والوں ہی کے زمانے سے کچھ معاہدات ہو گئے تھے اور اُن ہی معاہدات کی بنیاد پر یہ اب تک اپنے وطن پر قابض ہیں۔ البتہ معاہدات کی رُو سے جو مطالبات ان کے ذمّہ عاید ہوتے ہیں انہیں ادا کرتے ہیں۔ خراج کے طور پر ہر سال حکومت میں مقررہ رقم پیش کرتے ہیں"

پھر کچھ اور حالات کا تذکرہ کرنے کے بعد اُس نے لکھا ہے کہ:۔

"۳۲۵ھ تک یہ میرا مشاہدہ ہے کہ اُن سے جو معاہدہ کیا گیا ہے اور جن جن باتوں کی ذمہ داری لی گئی ہے۔ ان کی پوری پوری پابندی کی جاتی ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ مذکورہ بالا سن تک میں نے دیکھا کہ اس علاقے کے غلاموں کو بغداد میں نہیں خریدا جاتا اور نہ کوئی ان کی خریداری کو جائز سمجھتا ہے جس کی وجہ وہی ہے کہ اُن سے عقدِ ذمّہ کا معاہدہ ہے[1]" (ابن حوقل ص ۲۴۵)

---

[1] موجودہ تاریخ کی کتابوں میں ایک ایسا نقشہ مسلمانوں کے تمدّن کا کھینچا گیا ہے کہ وہ ساری دنیا کی قوموں کو زبردستی پکڑ پکڑ کر لاتے ہیں اور اپنا غلام اور اپنی لونڈیاں ان کو بناتے ہیں۔ مجھے اس سے انکار نہیں ہے کہ غلام اور لونڈی بنانے کا رواج مسلمانوں میں ضرور تھا لیکن اس کے بھی کچھ قوانین تھے۔ قاعدے تھے اور مسلمان ان کی پابندی کرتے تھے جس کی ایک معمولی سی شہادت ابن حوقل کا بھی بیان ہے میں تو حیران ہوں کہ آج بھی جب یہی دیکھا جا رہا ہے کہ لوگ بڑے بڑے کارخانے جو قائم کرتے ہیں یا کانوں کی کھدائیوں کا کام اور اسی قسم کے

Marfat.com

بہرحال جہاں اردبیل کے مسلمانوں کی بے آئینی کا حال اس نے
بیان کیا ہے، اسی کے ساتھ آپ دیکھ رہے ہیں کہ جہاں کے

دوسرے کاروبار جو کرتے ہیں تو لاکھوں لاکھ انسانوں کو ان کے گھر سے، در سے، ماں سے باپ سے، چھڑا کر ہی تو مزدوروں کی شکل میں کام لیتے ہیں، آپ ان علاقوں میں چلے جائیے جہاں اس قسم کے کاروبار کے مراکز قائم ہیں۔ انسانوں کی بھیڑ نظر آئے گی۔ جن کو کچھ خبر نہیں کہ وہ کہاں کے تھے کس قوم کے تھے، پیٹ بھرنے لگا۔ زندگی کی ضرورتیں پوری ہونے لگیں۔ بس وہیں رہ پڑے۔ بھول کر بھی ان کو نہ اپنا وطن یاد آتا ہے نہ اقرباء و اعزہ کا خیال آتا ہے اپنے حالات میں مست رہتے ہیں۔ کیا واقعہ یہ ہے کہ اُس زمانے میں بھی ان غلاموں اور لونڈیوں کا یہی حال تھا؟ بلکہ سچ پوچھئے تو ان مزدوروں سے زیادہ بہتر حال میں عموماً ہوتے تھے۔ کیونکہ جن سے ان کا تعلق ہو جاتا ہے اس گھر کے وہ ایک ممبر بن جاتے تھے ان کے ساتھ اسی قسم کا برتاؤ کیا جاتا تھا جیسے گھر کے کسی آدمی سے کیا جاتا ہے۔ ان کی بیماری، آزاری، ہر حال میں ان کا آقا ان کی خبر لیتا تھا۔ ان کی شادی بیاہ، ان کے بچوں کی پرورش، سب کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ اسی لیے یہ غلام بھی اپنے آقاؤں کے بہی خواہ بن جاتے تھے۔ یہی خواہیاں بسا اوقات ان کو بلند سے بلند مقام تک پہنچا دیتی تھیں۔ اس زمانے کی تاریخ پڑھیئے آپ کو معلوم ہوگا کہ غلامی بھی عروج اور ارتقاء کا ایک راستہ بنا ہوا تھا، اسی راہ سے معمولی معمولی مناصب ہی نہیں بلکہ وزارت اور کتنے بادشاہی کے مقام تک ترقی کر کے پہنچے ہیں۔ میرے خیال میں تو اس لحاظ سے ان غلاموں کا حال موجودہ زمانے کے کارخانوں کے مزدوروں سے یقیناً بہتر تھا۔ استثنائی حالات کو میں نہیں کہتا لیکن عمومی طور پر مسلمان اپنے غلاموں کے

Marfat.com

باشندے آئین و قانون کے پابند ہیں ان کا اظہار بھی اس نے کر دیا ہے۔

کتاب گو اب ختم ہو رہی ہے۔ لیکن ان مسلمان سیاحوں کی ان کتابوں میں اور مفید معلومات کا ابھی ایک ذخیرہ باقی ہے۔ ممکن ہے کہ "معلومات" کے کسی دوسرے حصہ میں ان کا ذکر کیا جائے لیکن اسی حصہ کو ختم کرتے ہوئے چند باتیں اور سن لیجئے۔

ساتھ اچھا ہی برتاؤ کرتا تھا۔ اسی طرح ذمّی اقوام جو مسلمانوں کی حکومت میں عہدِ ذمہ کو قبول کر کے آباد تھے اُن کا حال تو بسا اوقات عام مسلمانوں کے مقابلہ میں قابلِ رشک ہوتا تھا۔ ابنِ حوقل جب سمرقند کے علاقے میں پہنچا ہے تو خود اس کو بھی دیکھ کر حیرت ہوگئی، یعنی وہ زمانہ یہ تھا کہ جب مسلمانوں کے جلال و جبروت کا پھریرا اس علاقے میں اڑ رہا تھا۔ لیکن انہی دنوں میں وہ بیان کرتا ہے کہ "ساوٗدار" کا ایک خطہ ہے جو عیسائیوں سے آباد اور معمور ہے اس خطہ میں ان کا ایک بڑا مجمع بسا ہوا ہے، ان کے یہاں متعدد کلیسے ہیں جن میں میں نے عراق کے بعض عیسائیوں کو بھی پایا۔ انہوں نے ان کلیساؤں کا انتخاب اس لیے کیا ہے کہ یہاں کی خوشگوار آب و ہوا میں زندگی گذارنے کا موقعہ ملے، ان کلیساؤں پر اوقاف ہیں یہ بلند مقامات پر بنے ہوئے ہیں۔ دریائے سغد کی طرف سب کا رخ ہے۔ اس مقام کا نام "یوزکرد" ہے ساوٗدار جس کا میں نے ذکر کیا کہ اس میں عیسائی آباد ہیں، اس کے مختلف کشادہ وسیع حصے ہیں سب میں نہریں جاری ہیں۔ جو مزارع میں بہ بہ کر گرتی ہیں۔ درمیان میں ان میدانوں کے بڑا پرفضا حسین منظر ہے۔ بکثرت ہر طرف ہر قسم کے شکار کے جانور کلیلیں کرتے رہتے ہیں۔ بڑا آباد سرسبز علاقہ ہے، زندگی کی تمام مسرتوں سے معمور ہے۔ (ابن حوقل ص ۳۷۲)

Marfat.com

ایران اور پارسی قوم

عام طور پر مشہور کر دیا گیا ہے کہ ایران پر مسلمانوں کے قبضہ ہونے کے ساتھ ہی پارسی قوم اس ملک میں باقی نہیں رہی۔ کہا جاتا ہے کہ اسی زمانہ میں ان کا ایک بچا کھچا قافلہ ہندوستان آکر پناہ گزین ہو گیا۔ جس سے اس وقت اس قوم کا دنیا میں نام و نشان باقی ہے۔ مگر یہ تو سنا جا رہا ہے، پر دیکھنے والوں نے جو کچھ دیکھا ہے وہ یہ ہے۔ ابن حوقل جو چوتھی صدی ہجری میں ایران آیا ہے لکھتا ہے:۔

"فارس کا کوئی شہر اور کوئی خطہ ایسا نہیں ہے جس میں آتشکدے نہ ہوں، اور مجوسی (پارسی قوم) اس ملک کی تمام قوموں میں سب سے زیادہ تعداد میں پائے جاتے ہیں۔" (ابن حوقل ص ۱۸۷)

اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایران سے بالکلیہ نیست و نابود ہو جانے کا جو افسانہ مشہور کیا گیا ہے کتنا بے بنیاد افسانہ ہے۔ باقی یہ سوال کہ چوتھی صدی ہجری تک ایران کی یہ سب سے بڑی اکثریت آخر زمانہ میں اکثریت کی تشکل میں کیوں باقی نہ رہی، یہ الگ سوال ہے۔ جس کے جواب کی تفصیل کا یہاں موقعہ نہیں ہے۔ سر دست مسلمانوں سے خصوصاً ہندوستان کے مسلمانوں سے صرف

آپ دیکھ رہے ہیں کہ سمرقند میں اس زمانہ میں نصرانی کتنے آرام اور اطمینان کی زندگی بسر کرتے تھے ۱۲

Marfat.com

اس قدر کہنا ہے کہ جس اکثریت سے وہ ڈر رہے ہیں، کاش! بجائے اس کے ڈر کے خدا کا ڈر اپنے دل میں پیدا کرتے تو ایران کی اس اکثریت کا جو حشر اس ملک میں ہوا۔ میں یقین دلانا چاہتا ہوں کہ چاہیں تو ہندوستان میں بھی وہ اس تماشے کو دیکھ سکتے ہیں؎

ہفت کشور جس سے ہو تسخیر بے تیغ و تفنگ
تو اگر چاہے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے

لیکن اپنے "اسی سامان" کا نام مسلمانوں نے عجمی تصوف رکھ چھوڑا ہے اور جو چیز خاص ان کے گھر کی تھی اس کے متعلق مغالطہ میں مبتلا کیے گئے ہیں کہ باہر سے ان کے گھروں میں وہ داخل ہو گئی تھی۔

خیر اس قصہ کو تو چھوڑیئے۔ میں ایران کی اسی مجوسی اکثریت کا ذکر کر رہا تھا۔ دلچسپ بات اسی سلسلہ میں ابن حوقل ہی نے لکھی ہے۔ یعنی مجوسیوں کے ان آتشکدوں سے مسلمانوں نے استفادہ کی عجیب راہ پیدا کی تھی کہ لکھنے پڑھنے کے لیے سیاہی کی جو ضرورت ہوتی تھی۔ نیز کپڑوں کی رنگوائی میں بھی آتشکدوں میں جمع ہونے والی سیاہیوں سے کام لیا جاتا تھا۔ یہ لکھنے کے بعد کہ:

"فارس کے علاقے میں دوات کے لیے بھی اور رنگ کے لیے بھی بہترین سیاہی اور روشنائی ملتی ہے اتنی بہتر کہ چین سے جو سیاہی آتی ہے اس سے تو خیر فارس کی سیاہی بہتر نہیں ہے لیکن اس کے سوا روئے زمین میں ایسی سیاہی نہیں ملتی"

پھر بتاتے ہوئے کہ سیاہی کا یہ ذخیرہ کہاں سے حاصل کیا جاتا ہے وہی

Marfat.com

رقمطراز ہے:۔

"دوات والی روشنائی یا رنگ ہیں جو سیاہی کام آتی ہے دراصل یہ اس آگ سے حاصل کی جاتی ہے جو مجوسیوں کے آتشکدوں میں قدیم زمانے میں جلتی چلی آرہی ہے" (ابنِ حوقل ص ۲۱۵)

آخر میں لکھتا ہے:۔

"ظاہر ہے کہ یہ سیاہی کیا ہے؟ دھوئیں کے سوا اور بھی کچھ ہے؟"

کون کہہ سکتا ہے کہ آتشکدوں کی سیاہیوں سے جو روشنائی تیار ہوتی تھی اس سے مسلمان کن کن چیزوں کو لکھتے تھے۔ اگر قرآن اور اس کی تفسیریں، حدیث اور اس کے شروح، فقہ اور اس کے فتاویٰ، و متون کی کتابوں کی کتابت میں یہی روشنائی استعمال ہوتی تھی تو شرک کے نتائج سے توحید کی اشاعت و تبلیغ کا یہ کام دلیل ہے اس بات کی کہ مخالف سے مخالف شے کو بھی اسلام کی تائید کا ذریعہ بنا لینے میں ان پرانے مسلمانوں کو کیسی عظیم مہارت حاصل تھی۔ رحمۃ اللہ علیہم و ان قنی اللہ اتباعہم۔

فرغانہ کی معدنیات اور پتھر کا کوئلہ

اسی سلسلہ کی ایک چیز اور ہے۔ ابنِ حوقل ہی اس کا بھی راوی ہے۔ فرغانہ (ترکستان) کا ذکر کرتے ہوئے یہ لکھنے کے بعد کہ:۔

"اس علاقے میں سونے چاندی کے متعدد معاون ہیں نیز نقاد

Marfat.com

اور اخیکت کے علاقوں سے طلاء اور نقرہ برآمد ہوتا ہے۔ نیز پارہ بھی بکثرت یہاں کے پہاڑوں سے نکالا جاتا ہے۔ زفت (ڈامر) اور جراغسنک بھی یہاں کی کانوں سے لوگ نکالتے ہیں۔ انہی معدنوں سے لوہا اور رانگ بھی نکلتا ہے۔"

الغرض اسی قسم کی معدنی پیداواروں کا تذکرہ کرتے ہوئے آخر میں لکھا ہے کہ اسی خطہ میں:۔

"اسبرہ نامی جو جگہ ہے وہاں ایک پہاڑ ایسے سیاہ پتھروں کا ہے جو جلتے ہیں۔ ٹھیک کوئلہ کی طرح آگ کو قبول کرتے ہیں۔"

ابن حوقل کی اسی عبارت پر فارسی زبان میں ایک نوٹ بھی درج ہے۔ یعنی:۔

درہ اسبرہ کوہہائے چند ہست کہ آں کوہہا مانند فہم سوختہ می شود و از سنگہائے آں کوہ بر سرِ ہر خر وارِ بیک درہم مے فروشند (ابن حوقل ص ۲۹۷)	اسی اسبرہ میں چند پہاڑ ہیں جن کے پتھر کوئلہ کی طرح جلتے ہیں۔ ان پتھروں کو لوگ اس حساب سے فروخت کرتے ہیں یعنی ایک خروار (بار خر) ایک درم میں۔

یہ چوتھی صدی ہجری کا مشاہدہ ہے لیکن کہنے والوں کو کیا کہئیے جو کہتے پھرتے ہیں کہ پتھر کے کوئلوں کے استعمال سے یورپ ہی نے دنیا کو واقف کیا ہے۔ اس سے پہلے لوگ اس کے استعمال سے واقف نہ تھے۔ حالانکہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ پتھر کے ان کوئلوں کی خرید و فروخت کا عام رواج فرغانہ میں اس زمانہ میں تھا اور چین میں بھی جیسا کہ میں پہلے لکھ آیا ہوں اور پتھر کے ان کوئلوں کے متعلق ابن حوقل ہی کے فارسی حاشیہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

Marfat.com

چوں سوختہ مے شود ہم آں را با آب
مخلوط و ممتزج می کنند و جامہا را بداں
سپید کنند و بجائے صابون بکار برند
(ایضاً)

جب پتھر کا کوئلہ جل جاتا ہے تو اس کو پانی میں لوگ گھول دیتے ہیں اور اسی پانی سے کپڑے کو صاف کرتے ہیں۔ صابن کی جگہ اسی کو استعمال کرتے ہیں۔

میں تو نہیں جانتا کہ پتھر کے ان کوئلوں کے اس استعمال کا اب بھی دنیا میں رواج باقی ہے یا نہیں؟

بندرگاہ عمّان کی ایک اسٹرائک

اور کن کن باتوں کو سوچیے آج سمجھا جاتا ہے کہ مزدوروں، یا تاجروں یا مختلف کاروبار کرنے والوں کے ہاتھ میں اسٹرائک کا حربہ نیا حربہ ہے جو یورپ نے مظلوموں کو اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے دیا ہے لیکن سنیے بزرگ بن شہریار اپنی عجائب الہند میں راوی ہے۔ قصّہ تو طویل ہے حاصل یہ ہے کہ ایک یہودی اسحاق نامی عمان کی بندرگاہ میں دلالی کا کام کرتا تھا اتفاقاً کسی دوسرے یہودی سے اور جھگڑا ہو گیا۔ عمان سے بھاگ کر اسحاق ہندوستان چلا آیا۔ جس وقت ہندوستان آیا تھا اسکے پاس کل پونجی دو سو اشرفیاں تھیں، لکھا ہے کہ عمان سے تیس سال تک وہ غائب رہا۔ ۳۰۰ھ میں وہ عمان پھر واپس ہوا اور بڑے تزک و احتشام سے واپس ہوا۔ خود اپنا جہاز تھا جس پر تجارتی سامانوں کے ساتھ عمان کی بندرگاہ پر پہنچا۔ خلیفہ مقتدر باللہ عباسی کا زمانہ تھا۔ خلیفہ کی طرف سے عمان کی بندرگاہ کا کمشنر اس زمانے میں احمد بن ہلال تھا لکھا ہے کہ احمد بن ہلال کے ہاتھ اس یہودی نے ایک لاکھ مثقال وزن میں تو مشک ہی فروخت کیا تھا اور بھی ہزارہا ہزار روپے کی مختلف چیزیں مختلف لوگوں نے سازش کا جال اس کے خلاف بچھایا اور مقتدر باللہ کو اس پر آمادہ کیا کہ اس یہودی

Marfat.com

کے مال کا جائزہ لے۔ مقتدر کا آدمی عمان پہنچا اور احمد بن ہلال کے نام جب مقتدر باللہ کا خط اس یہودی کے بھیجنے کے لیے موصول ہوا۔ لیکن بس یہی سننے کی بات ہے کہ بلاوجہ ایک تاجر کے متعلق حکومت نے جو بدنیتی کا ارادہ کیا تھا۔ اس سے مقابلہ کرنے کی تدبیر کیا اختیار کی گئی۔ بزرگ بن شہریار نے لکھا ہے کہ:۔

غلقت الاسواق وكتبت المحاضر وتهد فيها الغرباء والقاطنين بانه متى حمل هذا اليهودي انقطعت المراكب عن عمان وهرب التجار وانذر الناس بعضهم بعضا ان لا يطرق احد ساحلا من سواحل العراق ولا يامن ذو مال على ماله۔

دکانیں بند کردی گئیں اور خلیفہ کے نام معروضے لکھے گئے جن پر باہر والوں کے بھی اور خاص عمان کے باشندوں کے بھی دستخط تھے ان معروضوں میں لکھا گیا تھا کہ اس یہودی تاجر کو اگر بغداد زبردستی لوگ لے جائیں گے تو جہازوں کی آمد و رفت عمان کی بندرگاہ پر قطعاً روک دی جائیگی تاجر بھاگ جائیں گے لوگ اس خبر کو پھیلانے لگے کہ عراق کے ساحل پر کوئی نہ جائے اور نہ کسی مال والے کو اپنے مال کی حفاظت کی ضمانت باقی رہے گی۔

اسی قسم کی طویل عبارت کے بعد آخر میں خلیفہ کے نام کے اس میموریل میں لکھا تھا کہ:۔

"اس بندرگاہ عمان میں بڑے بڑے تجار اور ثروت و دولت والے اس اعتماد پر مقیم ہیں کہ امیر المومنین کے عدل و انصاف پر ان کو بھروسہ ہے وہ سمجھتے ہیں کہ خلیفہ تاجروں کی خاص طور پر نگرانی کرتا ہے اور بری نیت ان تاجروں کی دولت پر جو لوگ رکھتے ہیں ان کو اس کی تلوار نے مایوس

Marfat.com

رکھا تھا۔"

بہرحال اسٹرائک کے اسی طریقہ کے اختیار کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ مقتدر کا جو آدمی بغداد سے آیا تھا یہودی کے چھوڑنے پر مجبور ہوا۔

میری اس واقعہ کے ذکر سے یہی ہے کہ اسٹرائک اور ہڑتال کے جس طریقہ کو مغربی طریقۂ احتجاج قرار دیا جا رہا ہے چاہیئے کہ لوگ اس کی بھی نظر ثانی کریں اور اسی پر کیا غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں کا ایک طوفان ہے جسے مختلف راہوں سے یورپ نے دنیا میں پھیلا دیا ہے۔ لوگوں کا مطالعہ اگر وسیع ہو تو اس قسم کی بہت سی غلط فہمیوں کا وہ ازالہ کر سکتے ہیں۔

مختلف ممالکِ اسلامیہ کی لسانی خصوصیات

ان مسلمان سیّاحوں کی کتابوں میں ایک دلچسپ چیز یہ ہے کہ بعض مقامات کی لسانی خصوصیات کے تذکرے کے ساتھ ساتھ اسکا بھی ذکر کرتے ہیں کہ اس علاقے میں زیادہ تر لوگ کن ناموں کو پسند کرتے ہیں۔ مقدسی کو اس کا بہت شوق ہے بلکہ اسی نے ایک مستقل باب اپنی کتاب میں اس کا باندھا ہے کہ ناموں کو بگاڑنے کے مختلف اسلامی ممالک میں اس زمانے میں کیا طریقے تھے۔

مثلاً نیشاپور والوں کی لسانی خصوصیت یہ بیان کی ہے کہ گو زبان تو ان کی فارسی ہے لیکن خواہ مخواہ اکثر الفاظ میں سین کا اضافہ ان کی عام عادت ہے مثلاً بگفتی کو بگفتی بخردی کو بخریدسی، بخفتی کو بخفتسی، اسی طرح الفاظ کو کھینچنے کا بھی خاص عارضہ ہے خصوصاً یای کا اضافہ ان کے لہجہ میں بکثرت پایا جاتا ہے مثلاً بگو کو بیگو، بشو کو بیشو، اسی نے مرو والوں کے متعلق لکھا ہے کہ۔ فیہ طول و مد ان کی زبان میں بڑی کھینچ تان

Marfat.com

ہے، بخارا والوں کے متعلق بھی اس کو شکایت ہے کہ خواہ مخواہ بلا ضرورت الفاظ بڑھاتے ہیں۔ مثلاً مردے سے جگہ یکے مردے کہیں گے۔ سمرقند والوں کی زبان کی خصوصیت یہ بیان کی ہے کہ وہ کاف اور قاف کی بھر مار زیادہ کرتے ہیں مثلاً بکردم کو بقردم، بگفتم کو بقفتم کہتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصّواب۔ مقصد اس کے ذکر سے اسلامی سیّاحوں کی جزرسی کی توجہ دلانی ہے۔ اہواز والوں کی زبان کی خصوصیت مقدسی نے یہ بتائی ہے کہ فارسی میں عربی الفاظ ٹھونسنے کے عادی ہیں۔ مثال دی ہے کہ این کتاب دملی کن، ایں کار قطعاً کن، (المقدسی ص ۴۱۸)

ناموں میں تصرّف کی عادت

ہندوستان کے بھی مختلف صوبوں میں ناموں کی تراش وخراش کا کافی رواج ہے غالباً ترخیم کے ناموں کے بگاڑنے کا عربی طریقہ تھا۔ مقدّسی نے لکھا ہے کہ:۔

"علی، حسن، احمد، ناموں کو بگاڑ کرر ے والے علکا، حسکا، حمکا کہتے ہیں اور ہمدان والے احمدکا۔ محمدکا۔ عیشلا۔ ساوہ والے ابوالعباس کو ابوالعباسان، حسن کو حسنان۔ جعفر کو جعفران کہتے ہیں" (مقدسی ص ۳۹۸)

مختلف علاقوں کے خصوصی نام

ایک باب مقدسی نے یہ بھی باندھا ہے۔ مثلاً لکھتا ہے کہ:

"قم والے عموماً اپنی کنیت ابوجعفر رکھتے ہیں۔ اور اصفہان والے ابو مسلم۔ قزوین والے ابوالحسین"۔

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com